ستمبر 2002

ماہنامہ

اردو دنیا

نئی دہلی

پریم چند کے 122 ویں یوم پیدائش پر کلیات پریم چند کی چار جلدوں کی رسم اجرا
بدستِ مبارک ڈاکٹر مرلی منوہر جوشی

قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان، نئی دہلی
محکمہ ثانوی و اعلا تعلیم، وزارت ترقی انسانی وسائل، حکومت ہند

پریم چند کے 122ویں یوم پیدائش پر 31 جولائی 2002 کو پریم چند کی باتصویر سوانح (مرتبہ کمل کشور گوئنکا) کا اجرا ڈاکٹر مرلی منوہر جوشی نے کیا۔ تصویر میں (دائیں سے) جناب کمل کشور گوئنکا، پروفیسر شکیل الرحمن، ڈاکٹر مرلی منوہر جوشی، جناب گلزار، محترمہ بیلا مربی (جوائنٹ سکریٹری ٹیکنیکل ایجوکیشن) اور ڈاکٹر محمد حمید اللہ بھٹ۔

بچوں کا گھر نئی دہلی میں واقع کمپیوٹر تربیتی مرکز قومی اردو کونسل کے تعاون سے چلایا جارہا ہے۔ یوم آزادی کی تقریب کے موقعے پر اس مرکز کا معائنہ کرتے ہوئے مرکزی وزیر برائے شہری ہوابازی سید شاہنواز حسین۔

ماہنامہ
اردو دُنیا نئی دہلی

جلد۔4، شمارہ۔9: ستمبر 2002

قیمت۔/10روپے سالانہ ۔/100روپے

مدیر: ڈاکٹر محمد حمید اللہ بھٹ
معاون مدیر: ارجمند آرا

مشیر: مخمور سعیدی

ناشر اور طابع:
ڈائرکٹر قومی کونسل برائے فروغ اُردو زبان
وزارت ترقی انسانی وسائل محکمہ تعلیم۔ حکومت ہند

صدر دفتر:
ویسٹ بلاک۔1، ونگ۔6
آر۔کے۔پورم، نئی دہلی۔ 066 110
فون 6103381، 6103938
فیکس 6179657، 6108159
ویب سائٹ
http://www.urducouncil.com
email: urducoun@ndf.vsnl.net.in

کمپوزنگ: قومی اُردو کونسل

مطبع: جے کے آفسیٹ پرنٹرس، جامع مسجد
دہلی۔110006

مقام اشاعت: دفتر قومی اُردو کونسل

شعبۂ فروخت
ویسٹ بلاک۔8، ونگ۔7،
آر۔کے۔پورم، نئی دہلی۔110066
فون 6109746

شاخ: 5-4-4/435/20، گرین ہاؤس،
اسٹیشن روڈ، نام پلی، حیدرآباد 001 500(A.P.)
فون 4615139

اس شمارے میں

آپ کی بات .... خطوط 2
ہماری بات .... اداریہ 5
دو شہیدوں کی کہانی (گیسٹ کالم) .... راجیند ریادو / فیروز عالم 6
● پریم چند ہمیں اپنی پہچان کی جانب موڑتے ہیں .... مرلی منوہر جوشی 10
● مہاراشٹر میں اردو آبادی .... اے۔ آر۔ کمی 12
● تصوف خدا پرستی اور انسان دوستی کا سنگم .... نثار احمد فاروقی 21
● پرنٹ میڈیا میں غیر ملکی سرمایہ کاری .... معین الدین خاں 29
● تم عطا کرو گے ہماری حفاظت .... تجے ورما 32
● ترقی اور فلاح کی مفید مرکزی اسکیمیں .... عبدالعلیم قدوائی 34

گوشۂ ادب
● مشاعروں کی تہذیبی اہمیت .... منور حسن کمال 37

گوشۂ فروغ کتب
● جان کمپنی سے جمہوریہ تک جدید ہندوستان کی کہانی (اقتباس) .... مشیر الحسن 40
● امیر زادوں کو فکر معاش (فسانۂ آزاد سے اقتباس) .... رتن ناتھ سرشار 42

طلبہ کے لیے
● ملازمت اور روزگار کے مواقع .... سلمان عابد 44
● مائکرو سافٹ ورڈ .... عظیم صدیقی 46
● اردو زبان و قواعد (نوٹز) .... عتیق احمد صدیقی 50

کتابوں کی موبائل وین آپ کے شہر، آپ کے گاؤں میں .... ادارہ 53
اردو خبر نامہ .... ادارہ 55
تبصرہ و تعارف .... کتابوں پر تبصرے 71
● اردو ڈراموں کا انتخاب / پروفیسر محمد حسن .... مبصر ملک راشد فیصل
● مولانا ابوالکلام آزاد شخصیت، سیاست، پیغام / رشید الدین خاں .... مبصر ابو ظہیر ربانی
● اردو لغت نویسی کا تنقیدی جائزہ / ڈاکٹر مسعود ہاشمی .... مبصر شبنم آرا
● آزادی کے بعد اردو شاعری میں طنز و مزاح / ڈاکٹر مظہر احمد .... مبصر محمد نوشاد عالم
● صحافت فنی و ارتقائی سفر / ڈاکٹر پروین فاطمہ .... مبصر محمد نثار
● غنچہ و گل / نثار سریانوی ● بیت بازی / ابن غوری
● اخلاق و اخلاص مرتبہ ابن غوری ● گھنی چھاؤں کا پیڑ (شعری مجموعہ) / امین حزیں
● عنوانات درخشاں (شعری مجموعہ) / ارشد صدیقی

بچوں کا گوشہ
● تتلی رانی .... عبدالودود انصاری 76

آپ کی بات

■ پروفیسر گیان چند جین، 23نوالا بروائن، کیلی فورنیا، یو۔ایس۔اے۔
(پروفیسر گوپی چند نارنگ، نائب چیئرمین قومی اردو کونسل کے نام)

آپ کی شاندار کتاب "اردو مثنویاں" ملی۔ یہ تاریخ ساز کتاب ہے۔ مثنوی پر آپ کی کتاب 1963 میں آئی، عقیل کی 65ویں اور میری 69ویں کتاب۔ اردو مثنوی کے موجودہ ایڈیشن اور امیر خسرو والی کتاب کی وجہ سے تحقیق میں آپ کا مقام محفوظ ہوگیا ہے۔

میں اپنی اردو ہندی کی کتاب میں لگا ہوا ہوں۔ ابتدائی چند باب اچھے نہیں لکھے گئے تھے۔ اب نقشِ ثانی از سر نو تیار کر رہا ہوں۔ آپ کو پہلے لکھ چکا ہوں کہ میری دماغ کے نچلے حصّے میں ایک Cyst ہے۔ اگست میں نیورو سرجن دیکھ لے گا تو معلوم ہوگا کہ سرجری کرانا ضروری تو نہیں۔

میں اپنی کتاب کا نام کرسٹوفر کنگ کی انگریزی کتاب One Language Two Scripts سے ماخوذ کر کے "ایک بھاشا، دو لکھاوٹ، دو ادب" رکھ رہا ہوں۔ یہ نام ایک مصرع ہوگیا ہے۔ کتاب میں ہندی لسانیات بہت ہوگی۔ یہ جز لکھ چکا ہوں، اب دوبارہ لکھوں گا۔ باہر جانے سے تفصیلی کام میں بہت ہرج ہوتا ہے۔ اپنے ساتھ چند کتابیں میں لے جاسکتا ہوں، قدم قدم پر دوسری کتابوں کی ضرورت پڑتی ہے۔ کتاب سنجیدہ ہوگی، نومبر تک میں صحت کے ساتھ رہ سکا تو کتاب آپ کے حوالے کردوں گا۔

کیا آپ کا دو تین ماہ میں کینیڈا اور امریکہ آنے کا پروگرام ہے۔

پرسوں شام معلوم ہوا کہ تقریباً 25 دن پہلے بھوپال میں ابو محمد انتقال کر گئے، بہت افسوس ہوا۔ میرا ایک مضمون "تحقیق کی معذوری" ہماری زبان" میں چھپا تھا۔ میرے پاس نہیں ہے۔ یہ بھی یاد نہیں کہ کتنے سال پہلے چھپا تھا۔

■ پروفیسر ایس۔ایم۔ایچ۔ رضوی، 534، اتر سوئیا، الہ آباد-211003

"اردو دنیا" جون کا شمارہ پیش نظر ہے۔ صفحہ 76 پر تحقیق غالب کالی داس گپتا رضا کے عنوان کے تحت محمد عارف خاں و ثاقب صدیقی مرتبین کے نام درج ہیں، مبصر شبنم آرا ہیں۔ اس تبصرے کی عبارت نقل کی جاتی ہے:

"عام طور پر کم معروف شعرا کے اشعار مشاہیر شعرا کے کھاتے میں ڈال دیے جاتے ہیں۔ نتیجتاً شعر تو مشہور ہو جاتے ہیں لیکن اُن کے خالق گمنامی میں کھو جاتے ہیں۔ مثلاً یہ شعر

فقیرانہ آئے صدا کر چلے
میاں خوش رہو ہم دعا کر چلے

میر تقی میر کے حوالے سے سنتے آئے ہیں۔ رضا صاحب کی تحقیق کے مطابق اس کے خالق بالاجی ترمبک (جی) تا یک ذرہ برہان پوری ہیں۔ یہ شعر بھی:

دل کے آئینے میں ہے تصویرِ یار
جب کبھی گردن جھکائی دیکھ لی

میر تقی میر سے منسوب ہے۔.. تحقیق کے مطابق... شعر موجی رام موجی کا ہے۔"

مبصر نے یہ نہیں بتایا کہ "فقیرانہ آئے صدا کر چلے" کے سلسلے کی تحقیق رضا صاحب کے کس مجموعے میں ہے؟ صفحہ نمبر کیا ہے؟ مضمون کا عنوان کیا ہے؟ رضا صاحب نے "سہو سراغ" میں بے شک بہت سے معروف اشعار کے انتساب پر روشنی ڈالی ہے مگر مذکورہ شعر یا غزل کا کوئی تذکرہ نہیں ہے۔ میر سے ایک شعر منسوب کیا جاتا تھا:

تھمتے تھمتے تھمیں گے آنسو
رونا ہے یہ کچھ ہنسی نہیں ہے

رضا صاحب نے تحقیق کر کے ثابت کیا کہ شعر بدھ سنگھ قلندر کا ہے اور متن یوں ہے:

تھمتے ہی تھمیں گے اشک ناصح
رونا ہے کچھ ہنسی نہیں ہے

لیکن فقیرانہ آئے صدا کر چلے۔۔۔ کا کوئی تذکرہ نظر سے نہیں گزرا۔

میر سے منسوب اشعار جو کلیات میں نہیں ہیں اُن پر رائے دی جاسکتی ہے، اور یہ درست بھی ہوگا مگر جو غزلیں یا اشعار کلیات میں ہیں اُن پر کیا تحقیق ہوسکتی ہے؟ یہ شعر میر کے دیوانِ اوّل میں ہے (کلیات میر مرتبہ عبدالباری آسی) اور دیوانِ اوّل 1165ھ تک رائج ہو چکا تھا۔

دوسری بات یہ کہ ذرّہ کا عہد 1150 تا 1200 ہے۔ تیسری بات یہ ہے کہ ذرّہ نے مراثی خوب کہے ہیں۔ جو غزلیں کلیات میں ہیں معمولی ہیں اور مذکورہ غزل ان میں شامل نہیں ہے۔ لیکن پہلی شق کا جواب وضاحت طلب ہے کہ رضا صاحب نے کس مضمون میں اس شعر کا انتساب ذرہ سے کیا ہے اور وہ کس مجموعے میں ہے؟

موجی رام موجی کا شعر میر سے کبھی منسوب نہیں کیا گیا۔ غیر معروف شاعر کا سمجھا جاتا رہا مگر اب گذشتہ تیس برسوں سے ادب کے طلبہ اسے موجی رام موجی ہی کا جانتے ہیں۔ شعر کے انتساب کے سلسلے میں ایک ہی اصول کارفرما رہنا چاہیے یعنی جس کے دیوان یا کلیات میں ہے، اُس کا ہے۔

اگر ایک ہی متن دو جگہ یا دو شعرا کے یہاں ہے تو تقدم زمانی پر نظر رکھنی چاہیے۔ اگر معاصرین ہیں تب پھر معاصر شہادتوں، قرائن اور اسلوب کلام سے تعین کیا جائے گا کہ خالق کون ہے؟

■ شبنم آرا، 240، گنگا ہاسٹل، جے. این. یو، نئی دہلی-110067

اگست 2002 کے ماہنامہ "اردو دنیا" میں جناب اکبر حیدری کشمیری صاحب کے خط کے حوالے سے ان سطور میں وضاحت پیش کرتی ہوں۔ میں نے شین. کاف. نظام اور ضیاء الدین اصلاحی کے مضامین کے توسط سے بات کی تھی۔ مذکورہ کتاب "محقق غالب کالی داس گپتا رضا" میں شامل شین. کاف. نظام کے مضمون بعنوان "یادوں کے کولاژ" میں کالی داس گپتا رضا" سے میں نے اقتباس درج کیا تھا۔ عبارت یہ تھی:

"رضا صاحب کی کتابوں میں سے جس کتاب نے مجھے سب سے زیادہ متوجہ کیا وہ تھی صابر دت کی مرتبہ "سہو و سراغ" جس میں ایک مضمون تھا "چند مشہور شعر اور ان کے خالق"۔ مضمون نہ صرف یہ کہ بہت دلچسپ تھا بلکہ کئی غلط فہمیوں کا ازالہ کرنے والا بھی تھا۔ کم از کم مجھے اسی مضمون سے معلوم ہوا کہ ہم نے کئی کم معروف شعرا کے مشہور اشعار مشاہیر شعرا کے کھاتے میں ڈال دیے ہیں۔ نتیجتاً شعر تو مشہور ہو گئے ہیں لیکن ان کے خالق قعر گمنامی میں کھو گئے ہیں، مثلاً یہ شعر

فقیرانہ آئے صدا کر چلے
میاں خوش رہو ہم دعا کر چلے

بچپن سے میر تقی میر کا سنتے سمجھتے آئے تھے اس مضمون سے معلوم ہوا کہ اس کے خالق تو بالا جی ترمبک تانک ذرہ جانپوری ہیں۔"

مذکورہ بالا اقتباس کو مدِنظر رکھتے ہوئے حیدری صاحب اگر شین. کاف. نظام صاحب سے وضاحت طلب کریں تو شاید زیادہ مناسب ہوگا۔

نظام صاحب کی اطلاع کے مطابق "سہو و سراغ" ناشر یک ڈپو، لکھنؤ سے مارچ 1966 میں شائع ہوئی ہے۔

■ ڈاکٹر ایم. نسیم اعظمی، نکھار پبلی کیشنز، مؤمن پورہ، مئوناتھ بھنجن

ڈاکٹر اے. آر. فہمی صاحب کے اردو لسانی تجزیے واقعی لاجواب ہوتے ہیں۔ "اردو دنیا" بابت جولائی 2002 میں کرناٹک کی اردو آبادی سے متعلق ان کا لسانی تجزیہ ان کے سابقہ لسانی تجزیوں کی طرح کافی اہمیت کا حامل ہے۔ اس کے علاوہ دہلی میں اردو میڈیم تعلیم سے متعلق قومی اردو کونسل کا سروے بھی خاصے کی چیز ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ اسی قسم کے تحقیقاتی اور تجزیاتی مضامین نے "اردو دنیا" کو مزید وقیع اور افادی بنا دیا ہے اور یہ سب آپ کی اردو زبان سے بے پناہ محبت اور انتھک محنت کا ثمرہ ہی کہا جائے گا۔

زیرِ نظر شمارے میں جناب اطہر فاروقی کا گیسٹ کالم (مسلمانوں کا تشخص اور تعلیمی صورتِ حال)، انور پاشا کا مضمون "اردو تعلیم۔ تکرار کے متقاضی چند نکات" ثروت اقبال کا مضمون "اردو کا مستقبل اس کی تعلیم سے وابستہ ہے" کے علاوہ گوشۂ ادب اور گوشۂ فروغِ کتب وغیرہ بھی خوب ہیں۔

■ انوار انصاری، سابق سینئر آڈٹ آفیسر مالپوزٹ اولڈ ہزاری باغ روڈ، چونابھٹہ، رانچی-834001

"اردو دنیا" جولائی کے شمارے میں "ہماری بات" کے تحت مدیرِ محترم نے بڑی چونکانے والی بات کی جانب اشارہ کیا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ اب درس و تدریس بھی ایک انڈسٹری کی صورت اختیار کر گئی ہے جس میں سارا زور پروڈکٹ پر ہوتا ہے، تعمیر کے عمل پر نہیں۔ استاد کو اپنے طالبِ علم کی مکمل زندگی کو، اس کی کل کائنات کو اپنا کلاس روم سمجھنا چاہیے لیکن آج کلاس روم سے باہر طالب علم کی زندگی سے انھیں کوئی غرض نہیں ہوتی۔ صحت مند معاشرے کی تشکیل کے لیے ضروری ہے کہ ایسے معاملے پر دانشوروں سے بحث کرائی جائے اور اس کا حل تلاش کیا جائے۔

گیسٹ کالم کے تحت جناب اطہر فاروقی نے بہت اہم بات کہی ہے۔ ان کا یہ مضمون ہر صاحبِ علم کو فکر و عمل کی دعوت پر اکساتا ہے۔

دہلی میں اردو میڈیم تعلیم کا سروے نہایت جامع ہے اور تفصیلی ہے۔ اے. آر. فہمی کا مضمون کرناٹک میں اردو آبادی بھی بے حد اہم اور کارآمد ہے۔ ضرورت ہے کہ دوسرے صوبوں کی رپورٹ بھی اس طرح سے شائع کی جائے۔

پریم چند کا افسانہ "دودھ کی قیمت" دل کو چھو لیتا ہے۔ سچ مچ پریم چند کے قلم میں جادو ہے۔

■ ثروت اقبال، 59، بسلرج روڈ، کلیم کومن، لندن-SW4 7EN

ہندستان میں اردو زبان کے ساتھ تاریخ اور سیاست نے بڑا ظلم کیا ہے۔ برسوں کی محرومی کی وجہ سے اردو کمیونٹی میں خاصی بددلی پائی جاتی ہے۔

■ روحی انجم، شانتی نگر، اولڈ ہزاری باغ روڈ، چونابھٹہ کے پاس، رانچی-1

"اردو دنیا" کا باقاعدہ مطالعہ کرتی ہوں۔ یہ رسالہ مجھے بے حد پسند ہے۔ اس سے اردو کی سرگرمیوں کا پتا چل جاتا ہے۔ جولائی کا شمارہ پیشِ نظر ہے۔ مجھے اطہر فاروقی کا مضمون بے حد پسند آیا۔ میں موصوف کی رائے سے متفق ہوں کہ "مسلم پرسنل لا کی تشکیل نو ہونی چاہیے مگر خیال رہے کہ علامہ اقبال کے نظریات کو نقطۂ آغاز کے طور پر استعمال کیا جانا چاہیے۔"

"سروپلی گوپال۔ ایک عظیم تاریخ داں" یہ مضمون بے حد معلوماتی ہے اور طلبہ کے لیے مفید۔ مجھے پریم چند کا افسانہ بھی پسند آیا۔ پریم چند واقعی ایک بہت بڑے افسانہ نگار تھے۔ اڑیسہ کی لوک کتھا "کنول کا پھول" بھی بے حد اچھی لگی۔ ایسی کہانیاں برابر شائع کیجیے۔

■ رضوان خاں، سکریٹری بزم اُردو شیخ سرائے سیتاپور

"اردو دنیا" شمارہ جولائی 2002 باصرہ نواز ہوا۔ سابقہ شماروں کی طرح یہ شمارہ بھی پسند آیا۔ مختلف شعبہ جات سے متعلق مضامین مثلاً ادب، سائنس، کمپیوٹر تعلیم اور تجارت کے میدان سے وابستہ مضامین آپ کی ہمہ جہت شخصیت اور صلاحیت کی دلیل ہیں۔ ادبی اور لسانی دنیا میں نمایاں حیثیت رکھنے والی یہ میگزین ساجی علوم پر مبنی مضامین کی وجہ سے ایک جامع جریدے کی شکل میں منظر عام پر آئی ہے۔ ضلع سیتاپور میں "اردو دنیا" کا سرکولیشن بڑھنے سے قارئین "اردو دنیا" کا حلقہ بھی وسیع ہو رہا ہے۔ بزم اُردو یہاں حلقہ قارئین "اردو دنیا" کو مزید وسیع کرنے کے لیے برابر کوشاں ہے۔

■ تشمیر احمد عثمانی، پرانا بازار، شاہ پور پٹوری، ضلع سستی پور (بہار)

"اردو دنیا" ہر ماہ پڑھنے کا موقع ملتا ہے۔ اس کے مضامین کافی معلوماتی ہوتے ہیں۔ آپ نے اردو کے فروغ کے لیے جو اقدامات کیے ہیں وہ لائق تحسین ہیں۔ خصوصاً موبائل وین کے ذریعے گھر گھر کتابوں کو پہنچانے سے اردو سے عوام کی دلچسپی بڑھتی جارہی ہے۔ ہمیں امید ہے کہ ان تمام کوششوں سے مستقبل میں اردو کے لیے فضا ہموار ہوگی اور اردو ادب کی بقا کے لیے آپ کی یہ کوششیں صدیوں یاد رکھی جائیں گی۔

■ غلام حسنین، 9۔ تکیہ، دیوان شاہ، مومن پورہ، ناگپور-440018

"اردو دنیا" اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ جہانِ صحافت میں قدم جمائے ہوئے ہے۔ محرک جیسا ہوتا ہے تحریک اسی رفتار سے آگے بڑھتی ہے۔ صوری اور معنوی دونوں اعتبار سے جاذب نظر "اردو دنیا" کی باقاعدہ اشاعت پر مبارکباد قبول فرمائیں۔

■ احسان ثاقب، محلہ اسلام پور، آسنسول-713301

ماہنامہ "اردو دنیا" جون 2002 توجہ کے ساتھ پڑھا۔ تعلیم بالخصوص ابتدائی تعلیم کے حوالے سے بہتر نظام تعلیم کا جو فارمولا آپ نے پیش کیا ہے اگر ہر ریاست کے ارباب اختیار میں اسے قبولیت کا درجہ مل جائے تو بلاشبہ اردو والے زیادہ مستفید ہوں گے۔ تعلیمی پیمانے کے تعلق سے آپ کی رائے سو فی صد درست ہے کہ معقول آمدنی والے والدین اپنے بچوں کے لیے معیاری تعلیم خریدنے کے اہل ہیں۔ مغربی بنگال میں ہائر سیکنڈری امتحان میں ٹاپ کرنے والی پرچا مترا نے میڈیا کے سامنے اس سچائی کا انکشاف کیا کہ وہ سات ٹیچروں سے ٹیوشن پڑھا کرتی تھی۔

"بہار اور جھارکھنڈ میں اردو آبادی" اے۔ آر۔ فتیحی کی بڑی قیمتی کوشش ہے۔ ارتقا شیخ (یو۔ کے) کا مضمون "اردو کی تعلیم اور ہماری نئی نسلیں" اہل اردو کے لیے اپنی تہذیبی شناخت قائم رکھنے کی طرف واضح اشارہ ہے۔

■ عبدالرشید ٹھاکر، ہدا شد ہاؤس، بلسی وار، اسنت ناگ، کشمیر

جولائی 2002 کا "اردو دنیا" موصول ہوا۔ بہت اچھا اور دلچسپ رسالہ ہے۔ سرورق جاذب نظر ہے۔ اردو کی خدمت کے لیے قائم یہ ادارہ واقعی بحسن و خوبی اپنی ذمے داریاں انجام دے رہا ہے۔ اردو کی ترقی اور ترویج و اشاعت کے لیے ہر ایک کو خلوصِ دل کے ساتھ کام کرنا چاہیے۔

اس سلسلے میں ابتدائی، ثانوی اور اعلیٰ تعلیمی اداروں کا قیام ناگزیر اور اس کے لیے اعلیٰ دانش گاہوں کی معاونت از حد ضروری ہے۔ مولانا آزاد نیشنل اردو یونی ورسٹی نے ریاست جموں و کشمیر میں صرف ایک مطالعاتی سینٹر کھولا ہے اور وہ بھی جموں میں۔ سرینگر کو اس سلسلے میں نظرانداز کردینا ہم جیسے لوگوں کے لیے ناقابل فہم ہے۔ میں نے اس سلسلے میں دانشگاہ کے اکابرین کو خطوط لکھے، فون کیے، فیکس بھیجے مگر ادھر سے کوئی ہمت افزا جواب نہیں ملا۔

■ ششی ٹنڈن، 18/59، مائیتھان، آگرہ-282003

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کے شعبۂ فروخت و نمائش کی موبائل وین کی آگرہ میں اردو کتابوں کی نمائش ایک کامیاب اور مستحسن قدم تھا۔ کامیاب نمائش کے لیے نمائش سے وابستہ تمام عملہ مبارکباد کا مستحق ہے۔ خدا کرے ہماری زبانِ اردو ترقی کی نئی منزلیں طے کرے۔ آمین۔

■ نذیر احمد ڈار (صحافی) نزد ایس۔ ڈی۔ ایچ کشتواڑ (جے اینڈ کے)

"اُردو دنیا" کا مستقل قاری ہوں۔ "اُردو دنیا" ایک معیاری رسالہ ہے جس میں اچھے مضامین چھپتے ہیں اور اردو دنیا کے نشیب و فراز سے واقفیت حاصل ہوتی ہے۔

میری رائے ہے کہ "اردو دنیا" میں دنیا بھر کے اردو رسائل اور اخبارات پر تنقیدی جائزہ شامل کریں اور صحافت کے موضوع پر مستقل صفحہ رکھیں۔

■ نوشاد نادان، سکریٹری "بزم ندیم"، نیو اسٹائل ٹیلرس، لاروڈ، گیا، بہار

ماہنامہ "اردو دنیا" عصری تقاضوں سے معمور ایک معیاری رسالہ ہے۔ اس جدید دور میں ایک ایسے ہی رسالے کی شدت سے کمی محسوس کی جارہی تھی جسے "اردو دنیا" نے پُر کردیا۔

تمام مشمولات مفید اور معیاری ہوتے ہیں، خاص طور سے "طلبہ کا گوشہ" کافی معلوماتی اور دلچسپ ہوتا ہے۔

ہماری بات

ماحولیاتی توازن اور اس کے تحفظ ہی میں کرۂ ارض پر زندگی کی بقا کا راز پوشیدہ ہے، یہ ایک بالکل کھلی ہوئی حقیقت ہے۔ اس توازن کو برقرار رکھنے کے لیے قدرت نے اپنا جو نظام مقرر کر رکھا ہے اس میں کائنات کی ہر شے اپنا حصہ ادا کرتی ہے۔ قدرت کے اس نظام کا مطالعہ حیرت انگیز اور دلچسپ حقائق و انکشافات سامنے لاتا ہے۔ سائنس دانوں نے جہاں ایک طرف عالمِ انسانیت کے سامنے ایسے مطالعات پیش کردیے ہیں جن کے سبب ہم آج اپنے گردوپیش کے ماحول اور اس کی اہمیت وافادیت سے واقف ہوگئے ہیں وہیں دوسری طرف اس توازن کے بگڑنے سے ہونے والے نقصانات سے بھی بہت حد تک آگاہ کردیا ہے لیکن افسوس کی بات یہ ہے کہ انسان خود ہی اپنی شمعِ حیات گل کرنے کے درپے ہے اور قدرتی وسائل کے بے روک ٹوک اور بے جا استعمال سے اور غیر نفع بخش مادی ترقی کی ہوڑ میں ماحول کو تیزی سے خراب کررہا ہے۔

سائنس داں اور دانش ور اپنے مطالعات کے ذریعے اور بین الاقوامی سطح پر کام کرنے والی تنظیمیں اور ادارے اپنے اپنے طور پر گذشتہ کئی دہائیوں سے اس جانب توجہ مبذول کرارہے ہیں جن میں مختلف ممالک کے اربابِ اختیار بھی پیش پیش ہیں لیکن ان اقدامات سے کوئی ایسی قابلِ عمل حکمتِ عملی وجود میں نہیں آئی ہے جو اثر انگیز بھی ہو۔

گذشتہ دنوں اقوامِ متحدہ کے ماحولیاتی پروگرام (UNEP) سے وابستہ سائنس دانوں نے ایک لرزہ خیز رپورٹ شائع کی ہے جس نے ایک بار پھر حالات کی نزاکت اور فوری اقدامات کی ضرورت کی جانب اشارہ کیا ہے۔ اس رپورٹ کے مطابق آلودگی کی تین کلومیٹر موٹی چادر جنوبی ایشیا اور ہندستان کے اوپر چھائی ہوئی ہے۔ آلودگی کی اس دھند میں شامل خطرناک تیزابی عناصر اور گرین ہاؤس گیسوں کے سبب جہاں ایک طرف سانس کی بیماریاں ہزاروں لوگوں کی ناگہانی موت کا پروانہ بن جائیں گی وہیں دوسری جانب موسم میں تبدیلیاں آئیں گی جس سے کھیتی باڑی اور اناجوں کی پیداوار متاثر ہوگی، مانسون کے رخوں میں تبدیلی ہوگی جس سے خشک سالی کے امکانات بڑھیں گے۔ 200 سائنس دانوں پر مشتمل اس ٹیم نے "ایشین براؤن کلاؤڈ" یا ایشیائی بھورے بادل کے بداثرات اگلے تیس سال میں بد سے بدتر ہونے کے امکانات کی جانب اشارہ کیا ہے جس کے سبب جنوبی ایشیائی ممالک اور ہندستان کے معاشی ترقی کے امکانات بھی مجروح ہوں گے۔

فضائی آلودگی کے تین کلومیٹر موٹائی والے اس بادل میں موجود زہریلی گیسیں اور دھواں ادھ جلے بایوماس اور ایندھن کے غیر محفوظ استعمال سے پیدا ہونے والی کاربن آکسائڈ اور کاربن مونو کسائڈ کا نتیجہ ہیں۔ ٹائمز آف انڈیا میں شائع ہونے والی ایک رپورٹ کے مطابق تقریباً دو ملین لوگ ان اسباب سے اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھیں گے۔ ہندستان کے کئی بڑے شہروں مثلاً احمد آباد، کولکاتہ، دہلی اور ممبئی کے ایک سروے کے مطابق یہاں ہزاروں لوگ آج بھی سانس کی مختلف بیماریوں سے نبرد آزما ہیں اور 1990 کے دہے سے تقریباً 24000 لوگ ہر برس ناگہانی موت کا شکار ہورہے ہیں۔ بدتر سے بدتر ہوتے ہوئے حالات میں اس تعداد میں بڑے پیمانے پر اضافہ ہونے کے خدشات بڑھ گئے ہیں۔ سائنس دانوں نے یہ بھی اشارہ کردیا ہے کہ آلودگی کے اس بادل سے صرف جنوبی ایشیا ہی متاثر نہیں ہے بلکہ اس کے اثرات تمام کرۂ ارض پر ہوں گے کیونکہ یہ بادل کھسک کر دنیا کے دوسرے حصوں کے اوپر بھی جاسکتا ہے۔

اس صورتِ حال سے اور کیا کیا ماحولیاتی تبدیلیاں آئیں گی یہ تو ابھی دیکھنا ہے لیکن بارش کے نظام کو اس نے کس طرح متاثر کیا ہے، خصوصاً برِ صغیر میں مانسون کی صورتِ حال سے اس کا اشارہ پہلے ہی مل چکا ہے۔ موسمیات کے ماہرین کا یہ خیال ہے کہ درجۂ حرارت کے بڑھنے کے سبب سمندر کی سطح سنہ 2100 میں پانچ انچ سے لے کر تین فٹ تک بڑھ جانے کی توقع ہے۔ موجودہ غیر متوقع موسمی تبدیلیاں اور آلودگی کے بادل کی موجودگی جیسے حالات درجۂ حرارت کو غیر معمولی طور پر بڑھا سکتے ہیں۔ کسی علاقے میں درجۂ حرارت میں اضافے سے جو بخارات اٹھتے ہیں، ان سے دوسرے علاقوں میں بارش، تو کہیں باڑھ اور کہیں خشک سالی کے مسائل اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ ماحولیاتی توازن میں اس بگاڑ اور قدرتی آفات سے نمٹنے کے محدود وسائل کے سبب جانوں کا زیاں توقع سے کہیں زیادہ ہونے کے امکانات اس صورت میں اور بڑھ جاتے ہیں۔ ایسے میں اقوامِ متحدہ کی رپورٹ نے ایک بار پھر بروقت اشارہ کیا ہے کہ ہر ملک و قوم کی ذمّے داری اپنے آپ کو اور تمام عالمِ انسانیت کو اپنی ہی بلائی ہوئی آفتوں سے بچانے کی ہے، اس بات کو جتنی جلدی سمجھ کر ٹھوس اقدامات کیے جائیں گے، انسان کے حق میں اتنا ہی بہتر ہوگا۔

گیسٹ کالم

راجیندر یادو

دو شہیدوں کی کہانی

بھگت سنگھ اور دیوداس میں کچھ عجیب اور فکر انگیز مماثلتیں ہیں۔ دیوداس شرت چندر کے ناول کا خیالی کردار ہے مگر آج وہ حقیقت سے زیادہ سچ سچ کے انسان کی شکل اختیار کر چکا ہے۔ بھگت سنگھ نام کا نوجوان حقیقت میں ہندستانی تاریخ کی ایک زندہ جاوید سچائی ہے مگر وہ ایک ایسا متھ (Myth) بن چکا ہے کہ غیر حقیقی محسوس ہوتا ہے۔ دونوں ہی اپنے اپنے عہد کے ہیرو یا مثالی کردار ہیں، دونوں کی پیدائش گذشتہ صدی کی تیسری دہائی میں ہوئی۔ اگر بھگت سنگھ سے ترغیب لے کر ہزاروں نوجوان ملک کی آزادی کے لیے شہید ہوئے تو ہزاروں دیوداس کی ٹریجڈی کو سینے سے لگائے اپنی پارو کے غم میں ہمیشہ کے لیے بوتلوں میں ڈوب گئے... انھوں نے دیوداس کو افسانوی کردار سے زندہ انسان میں بدل ڈالا۔ اس لیے دونوں ہی اپنی حاصل کردہ اور از خود حاصل ہونے والی تاریخیت کے باوجود مختلف تشریحات کے لیے کھلے ہوئے ہیں۔ سنا ہے کہ گیٹے کے ناول "جون ویردیر" کے المناک فسانے پڑھ کر بھی سیکڑوں نوجوانوں نے خودکشی کر لی تھی۔ دیوداس پر گذشتہ تقریباً اسی برسوں میں ہندی اور دیگر ہندستانی زبانوں میں کئی فلمیں بنی ہیں۔ بھگوتی چرن ورما کا "تین ورش" اور دھرم ویر بھارتی کا "گناہوں کا دیوتا" تو سیدھے سیدھے دیوداس کی کاپی ہیں۔ شاید یہ کہنا غلط نہیں ہوگا کہ جس ایک ناول نے ہندستانی ادب کو سب سے زیادہ متاثر کیا ہے وہ "دیوداس" ہے۔ نہ جانے کتنے دیوداسوں نے اپنی پاروتیوں کو خود پر نثار کرا کے اپنے "زوال" کو پُر شکوہ بنایا ہے۔ اُدھر جدوجہد آزادی کے اکلوتے شہید بھگت سنگھ ہیں۔ بھگت سنگھ پر پچھلی دو چار فلموں کے بعد ادھر پانچ پانچ فلمیں بازار میں آگئی ہیں۔ متھ کو حقیقت اور حقیقت کو متھ بنانے کی اس عوامی ذہنیت کا اور بھی سنجیدہ سماجی اور نفسیاتی تجزیہ کرنے کی ضرورت ہے۔ کیا یہ صرف اتفاق ہے کہ دیوداس اور بھگت سنگھ ایک ساتھ ہی ہندستانی فلموں کے عظیم ہیرو کے طور پر ابھرے ہیں۔

دیوداس کے مقدر کو تاریخ نے چنا ہے، دوسرے لفظوں میں دیوداس کے زوال اور موت نے خود دیوداس کو چن لیا ہے اور وہ ان کے سامنے بلا چوں وچرا خودسپردگی کر دیتا ہے۔ بھگت سنگھ اپنی زندگی اور موت دونوں کا انتخاب خود ہی کرتا ہے۔ دیوداس اپنی زندگی کو کوئی معنی نہیں دینا چاہتا، یہ کام اس نے مستقبل یا قسمت پر چھوڑ دیا ہے۔ بھگت سنگھ خود اپنی زندگی کو بامعنی بناتا ہے۔ مجھے یہ دونوں نوجوان اپنے اپنے ڈھنگ سے پتہ نہیں کب سے اپنی طرف راغب کرتے رہے ہیں۔ دونوں دو طرح کے آؤٹ سائیڈر (سماجی اجنبی) ہیں۔ میرا دل تو یہ بھی کہنا چاہتا ہے کہ دونوں باغی ہی ہیں کیوں کہ غلامی کے تئیں دیوداس کی خودسپردگی بھی اتنی ہی المناک اور دلدوز ہے جتنی بھگت سنگھ کی غلامی کے خلاف۔ جاگیردارانہ سماج اور رسوم، دیوداس کے داخلی نظام کا حصہ بن گئے ہیں، بھگت سنگھ جس سسٹم سے لڑ رہا ہے وہ اس کے باہر ہے: انگریزی راج، معاشرے کا مذہبی اور ذہنی جمود، بھگت سنگھ کے سامنے ایک آزاد ملک اور مساوات پر مبنی ایک ترقی یافتہ سماج کا خواب ہے۔ دیوداس کا خواب اس کے اندر ہی ٹوٹ چکا ہے اور اس کی ٹوٹی کرچیاں اس کی روح کو کاٹ رہی ہیں۔ دونوں ہی اپنے لیے موت کا انتخاب کرتے ہیں، ایک خواب نہ ہونے کے سبب اور دوسرا خواب ہونے کے سبب۔ دونوں ہی نوجوان دلوں کے بادشاہ بن کر رہے ہیں— ایک ہیرو اور دوسرا انٹی ہیرو۔

دیوداس اس جاگیرداری سماج کا جذباتیت کو ہوا دینے والا مرثیہ ہے جو اپنی تاریخی افادیت کھو چکا ہے۔ ادھر بھگت سنگھ آنے والے اس سماج کا علامیہ ہے جس کا آنا ناگزیر ہے۔ دیوداس ہاری ہوئی جنگ کا المناک انجام ہے، وہ ایک طفیلی تہذیب کا شکستہ ناسٹلجیا ہے جو خود اپنا خاتمہ کر رہا ہے۔ اُدھر اپنی تنظیم کا نام "سوشلسٹ ریپبلک آرمی" رکھنے والا بائیں بازار کا بھگت سنگھ بار بار خود کو کسان و مزدور جیسے پیداواری طبقوں کے ساتھ جوڑتے ہوئے آنے والی نسل کے ایسے ناسٹلجیا کی تخلیق کر رہا ہے جہاں قوت و توانائی ہے، جوش ہے۔

دیوداس مجھے بھارتیندو ہریش چندر کی بھی یاد دلاتا ہے۔ وہ بھی طفیلی تہذیب کی پیداوار ہیں اور لگ بھگ اس خودکش جذبے سے اسلاف کے ورثے کو کھا رہے ہیں— اپنی چندر مکھیوں کے بیچ اور اپنی پارو کی تلاش میں۔ مگر وہ اپنی یقینی بربادی کو سماجی معنی بھی عطا کرنا چاہتے ہیں۔ ادب، تہذیب اور سیاست میں اپنی زندگی تلاش کرتے ہوئے وہ اپنی ذاتی اور سماجی دونوں زندگیوں کو یکساں انداز میں جیتے ہیں۔ ادھر دیوداس کا کوئی ایسا سماجی مطمح نظر نہیں ہے اور بھگت سنگھ کی نجی زندگی کا کہیں کوئی خوش گوار گوشہ نہیں ملتا۔ پتہ نہیں اس کی کوئی پارو تھی بھی یا نہیں (سنا ہے فلم والوں نے کسی پارو کو کھوج نکالا ہے)۔ بہر حال ایک کا سماج ختم ہو چکا ہے اور دوسرے کے سماج نے ابھی جنم نہیں لیا ہے۔ اس لیے دونوں ہی رومانٹک ریبل یعنی خوابوں میں جینے والے باغی ہیں۔ زیادہ صحیح لفظ استعمال کروں تو ایک خوابوں میں جینے والا ہے تو دوسرا خواب دیکھنے والا... دونوں کی ہی حقیقت ان کی گرفت میں نہیں ہے اس لیے دونوں ہی خودکشی کرتے ہیں۔ اپنی موت خود چننے کا دوسرا نام خودکشی بھی

ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ ایک کی موت شک، خوف اور مایوسی کا غم پیدا کرتی ہے تو دوسرے کی قربانی تحریک و ترغیب دیتی ہے۔ دونوں میں جو عنصر مشترک ہے وہ ہے مایا موہ سے بیراگ، جو انھیں سنیاسی بھی بنا سکتا تھا۔

غلامی صرف غلام کو ہی نہیں توڑتی، غلام بنانے والے کو یا بنانے والی تہذیب کے معصوم نمائندوں کو بھی توڑتی ہے — انجانا احساسِ جرم بن کر۔ دیوداس کے زوال اور خاتمے کے ساتھ تین عورتیں ہیں۔ ماں، پارو اور چندر مکھی۔ تاریخ کے ہاتھوں مجبور اپنے اپنے رول ادا کرتی یہ کٹھ پتلیاں اور خود دیوداس اس جرم کے براہِ راست ذمّے دار نہیں ہیں۔ وہ معصوم اور بے قصور انسان ہیں جو ایسے بے رحم کھیل کا حصہ بن گئے ہیں کہ نہ ان کے بس میں کچھ ہے اور نہ علم میں۔ وہ صرف قسمت کے جبر کو بھگتنے پر مجبور ہیں۔ یہ تقدیر پرستی سماجی قوتوں کو نہ پہچاننے کا انجام ہے۔ فرض کیجیے وہ سمجھ بھی لیتے تب بھی دیوداس کا انجام یہی ہوتا۔ شاید لاشعور میں بھارتیندو اسے سمجھتے تھے اس لیے ایک نئی تہذیب بنانے کے لیے وہ اپنے آباواجداد کو کھا جانے والی دولت یعنی تہذیب کو تباہ و برباد کر رہے تھے۔ دیوداس اپنا انجام چننے والا ہیرو نہیں ہو سکتا تھا، اسے نان ہیرو (Non Hero) ہی ہونا تھا۔ اس کی بے عمل حسِ انسانی اسے ولین بننے کا موقع بھی نہیں دے سکتی تھی۔

اگر عام محاورے میں کہوں تو یہ ہے کہ دیوداس کو تینوں عورتوں کی پرخلوص "ہائے" کھا گئی۔ کہانی کے سارے کردار نہیں جانتے کہ جو کچھ ان کے ساتھ ہو رہا ہے، یا جو کچھ وہ کر رہے ہیں، ان سب کا محرک کون ہے؟ وہ معصومیت کے ساتھ زندگی کو بھگتتے ہیں۔ دیوداس اسی بے تعلق معصومیت کی المناک موت ہے۔ ہمارے سامنے سوال ہے کہ دیوداس کیوں مرا؟ دراصل دیوداس جس طفیلی سماج کی پیداوار ہے وہ انجانے اور انچاہے اسی کی اقدار پر عمل کر رہا ہے، جیسے ہوری اپنے خون میں شامل مذہبی قدامت پرستی اور توہم پرستی سے دامن نہیں چھڑا پاتا۔ اس لیے دونوں کی ہی موت گمنام شہیدوں جیسا ترحم پیدا کرتی ہے۔

دیوداس چھوٹا بیٹا ہے اس لیے بھی ماں اس کو بہت پیار کرتی ہے۔ ماں کے دل میں بھی اسے سکھی دیکھنے کے سپنے ہیں۔ وہ دیوداس کے باپ ٹھکر جی بابو سے پہلے ہی پارو کی ماں کے ذریعے بھیجے گئے رشتے کو نامنظور کر دیتی ہے۔ وہ جانتی ہے کہ وہ کبھی اس رشتے کو تسلیم نہیں کریں گے کیوں کہ پارو کا چکرورتی خاندان حیثیت میں ٹھکر جیوں سے نیچے ہے۔ اوّل تو وہ خود زمیندار ٹھکر جی کی دان دکھشنا پر پل رہے ہیں، دوم ان کے یہاں لڑکی بیچنے کا رواج ہے یعنی وہ لڑکے والوں سے روپے لیتے ہیں۔ مرداساس اس سماجی تفاخر کی حفاظت کرنا زمیندار خاندان کے ہر ممبر کی ذمّے داری ہے۔ دیوداس کی ماں بھی باپ کی مرضی کے خلاف نہیں جا سکتی تھی۔ خاندانی تفاخر کی یہ قدریں گھر کی مالکن نے اپنے میں اس قدر سمو لی ہیں کہ وہ انجانے میں ہی بیٹے کو قربان کر دیتی ہے۔ خود اس کی حیثیت اس وقت سامنے آتی ہے جب شوہر کی موت ہو جاتی ہے۔ جائداد دونوں بیٹوں کے بیچ میں ہی تقسیم ہوتی ہے، وہاں ماں کہیں نہیں ہے۔ اسے اِس یا اُس بیٹے کے آسرے ہی جینا ہے۔ جب دیوداس اپنے بڑے بھائی سے پوچھتا ہے کہ جائداد میں ماں کا حصہ کتنا ہے تو دوج داس کہتا ہے۔ "انھیں کیا ضرورت ہے؟ وہ تو گھر کی مالکن ہیں۔" اور مالکن کا حال یہ ہے کہ دیوداس جائداد کے اپنے حصّے میں سے انھیں پچیس ہزار روپے کر کاشی بھیج دیتا ہے۔ ان کا کہیں ٹھکانہ نہیں ہے۔ سماجی مریادا کے اس مرداساس معاشرے کے چنگل سے چھوٹ کر ہی ماں کے من میں آتا ہے کہ انھوں نے پاروتی جیسی سندر، سشیل لڑکی سے دیوداس کا بیاہ نہ کر کے کتنی بڑی ناانصافی کی ہے۔ انھوں نے دو زندگیاں برباد کر دی ہیں۔ مگر وہ چاہتیں بھی تو شاید شوہر کی زندگی میں اس سماجی مریادا کے خلاف بغاوت نہیں کر سکتی تھیں۔ دل میں بھلے ہی غلط کرنے کا احساس رہا ہوگا مگر کھل کر اس طرح سوچ بھی تو نہیں سکتی تھیں۔ آخرش دھرم کے سائے میں پناہ لے کر ہی وہ اپنے کیے کا پرائشچت کر پاتی ہیں۔ یہاں یہ واضح کر دینا ضروری ہے کہ مالکن ماں کے بیوہ ہوتے ہی اس طرح غیر ضروری ہوتے چلے جانا یا انھیں درکنار کر دیا جانا ایسی ذہنی بناوٹ کا منطقی انجام ہے کہ اسے تقدیر کا لکھا کہنے کا ہی رواج ہے۔ "نہ شوہر مرتے، نہ میری ایسی حالت ہوتی، میری قسمت ہی پھوٹی ہے۔" کہہ کر ہی اس وقت کی عورت خود کو سمجھا سکتی تھی۔ وہ کبھی سوچ ہی نہیں سکتی تھی کہ جائداد پر مرد کی — پہلے شوہر پھر بیٹا — برتری ہی وہ سبب ہے کہ انچاہے گھر کے منہ لگے پرانے نوکر کی طرح مالکن کو بھی بے دخل کر دیتی ہے۔ مرد کے ذریعے بنائے گئے معاشرے اور کنبے کی شان و شوکت کی اقدار کو اپنی ذات کا حصہ بنا کر ہی عورت خاندان کی اہم ممبر بنی رہ سکتی ہے جسے چھین کر شوہر یا بیٹے کبھی بھی اسے اس کی حیثیت بتا سکتے ہیں۔ یہ خاندانی حیثیت پہلے بیٹے یعنی دیوداس کی جان لیتی ہے اور پھر خود ماں کو اپنا شکار بناتی ہے۔ پارو بھی دوسرے کے خاندان یعنی چکرورتیوں کے یہاں وہی عزت پانے میں کامیاب ہے جو دیوداس کی ماں کی شوہر کی زندگی میں ہے۔ یعنی مالکن اور مرکزی حیثیت کا حامل ہونے کا بے بنیاد عارضی سکھ.... چونکہ شادی بے میل ہے اور بھودن موہن پاروتی سے پچیس تیس سال بڑے ہیں اس لیے اس کا حشر بھی وہی ہوگا جو دیوداس کی ماں کا ہوا۔ پہلے کا زمانہ ہوتا تو ان دونوں غیر ضروری عورتوں کو ستی کر کے سماج سے ہٹا دیا جاتا۔

دیوداس کی ٹریجڈی کا آغاز ہی اس کے اس اقبال سے ہوتا ہے کہ وہ پاروتی کے لیے اپنے ماں باپ کے خلاف نہیں جا سکتا، مگر ان کی خواہش پر عمل کرنے کی وہ کتنی بڑی قیمت ادا کرتا ہے۔ اس سماجی جبر سے نجات حاصل

کرنے کے دوران ہی وہ خود کو ختم کرتا جاتا ہے۔ نہ وہ پارو کے ساتھ انصاف کرپاتا ہے، نہ ماں باپ کا من رکھ پاتا ہے۔ یہی احساسِ جرم اسے کھا گیا۔ ناانصافی دونوں فریقوں کو توڑتی ہے۔ خودکشی کا انتخاب صرف دیوداس ہی نہیں کرتا، پارو بھی کرتی ہے۔ وہ سماجی روایات کا شکار ہو کر خود کو لگاتار مارتی ہی جاتی ہے، اس احساسِ جرم کے ساتھ کہ اس نے دیوداس کی زندگی برباد کی ہے۔ ناکردہ گناہوں اور ان کی سزاؤں کو سیدھے سادے قبول کرلینا پارو کی ہی نہیں، ہر مہذب ہندستانی لڑکی کی تربیت میں شامل ہے۔ دیوداس بانس کے پیڑ پر چڑھا ہے اور اس کی ایک ٹہنی پارو نے پکڑ رکھی ہے۔ بچی پارو کے ہاتھ سے وہ ٹہنی چھوٹ جاتی ہے اور دیوداس گر جاتا ہے، اس پر وہ اسی سنٹی سے اس کی دُھنائی کر ڈالتا ہے۔ پھر اس کو تنبیہہ کرتا ہے کہ گھر جاکر کسی کو نہ بتائے... ''تیری جیسی سمجھ دار لڑکی اس دنیا میں نہیں ہے... دیکھ آگے سے ایسی غلطی دوبارہ مت کرنا۔'' اور پارو مان لیتی ہے کہ ''نہیں کروں گی'' یعنی پارو مان لیتی ہے کہ دیوداس کو گرانے کی غلطی اسی نے کی ہے۔ یہی نہیں، گھر جاکر اس پٹائی کا سارا الزام بھی اسکول ماسٹر کے سر مڈھ دیتی ہے۔ یہ ہے ناکردہ گناہوں کو قبول کرنے کا پہلا سبق... دوسری بار دیوداس ماتھے پر چوٹ کا نشان بناتا ہے تو گھر میں کہہ دیتی ہے کہ پانی لاتے ہوئے گر پڑی تھی۔ یہی سلسلہ مختلف سطحوں پر آگے بھی جاری رہتا ہے۔ پاروتی ہر لمحے محسوس کرتی ہے کہ قصور اسی کا ہے اور اسی کی وجہ سے دیوداس آتم ناش کے راستے پر چلا ہے۔ اسے آگے چل کر چندر مکھی دوسرے طرح سے واضح کرتی ہے۔ ''مجھے یقین نہیں ہوتا کہ پاروتی نے تمھیں دھوکہ دیا ہے۔ مجھے تو ایسا لگتا ہے دیوداس کہ تم نے خود اپنے آپ کو دھوکا دیا ہے۔'' کسی نے کہا تھا کہ دیوداس رئیس باپ کا ایسا بیٹا ہے جو کھلونا نہ ملنے پر خود اپنا سر پھوڑ لیتا ہے، روکنے والوں کا منہ نوچتا ہے۔ جب کہ حالت یہ ہے کہ شادی سے پہلے پاروتی خود دیوداس کے چرنوں میں جگہ پانے کے لیے رات کی تنہائی میں اس کے کمرے میں گئی تھی۔ دیوداس ماں باپ کی اجازت کا بہانہ کرتا ہے تو پارو اسے بھگا لے جانے کی تجویز رکھتی ہے۔ وہ سمجھتی ہے کہ اس میں نقصان کیا ہے؟ دیوداس اپنا مسئلہ رکھتا ہے کہ بھاگ کر کہاں رہیں گے، کھائیں گے کیا؟ شاید وہ سوچ بھی نہیں سکتا کہ جنھیں وراثت میں زمینداری نہیں ملتی وہ نوجوان بھی محنت کرکے اپنے پیروں پر کھڑے ہوتے ہیں اور اپنے فیصلے لیتے ہیں۔ ہندستانی سماج کے نوے فی صد عشقیہ المیے اس لیے واقع ہوتے ہیں کہ لڑکا ماں باپ کی خواہش کے خلاف نہیں جانا چاہتا اور لڑکی انھیں جذباتی دکھ نہیں پہنچانا چاہتی۔ جذباتی دکھ کا مطلب ہے جاگیرداری تہذیب کی عطا کردہ توہم پرستی کو نہ ٹوٹنے دینا۔ اس کو ایک بار ان دیکھا کیا بھی جاسکتا ہے لیکن باپ بگڑے بیٹے کو جائداد سے عاق کردے تو پھر اس کا کیا ہوگا۔ دوسروں پر یہی انحصار ہر سماجی تبدیلی کے آڑے آتا ہے۔ دوسری بار جب دیوداس پارو سے ملتا ہے تو خود بھاگ چلنے کی تجویز رکھتا ہے۔ اس پر پارو کا دو ٹوک جواب ہے کہ ''تمھارے ہی ماں باپ ہیں، میرے نہیں؟'' اور دونوں ہی اپنی اپنی آگ میں جلنے کے لیے الگ الگ خودکشی کی راہ پر چل پڑتے ہیں، دیوداس شراب اور کوٹھے پر تو ادھر پارو خاندانی فرائض کی قید میں۔ وہ چکرورتی مہاشئے کے اپنی عمر سے بڑے بچوں کی ماں بن کر بڑپن اوڑھ لیتی ہے۔ پارو جانتی ہے کہ اس کا اصلی شوہر وہی ہے اور اس سے دور رہ کر وہ خود کو ہلاک ہی کرے گا۔ منورما سے اس کے زوال کی کہانی سن کر وہ ''اپنی چیز'' لینے دیوداس کے گاؤں جاتی بھی ہے، مگر تب تک وہ کلکتہ جاچکا ہے۔

فرض کیجیے دیوداس کی بزدلی پر اپنی انچاہی شادی کی مخالفت میں پاروتی نے ماں باپ کا گھر چھوڑ دیا ہوتا اور وہ اکیلی ہی گھر سے بھاگ گئی ہوتی، تو؟ جن سماجی حالات میں یہ کہانی وقوع پذیر ہو رہی ہے وہاں اس طرح بھاگی ہوئی اکیلی لڑکی کی منزل بھی لگ بھگ طے ہے کہ یا تو وہ ندی کنویں میں کود کر خودکشی کرلے یا کسی کوٹھے پر پہنچا دی جائے۔ شاید چندر مکھی ایسی ہی کوئی پارو ہے جسے اس کا دیوداس نہیں مل پایا ہے۔ وہ پیسے کے بدلے جسم بیچتی ہے، مگر اندر سے پیار کی بھوکی ہے۔ اس کی بربادی کے پیچھے پیسہ یا اس سے حاصل کردہ سماجی عزت ہے اور اسے ہی وہ قسطوں میں لوٹتی ہے۔ پاروتی کی تجویز کو ٹھکراتے ہوئے دیوداس نے کہا بھی تھا کہ تمھارا خاندان نیچا ہے، حیثیت ہمارے برابر نہیں ہے، ایسے ہی لوگوں کی حیثیت میں سیندھ لگا رہی ہے چندر مکھی۔ دیوداس اس سے نفرت کرتا ہے اور اسے چھونا بھی نہیں چاہتا۔ ان گری ہوئی عورتوں کے تئیں اس کے دل میں بے حد نفرت ہے۔ پہلی بار تو وہ وہاں صرف شراب پیتا رہتا ہے۔ پیسہ پھینک کر چلا آتا ہے اور کئی بار کہتا ہے کہ میں نے تمھیں کبھی پیار نہیں کیا۔ سماج سے ٹوٹی چندر مکھی ایک رزیل عورت ہے اس لیے دیوداس کو اس سے نفرت ہے اور پاروتی سماجی بندھنوں کی بندنی ہے اس لیے اس سے بھی نفرت کرتا ہے۔ ایک بار جب دیوداس کہتا ہے کہ عورتوں کا من بہت چنچل ہوتا ہے تو چندر مکھی جواب دیتی ہے کہ یہ تصور تم مردوں کا پھیلایا ہوا ہے۔ تم لوگ عورتوں کی مذمت کرتے ہو اور خوش ہو کر ان کی تعریفیں کرنے لگتے ہو... دراصل پاروتی کو لے کر دیوداس اتنا بے بس ہو چکا ہے کہ اسے کسی سے کوئی لگاؤ نہیں ہے۔ نہ باپ کے مرنے پر روتا ہے، نہ پارو کے پرائی ہو جانے پر۔ اسے باپ یعنی وراثت سے ملی جائداد سے بھی کوئی لگاؤ نہیں ہے۔ دل ہی دل میں وہ اپنی بزدلی کو نفریں بھی کہتا ہے، اسی بزدلی کو پارو میں دیکھتا ہے تو برداشت نہیں کرپاتا۔ چندر مکھی کے یہاں جاکر اس لیے شراب پیتا ہے کہ اس نرک میں رہ سکے... یہ نرک خود اس کا بنایا ہوا اور منتخب کردہ ہے مگر وہ اسے پہچان نہیں پاتا۔

دیوداس کو لے کر پارو اپنے پیار کے حق کے لیے نہ کہیں ڈگمگاتی ہے نہ کسی کش مکش کا شکار ہوتی ہے۔ سندور، چوڑی جیسے سہاگ کے نشان اسے بیکار لگتے ہیں اور اپنے آپ کو کوستی ہے کہ اس کا اپنا محبوب کہیں مر رہا ہے اور وہ دوسرے کی گرہستی سنبھالے بیٹھی ہے۔ اپنی چیز واپس لانے کے لیے ایک بار کہار ڈولی لے کر بلا جھجک تال سونا پور چلی جاتی ہے۔ دیوداس بار بار جسمانی اور ذہنی اذیت دے کر پاروتی پر اپنے حق کا اظہار کرتا ہے یا اپنی بے بسی کا پُر تشدد مظاہرہ کرتا ہے، پھر بھی پارو جانتی ہے کہ دیوداس اس کا ہے اور اس کے بغیر نہیں رہ سکتا۔

اس لحاظ سے چندر مکھی کی بناوٹ تھوڑی پے چیدہ ہے۔ جس نفرت کو بہانہ بنا کر دیوداس پارو سے بھاگتا ہے اسی نفرت کے سہارے چندر مکھی کے نزدیک آتا جاتا ہے۔ اپنے کسی دیوداس کو تو چندر مکھی پیچھے کہیں چھوڑ آئی ہے مگر اس دیوداس کو بچا لینا چاہتی ہے۔ اس کے لیے اپنا پیشہ چھوڑ دیتی ہے اور ایک بار ملنے کی آرزو میں اس کے گاؤں جاتی ہے، دوبارہ دکان سجا کر بیٹھی ہے اور بھاگا ہوا دیوداس اسے شراب کے نشے میں دُھت سڑک کے کنارے بے ہوش ملتا ہے۔ بعد میں دیوداس جب مذاق میں کہتا ہے کہ کہاں ڈاکہ ڈال کر مجھے اٹھا لائی تو اس کا معنی خیز جواب ہے، "ڈاکہ نہیں ڈالا۔ راستے میں پڑے ہوئے پایا، صرف اٹھا لائی ہوں۔" پارو اور دیوداس نے ایک دوسرے کو چنا نہیں ہے، گھروں کی نزدیکی اور ساجھے بچپن کی گہری قربتوں نے دونوں کو ایک دوسرے کے لیے ضروری بنا دیا ہے۔ ادھر چندر مکھی تو باقاعدہ خود دیوداس کو چنتی ہے۔ دیوداس کی ساری جھنجھلاہٹ، نفرت اور بغاوت اس طرح کسی کے ذریعے چنے جانے پر ہے۔ شعوری طور پر دیوداس چندر مکھی سے چاہے جتنی نفرت کرے، لیکن اندر سے اس کی زبردست کشش سے وہ لاعلم نہیں ہے۔ مرنے کے قریب دیوداس جب اپنے آخری وقت میں بیل گاڑی میں بیٹھ کر آخری بار پارو سے ملنے اس کے گاؤں ہاتھی پوتا جا رہا ہوتا ہے تو اسے بڑھاپے کے دن کاشی میں گزارنے والی اپنی ماں کا خیال آتا ہے، ساتھ ہی یاد آتی ہے چندر مکھی۔ شفقت اور محبت سے لبریز، "رزیل سمجھ کر جس سے ہمیشہ نفرت کی، آج اسی کو اپنی پوتر (مقدس) ماں کے ساتھ یاد کرتے ہوئے دیوداس کو ذرا بھی جھجک نہیں ہوئی...." موت کا یہی لمحہ ہے جب تینوں عورتیں۔ ماں، پارو اور چندر مکھی، دیوداس کے من میں ایک ہو جاتی ہیں کیوں کہ دیوداس ان تینوں کے دکھ کا منبع ہے۔

چندر مکھی آزاد ہے، نہ تو وہ سماجی مریاداؤں میں بندھی ہے، نہ معاشی اعتبار سے کسی پر منحصر ہے، اس لیے وہ اس کہانی کا سب سے پُر شکوہ کردار ہے۔ پُر شکوہ پارو بھی ہے مگر "ہاں دیوداس میرا اور صرف میرا ہے" کے یقین کے باوجود کچھ نہیں کر پاتی۔ دراصل دکھوں اور اذیتوں کی آگ سے گزری پارو اور چندر مکھی دونوں ہی زبردست خود اعتمادی سے پُر عورتیں ہیں۔ جتنا ہی وہ دیوداس سے پیار کرتی ہیں اتنا ہی اسے بونا (کوتاہ قد) اور مجرم بناتی ہے۔

جاگیر داری مردانہ اجارہ داری کی بنیاد پر قائم نظام ہے اور اس کا ٹوٹنا مرد کا ٹوٹنا ہے۔ اس نظام کا پروٹوٹائپ نمائندہ ہونے سے انکار کرنا فرد کی آزادی کا اعلان ہے۔ سڑے گلے نظام کی گھٹن کے خلاف "فرد" کا یہ اپنا انتخاب ہے۔ یہ انتخاب اسے مختلف راستے تلاش کرنے کے لیے اکساتا ہے۔ یہ راستے کسی ٹھوس نظریاتی متبادل کی غیر موجودگی میں عموماً خودکش ہوتے ہیں— کبھی دیوداس کی طرح کوٹھے شراب میں، کبھی جرم میں، کبھی روحانیت میں تو کبھی انقلاب میں۔ اس ناول کا جنم اسی "انفرادی" انتخاب کی کہانی سنانے کے لیے ہوا تھا۔ یہاں یہ ٹوٹا ہوا آدمی اکیلا نہیں ہے: کہیں کوئی عورت ہے جسے کسی ناکردہ جرم کی سزا کے طور پر کوٹھے پر بیٹھا دیا گیا ہے— جو اپنی طرح آزاد اور خود مختار ہے۔ اس زوال آمادہ ہیرو کردار کو دلاسا اور ہمدردی اس کے قرب میں ملتی ہے۔ اسی طرح یہ ناول آزادی نسواں کی کہانی بھی ہے۔ مریاداؤں کی خلاف ورزی کرنے والی عورتیں جہاں انّا کارینینا اور مادام باویری، یہاں تک کہ پارو کی طرح خودکشی کے راستے چنتی ہیں، وہیں خوش حال جاگیر دار مردوں کے تفریح طبع کے لیے کوٹھوں پر پہنچادی گئی عورتیں اپنی اذیت اور جدوجہد میں زیادہ بلند ہمتی اور عزم حاصل کرتی ہیں۔ "نانا" اور "امراؤ جان" اس کی بہترین مثالیں ہیں۔ بھارتیندو کی "متر ملیکا" بھی ان میں سے ایک ہے۔

جاگیر داری کا خاتمہ مرد کی برتری اور عورتوں کی غلامی کا خاتمہ ہے۔ دیوداس اسی موت اور پُنر جنم کی دردناک کہانی ہے۔ کیوں کہ یہ ماں کی بے بسی، پارو کی چھٹپٹاہٹ اور چندر مکھی کے عزم کی مرکب کہانی ہے۔

تاریخی تناظر میں پیچھے چھوٹے ہوئے حقائق یا آنے والے حقائق سے ابھرے رومانی باغی دیوداس اور بھگت سنگھ اپنی چمک اور چمتکار دکھا کر متھ یا سنڈروم (syndrome) میں تبدیل ہو جاتے ہیں، اچار حسرتوں یا دیش بھکتی جگانے کا ذریعہ بن جاتے ہیں۔ عورتیں یا تو گھری نیس سیٹنے پارو کی طرح خاندان کا حصہ بن جاتی ہیں، بیوہ ہونے پر کاشی، بنارس چلی جاتی ہیں (پہلے ستی کر دی جاتی تھیں)، یا پھر چندر مکھی کی طرح ہیرا گن بن جاتی ہیں یا دوبارہ کوٹھا سجا لیتی ہیں۔ تھوڑی سی ہلچل کے بعد پرانی حالت لوٹ آتی ہے۔

بخار میں بے ہوش موت کی طرف یعنی پارو کے پاس جاتے دیوداس، کیا شعور کی آخری کوندھ میں تمھیں ماں، پارو اور چندر مکھی کی یاتراؤں (یاتناؤں؟) کے یہ نقش یا بھی دکھائی دیے تھے؟

سننے میں اٹ پٹا لگتا ہے مگر کیا یہ سچائی نہیں ہے کہ 'خاندان' میں مرد کی علامتی یا حقیقی موت ہی عورت کی آزادی بھی ہے؟

(ہندی ماہنامہ "ہنس" کے شکریے کے ساتھ ترجمہ — فیروز عالم)

مرلی منوہر جوشی

پریم چند ہمیں اپنی پہچان کی جانب موڑتے ہیں

بھارت کے ایک ایسے عظیم ساہتیہ کار کو یاد کرنے کے لیے ہم آج یہاں جمع ہوئے ہیں جس کی تحریروں کی اہمیت اور افادیت زمان و مکاں کی قید سے آزاد ہے۔ پریم چند نے جن لوگوں کے بارے میں لکھا وہ کردار آج بھی نہیں بدلے ہیں، انھوں نے جو مسائل اٹھائے وہ آج بھی برقرار ہیں بلکہ میرے دوست اور پریم چند کے سچے پارکھ گلزار صاحب کے الفاظ میں "آج حالات پہلے سے بدتر ہوئے ہیں۔ ہمیں پھر کسی ایسے منشی پریم چند کی ضرورت ہے جو اس دور کو سنبھالے، جو اس کے بارے میں لکھے۔"

آج جب ہندستان عالمی پیمانے پر ایک بڑی طاقت کے روپ میں ابھر رہا ہے۔ وہ ایشیائی ملکوں کے بیچ میں ایک اہم اور مضبوط اکائی بن گیا ہے، ایسے میں ہمیں راشٹر کے طور پر اپنی مضبوطی اور اپنی پہچان کے لیے ہر قدم سنبھل کر رکھنا ہے۔ قدم آگے بڑھانے کا حوصلہ اور مضبوط راشٹر کے خواب دیکھنے کی تحریک ہمیں پریم چند جیسے فن کاروں ہی سے ملتی ہے۔

کئی طرح کے مسئلوں کا ملک کو سامنا کرنا پڑ رہا ہے جن کے بیچ اقتصادی اور سماجی ترقی کے لیے دیش اپنی سی کوششیں کر رہا ہے۔ ویسے بھی معاشی عالم کاری کے اس دور میں سماجی اور تہذیبی فاصلے بہت سمٹے ہیں، آئی ٹی اور سائنسی ترقیات نے فاصلوں کو اور بھی کم کر دیا ہے۔ معاشی سطح پر بھی ہندستان ایسے دور سے گزر رہا ہے جس میں ہر طرف گہما گہمی ہے، ترقی کی دوڑ میں شمولیت ہے اور بلندی حاصل کرنے کے خواب ہیں۔ نئی زندگی کی یہ ساری گہما گہمی اور روشن مستقبل کی تلاش ادھوری رہ جاتی ہے اگر اس میں اپنی تاریخ کی پہچان اور اپنی جڑوں کی بازیافت شامل نہ ہو۔ تاریخ اور ماضی سے یہی رشتہ ہمیں وہ روپ عطا کرتا ہے جسے دنیا ہمارا اسمتا یا پہچان کہتی ہے۔

پریم چند ہمیں اپنی اسی پہچان کی جانب موڑتے ہیں۔

یہ بات کتنی عجیب لگتی ہے کہ اپنے دیش کی پہچان، اپنے آدرشوں کی تلاش ہم کسی برٹش اورینٹل لائبریری میں یا کسی لائبریری آف کانگریس میں بیٹھ کر کریں جب کہ رابندر ناتھ ٹیگور، شرت چند اور پریم چند جیسے نئے بھارت کے درشٹاؤں کے آدرش کھلی کتاب کی صورت میں ہمارے سامنے ہیں۔ ان مہان لیکھکوں اور رچناکاروں نے زمین سے جڑنے اور متحد بھارت کے تصور کو ساکار کرنے کا جو پیغام دیا ہے، اگر اس پر عمل کیا جائے تو یہی پیغام ترقی کا سب سے بڑا زینہ ثابت ہو سکتا ہے۔

نئے نئے تصورات اور ایجادات کے اس ہنگامہ خیز دور میں اپنی پہچان کو قائم اور برقرار رکھنے میں اور تہذیبی دھاروں کو مضبوط کرنے میں ہماری سنسکرتی، ہماری زبانیں اور ان کا ثروت مند ادب سب سے بڑا رول ادا کرتے ہیں۔ مغربی تہذیب کی یلغار کو روکنے کے لیے بھی ہمیں اپنی ماضی کی عظمتوں کا سہارا لینا ہوگا، اپنی زمینی سچائیوں کو پہچاننا ہوگا۔

ہندستان کی ہزاروں سال کی تہذیب جو ایک ایسی وشال دھارا ہے جس میں ہر یگ میں مختلف تہذیبوں کی چھوٹی بڑی دھارائیں شامل ہوتی رہی ہیں۔ وہ آج بھی اپنے پورے ویگ سے بہہ رہی ہے تو اس کا سبب یہی ہے کہ ہم اپنی مٹی سے جڑے ہوئے ہیں، اپنی تہذیب کو ہم نے ایک مضبوط وکلپ (Alternative) کے روپ میں پیش کیا ہے۔

میں یہ مانتا ہوں کہ ہمارے لوگوں کی ایکتا، اکھنڈتا اور تہذیب مختلف زبانوں میں جلوہ گر ہے۔ ہندی کے فروغ کے ساتھ ساتھ بھارت کے آئین میں ان سبھی زبانوں کا ذکر کیا گیا ہے جو ہماری قومی زبانیں ہیں۔ ان سب زبانوں کے فروغ اور ان کے بولنے والوں کی تعلیمی ترقی کے لیے مرکزی سرکار اور راجیہ سرکاریں یوجنا بدھ طریقے سے کام کر رہی ہیں۔ ہندستانی زبانوں کے فروغ کی پالیسی طے کرنے کے لیے پچھلے سال ہماری سرکار نے جو کونسل بنائی تھی اس کا کام آئین کے آٹھویں شیڈیول میں شامل سبھی زبانوں کی ترقی، ترویج اور فروغ کے لیے یوجنائیں بنانا اور مشورے دینا ہے۔ مجھے امید ہے کہ وزیر اعظم کی رہ نمائی میں یہ کونسل سبھی زبانوں کے یکساں فروغ کے لیے پوری لگن سے کام کرے گی۔

میرا نظریہ یہ بھی ہے کہ جدید کاری کا عمل ہماری زبانوں کو ایک دوسرے کے قریب لائے گا۔ ٹیکنالوجی اس عمل کو تیز کرے گی اور زبانوں کے بیچ جو فاصلے آج دکھائی دیتے ہیں وہ کم ہو جائیں گے۔ ویسے بھی ہندستانی زبانوں کے باہمی رشتوں کو مضبوط کرنا آج بہت ضروری ہو گیا ہے۔

ہماری تہذیب میں بھاشا کو "راشٹری" کہا گیا ہے۔ آگے اس کی تشریح

● پریم چند کے 122ویں یوم پیدائش پر منعقدہ تقریب میں کلیاتِ پریم چند کی چار جلدوں کے اجرا کے موقعے پر پیش کیا گیا مرکزی وزیر برائے فروغ انسانی وسائل کا خطبہ۔

کرتے ہوئے کہا گیا ہے "سنگمنی وسو نام"— یعنی میں عوام اور اس کے دلوں کو جوڑنے والی ہوں۔ زبانیں بنیادی طور پر دلوں کو جوڑتی ہیں، انھیں کسی ایک خطے تک محدود کرنا سمجھداری نہیں ہے۔ دلوں کو جوڑنے والی ایسی ہی زبان کے حامی اور کرن دھار پریم چند کے یوگدان سے سبھی واقف ہیں۔ شاید وہ اکیلے لیکھک ہیں جنھوں نے لسانی ہم آہنگی کی ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے اردو اور ہندی دونوں زبانوں میں لکھا جس کی وجہ سے ان کا پیغام بھی دور دور تک پہنچا اور عام بول چال کی بھاشا کو ادب میں جگہ بھی ملی۔

آج کی اہم ضرورت ان زبانوں کے آپسی رشتے مضبوط کرنے کی ہے، ان کو وقت کے دھارے سے جوڑنے کی ہے۔ اگر ہم اپنی زبانوں کو اپنی ضرورتوں سے ہم آہنگ کریں اور ہم کالین گیان وگیان کو ان میں منتقل کرتے رہیں تو نہ صرف زبانوں کا فروغ ہوگا بلکہ ہماری تہذیب کو بھی پائیداری ملے گی۔ ہمارا پیغام ان ملکوں تک پہنچے گا جن کی تہذیبیں آج چیلنج کے طور پر ہمارے سامنے ہیں۔ اسی لیے آج پریم چند کی بازیافت ضروری ہے، ان کا پیغام ملک کے کونے کونے تک پہنچانا ہمارا فرض ہے۔ مجھے خوشی ہے کہ وقت کے اس تقاضے کو پہچانتے ہوئے قومی اردو کونسل نے پریم چند جیسے قومی ہیرو کو نئی نسلوں کے سامنے پیش کرنے کا بیڑہ اٹھایا ہے۔

پریم چند نے کہا تھا "ہمیں حسن کا معیار بدلنا ہوگا۔" جمالیات یا سوندریہ کا جو شعور اور معیار بھرت نے ناٹیہ شاستر میں پیش کیا تھا اس کو ہمارے فنکاروں اور رچناکاروں نے آگے بڑھایا ہے۔ بھارتیہ جمالیات کی تاریخ کو پروفیسر شکیل الرحمن نے اپنی کتاب "ہندستان کا نظامِ جمال" میں بہت خوبصورتی سے سمیٹا ہے۔ بدھ جمالیات سے جمالیاتِ غالب تک ہمارے سوندریہ شاستر کا سرچشمہ سنسکرت سوندریہ شاستر ہی ہے جس میں ابھینو گپت، واسو گپت اور آنند وردھن جیسے ودوانوں نے اپنا یوگدان دیا ہے۔ بھارت کی جمالیات پر اپنے اس اہم کارنامے کو پروفیسر شکیل الرحمان نے حضرت امیر خسرو کے نام منسوب کرکے اپنی جمالیاتی ذوق کا ثبوت دیا ہے جنھوں نے محبوب کے ہونٹوں کو ہندستان سے تعبیر کیا تھا۔ اس کتاب کا اجرا کرتے ہوئے مجھے دلی خوشی کا احساس ہو رہا ہے۔

ہماری ادبی تاریخ کی ایک اہم دستاویز منشی دیا نرائن نگم کی پتریکا "زمانہ" کے پریم چند نمبر کو جناب مانک ٹالا نے پھر سے پیش کیا ہے جس کو شائع کرکے کونسل نے پریم چند کی بازیافت میں اہم اضافہ کیا ہے۔ پروفیسر گوئنکا نے اردو پڑھنے والے بچوں کے لیے پریم چند کی کہانی اپنی خوبصورت تصویری کتاب میں پیش کرکے اردو ہندی کے رشتوں کو پھر سے مضبوط کیا ہے۔ پریم چند کے 122ویں یوم پیدائش پر ان خوبصورت تحفوں کا اجرا یقیناً ایک اہم یادگار ہے۔ ان کی اشاعت کے لیے میں کونسل کو مبارک باد دیتا ہوں۔

कौमी काउन्सिल बराए फरोग़–ए उर्दू ज़बान

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان

National Council for Promotion of Urdu Language

Ministry of HRD, Dept. of Secondary & Higher Education, Govt. of India, West Block-1, R.K. Puram, New Delhi-66

Ph.: 6109746, 6169416 Fax: 6108159 E-mail: urdueducation@hclinfinet.com

کتابوں کی نمائش و فروخت آپ کے شہر آپ کے گاؤں میں

موبائل وین سے اردو کتابوں کی نمائش و فروخت کے تجربے میں اتر پردیش میں ہمارے اردو قارئین نے جس جوش و خروش سے کتابیں خریدیں اور کتب بینی کی روایت میں نئی روح پھونکی اس نے کونسل کے ولولے دوبالا کیے ہیں۔ بہار کی دور دراز اردو بستیوں میں آپ کے ہاتھوں تک اردو کا سرمایہ پہنچانے کے لیے یہ موبائل وین اب حسبِ ذیل پروگرام کے مطابق آپ کی بستی میں پہنچے گی:

تاریخ	مقام	تاریخ	مقام	تاریخ	مقام
4 تا 6 ستمبر	بکسر	12 تا 13 ستمبر	پھلواری شریف	19 تا 20 ستمبر	نالندہ
7 تا 8 ستمبر	بھوج پور	14 تا 16 ستمبر	پٹنہ	22 تا 23 ستمبر	جہان آباد
9 تا 11 ستمبر	آرہ	17 تا 18 ستمبر	بہار شریف	24 تا 26 ستمبر	گیا
27 تا 28 ستمبر	اورنگ آباد	29 تا 30 ستمبر	سہسرام		

قیمت شائقین اردو دکانوں پر اساتذہ اور طلبا کے لیے 40% رعایت

اے. آر. فتیحی

مہاراشٹر میں اردو آبادی

رقبہ 3,07,713 مربع کلومیٹر
راجدھانی ممبئی

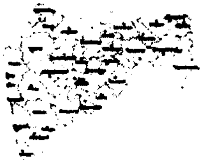

آبادی 789.4 لاکھ
اہم زبان مراٹھی

مہاراشٹر کے پہلے مشہور حکمراں ستواہن تھے جنھوں نے مہاراشٹر ریاست قائم کی تھی۔ جنگِ آزادی میں مہاراشٹر سب سے آگے تھا۔ گاندھی جی نے اپنی تحریک کا مرکز مہاراشٹر کو بنایا تھا۔ زبان کی بنیاد پر ریاستوں کی تشکیل نو کے نتیجے میں مئی 1960ء کو مہاراشٹر ریاست کی حکومت کا نظام سامنے آیا۔ مہاراشٹر اونچی اور چورس زمینوں میں ایک سطح مرتفع رقبہ ہے۔ اس کے اٹھے ہوئے مغربی کنارے سہادری پہاڑی سلسلہ بناتے ہیں اور سمندر کے متوازی ہیں۔ بحرِ عرب مہاراشٹر کے مغربی حدود کا رکھوالا ہے۔ جب کہ گجرات اور مدھیہ پردیش اس کے شمال کی پڑوسی ریاستیں ہیں۔ ریاست کے مشرقی کنارے پر مدھیہ پردیش ہے اور اس کے جنوب میں کرناٹک اور آندھرا پردیش ہیں۔

ٹیبل۔1: مہاراشٹر امیں اضلاع کی آبادی، اردو آبادی، رقبہ اور صدر دفاتر

نمبر	ضلع	رقبہ مربع کلومیٹر	آبادی (لاکھ)	صدر دفاتر	اردو آبادی (لاکھ)	فی صد (کل آبادی و اردو آبادی)	مسلم آبادی (لاکھ)	فی صد (کل آبادی و مسلم آبادی)	فی صد (اردو آبادی و مسلم آبادی)
1	احمد نگر	17048	33.7	احمد نگر	1.2	3.6	2.1	6.4	56.0
2	اکولہ	5429	22.1	اکولہ	2.8	12.7	3.2	14.4	88.1
3	امراوتی	12210	22.0	امراوتی	2.4	10.9	2.7	12.3	88.5
4	اورنگ آباد	10107	22.1	اورنگ آباد	3.7	16.7	4.1	18.5	90.7
5	بھنڈارا	3895	21.1	بھنڈارا	0.1	0.5	0.4	1.9	25.1
6	بیڑ	10693	18.2	بیڑ	1.8	9.9	2.0	11.0	90.1
7	بلڈانا	9661	18.9	بلڈانا	1.9	10.1	2.2	11.7	86.2
8	چندرپور	11443	17.7	چندرپور	0.2	1.1	0.6	3.3	34.0
9	دھولے	8063	25.4	دھولے	1.2	4.7	1.3	5.2	91.6
10	گڈچرولی	14412	7.9	گڈچرولی	0.1	1.3	0.1	1.7	74.2
11	گریٹر ممبئی	.	99.3		12.0	12.1	16.7	16.8	71.8
12	جلگاؤں	11765	31.9	جلگاؤں	2.4	7.5	3.5	11.0	68.4
13	جالنا	7718	13.6	جالنا	1.5	11.0	1.7	12.4	89.1
14	کولہاپور	7685	29.9	کولہاپور	1.2	4.0	1.8	6.2	64.9
15	لاتور	7157	16.8	لاتور	1.7	10.1	2.2	13.1	77.3

16	ناگپور	9892	32.9	ناگپور	1.5	4.6	2.3	7.0	65.5
17	ناندیڑ	10528	23.3	ناندیڑ	2.6	11.2	2.8	12.2	91.5
18	ناسک	15530	38.5	ناسک	3.4	8.8	3.9	10.2	86.7
19	عثمان آباد	7569	12.8	عثمان آباد	0.9	7.0	1.2	9.6	73.5
20	پربھنی	6517	21.2	پربھنی	2.3	10.8	2.7	12.6	85.9
21	پونے	15643	55.3	پونے	1.6	2.9	3.2	5.8	49.9
22	رائے گڑھ	7152	18.2	علی باغ	1.1	6.0	1.3	7.2	83.7
23	رتناگری	8208	15.4	رتناگری	1.1	7.1	1.5	9.8	72.6
24	سانگلی	8572	22.1	سانگلی	1.1	5.0	1.6	7.4	67.3
25	ستارہ	10480	24.5	ستارہ	0.4	1.6	1.0	4.1	40.0
26	سندھودرگ	5207	8.3	کدال	0.1	1.2	0.2	2.5	47.9
27	شولاپور	14895	32.3	شولاپور	2.4	7.4	3.1	9.6	77.5
28	تھانے	9558	52.5	تھانے	3.4	6.5	4.7	9.0	72.1
29	وردھا	6309	10.7	وردھا	0.2	1.9	0.4	3.8	49.7
30	ایوت محل	9892	20.8	ایوت محل	1.1	5.3	1.6	7.5	70.5
		کل	789.4		57.3	7.3	76.3	9.7	75.1

مندرجۂ بالا ٹیبل کے اعداد و شمار سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کے ان اضلاع کی آبادی میں نمایاں فرق ہے۔ یہ فرق چند سو سے لے کر ہزاروں تک پہنچ جاتا ہے۔ آبادی کے لحاظ سے گریٹر بمبئی سب سے گھنی آبادی والا اور گڈ چرولی سب سے کم آبادی والا ضلع ہے۔ رقبے کے اعتبار سے بھی مہاراشٹر کے تمام اضلاع میں نمایاں فرق نظر آتا ہے۔ سندھودرگ رقبے کے اعتبار سے سب سے چھوٹا ضلع ہے اور احمد نگر سب سے بڑا۔ اس ٹیبل سے مہاراشٹر کے مختلف اضلاع میں اردو آبادی کا بھی بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ اردو آبادی کے اعتبار سے گریٹر بمبئی ضلع کو اولیت حاصل ہے۔ اس ضلع میں 12 لاکھ سے زیادہ کی آبادی اردو بولتی ہے۔ یہ آبادی گریٹر بمبئی کی کل آبادی کا 12.1% ہے۔ مہاراشٹر میں اردو بولنے والی کل آبادی 57.3 لاکھ ہے جس میں 17 لاکھ (30%) اردو داں طبقہ دیہی علاقے میں اور 40.3 لاکھ (70%) شہری علاقے میں رہتا ہے۔ ان اعداد و شمار کی روشنی میں یہ کہا جا سکتا ہے کے مہاراشٹر میں اردو ایک شہری زبان کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس بات کو بخوبی سمجھنے کے لیے مندرجۂ ذیل گراف کی مدد لی جا سکتی ہیں۔

گراف-1: اردو داں طبقے میں دیہی اور شہری آبادی کا تناسب

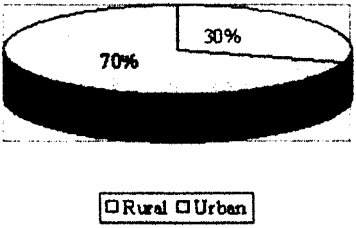

اس گراف سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کے اس صوبے کے اردو آبادی کا ایک بڑا حصہ شہروں میں رہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کے مہاراشٹر میں اردو زبان کا لسانی مزاج شہری ہے۔ 57.3 لاکھ کی کل اردو آبادی میں 30.0 لاکھ مرد ہیں اور 27.3 لاکھ عورتیں ہیں۔ اردو کی کل آبادی میں قریب 3 لاکھ کا یہ فرق کسی نمایاں تانیثی فرق (Gender Difference) کی عکاسی نہیں کرتا۔

مہاراشٹر میں اردو آبادی کے اعداد و شمار کی بنیاد پر ان دس اضلاع کی نشاندہی کی گئی ہے جن میں اردو آبادی کا تناسب 10 فی صد کے قریب ہے۔ مندرجۂ ذیل

ٹیبل میں اردو آبادی والے دس اہم اضلاع کی کل آبادی، اردو آبادی اور ان کا تناسب پیش کیا گیا ہے:

ٹیبل ـ 2: 10 فی صد کے قریب اردو آبادی والے اضلاع

نمبر	ضلع	آبادی (لاکھ)	اردو آبادی (لاکھ)	فی صد
1	اکولہ	22.1	2.8	12.45
2	امراوتی	22.0	2.4	10.80
3	اورنگ آباد	22.1	3.7	16.68
4	بیڑ	18.2	1.8	9.80
5	بلڈانا	18.9	1.9	9.84
6	گریٹر بمبئی	99.3	12.0	12.08
7	جالنا	13.6	1.5	10.67
8	لاتور	16.8	1.7	10.20
9	ناندیڑ	23.3	2.6	11.17
10	پربھنی	21.2	2.3	10.99

اس ٹیبل کے اعداد و شمار سے مندرجۂ ذیل چند اہم نکات ابھر کر سامنے آتے ہیں:

* اکولہ، امراوتی، اورنگ آباد، گریٹر بمبئی، جالنا، لاتور، ناندیڑ اور پربھنی اضلاع میں اردو آبادی کا تناسب 10 فی صد سے زیادہ ہے۔
* بلڈانا میں اردو آبادی قریب 2 لاکھ ہے اور اس کا تناسب تقریباً 9.84 ہے۔
* اورنگ آباد میں اردو آبادی سب سے زیادہ ہے اور یہ تناسب 16.68 فی صد ہے۔

مندرجۂ ذیل گراف کی مدد سے ان اضلاع میں کل آبادی اور اردو آبادی کے تناسب کو پیش کیا گیا ہے۔ اس گراف سے کل آبادی اور اردو آبادی کے فرق کو بخوبی سمجھا جاسکتا ہے:

گراف ـ 2: کل آبادی اور اردو آبادی کا تناسب

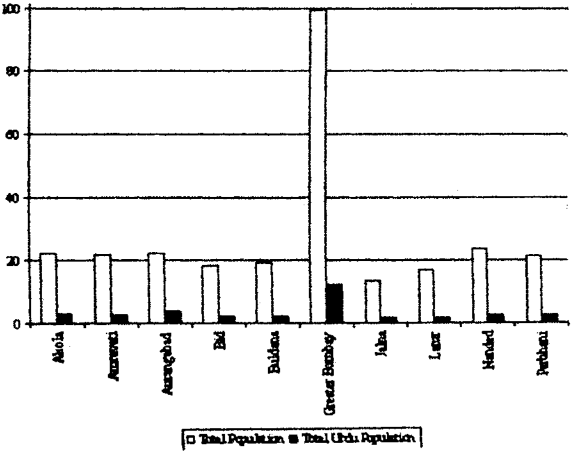

اس گراف سے یہ ظاہر ہے کہ بیڑ ضلع میں کل آبادی اور اردو آبادی کے درمیان فرق سب سے زیادہ ہے اور ضلع اورنگ آباد میں یہ فرق سب سے کم ہے۔

اردو مسلم تشخص کی علامت؟

اردو کو ہمیشہ مسلم تشخص کی علامت سمجھا گیا ہے۔ زیر نظر مطالعے میں اعداد و شمار کے حوالے سے اس بنیادی سوال کا جواب ڈھونڈنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس کے لیے مندرجۂ ذیل ٹیبل میں اردو آبادی اور مسلم آبادی کے تناسب کو پیش کیا گیا ہے:

ٹیبل-3: مہاراشٹر میں اردو آبادی اور مسلم آبادی کا تناسب

نمبر	ضلع	اردو آبادی (لاکھ)	مسلم آبادی (لاکھ)	فی صد
1	احمد نگر	1.2	2.1	56.0
2	اکولہ	2.8	3.2	88.1
3	امراوتی	2.4	2.7	88.5
4	اورنگ آباد	3.7	4.1	90.7
5	بھنڈارا	0.1	0.4	25.1
6	بیڑ	1.8	2.0	90.1
7	بلڈانا	1.9	2.2	86.2
8	چندرپور	0.2	0.6	34.0
9	دھولے	1.2	1.3	91.6
10	گڈچرولی	0.1	0.1	74.2
11	گریٹر بمبئی	12.0	16.7	71.8
12	جلگاؤں	2.4	3.5	68.4
13	جالنا	1.5	1.7	89.1
14	کولہاپور	1.2	1.8	64.9
15	لاتور	1.7	2.2	77.3
16	ناگپور	1.5	2.3	65.5
17	ناندیڑ	2.6	2.8	91.5
18	ناسک	3.4	3.9	86.7
19	عثمان آباد	0.9	1.2	73.5
20	پربھنی	2.3	2.7	85.9
21	پونے	1.6	3.2	49.9
22	رائے گڑھ	1.1	1.3	83.7
23	رتناگری	1.1	1.5	72.6
24	سانگلی	1.1	1.6	67.3
25	ستارہ	0.4	1.0	40.0
26	سندھودرگ	0.1	0.2	47.9
27	شولاپور	2.4	3.1	77.5
28	تھانے	3.4	4.7	72.1
29	وردھا	0.2	0.4	49.7
30	ایوت محل	1.1	1.6	70.5

اس ٹیبل کے تجزیاتی مطالعے سے یہ محسوس ہوتا ہے کہ اردو آبادی اور مسلم آبادی کا تناسب تقریباً 75 فی صد کا ہے یعنی اس صوبے میں 75 فی صد مسلم آبادی اردو کو مادری زبان تسلیم کرتی ہے۔ جو اس بات کا ثبوت ہے کہ اردو اور مسلم آبادی کے درمیان ایک مضبوط رشتہ ہے۔ اس مضبوط باہمی رشتے کے باوجود مہاراشٹر کے مسلم آبادی کا تقریباً 25 فی صد حصہ اردو کو اپنی مادری زبان تسلیم نہیں کرتا۔

اردو آبادی میں دہ سالہ اضافے کی شرح

اردو کی ترقی و ترویج کا بخوبی اندازہ کرنے کے لیے ضروری ہے کہ اردو آبادی کی دہ سالہ اضافے کی شرح کا تجزیاتی مطالعہ پیش کیا جائے۔ اس مطالعے سے حاصل ہونے والے اعداد و شمار سے اردو کی ترقی و ترویج کی رفتار اور اردو داں طبقے میں اس کی مقبولیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ اس کے پیش نظر 1971، 1981 اور 1991 کی مردم شماری کے اعداد و شمار کی مدد سے مہاراشٹر میں اردو کی ترقی و ترویج کی رفتار کا اندازہ لگانے کی کوشش کی گئی ہے۔ نیچے دیے گئے ٹیبل میں 1971، 1981 اور 1991 میں اردو آبادی اور مسلم آبادی کے اضافے کی شرح کو واضح کیا گیا ہے:

ٹیبل 4: اردو اور مسلم آبادی میں اضافے کی شرح

نمبر		1971	فی صد	1981	فی صد	1991
1	مسلم	4233023	27.09	5805785	23.90	7628755
2	اردو	3661898	15.22	4319067	24.33	5707911

گراف-3: اضافے کی شرح

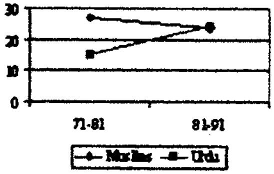

اس ٹیبل کے اعداد وشمار اور گراف سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اس صوبے میں مسلم آبادی میں اضافے کی شرح اردو آبادی میں اضافے کی شرح سے کہیں بہتر ہے۔ 1971 سے 1981 کے درمیان اردو آبادی میں اضافے کی شرح 15.22 فی صد تھی جو 1981 سے 1991 کے درمیان بڑھ کر 24.33 فی صد ہوگئی۔ اضافے کی شرح میں تقریباً 10 فی صد کی بڑھوتری بہتر صورت کی علامت ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ اس بدلتی صورت حال کا بغور جائزہ لیا جائے تاکہ اس سے بہتری کی کوئی صورت نکالی جاسکے۔ مسلم آبادی میں اضافے کی شرح میں بھی معمولی گراوٹ نظر آتی ہے۔

اردو آبادی میں لسانی تکثیریت

آج ہندستان میں لسانی تکثیریت کی شرح میں نمایاں اضافہ ہو رہا ہے۔ لسانی تکثیریت کی شرح میں اضافہ لسانی جمہوریت کا شاخسانہ ہے۔ اقلیتی لسانی جماعتوں میں عدم تحفظ کا احساس آہستہ آہستہ ختم ہو رہا ہے۔ نتیجتاً لسانی اقلیتیں ہر قسم کے لسانی اختلافات کو بھول کر لسانی تکثیریت کی طرف بڑھ رہی ہیں۔ مہاراشٹر میں بھی لسانی ارتباط کی فضا ہموار نظر آتی ہے۔ اس صوبے کی اردو آبادی میں لسانی تکثیریت کے رجحان کا بخوبی اندازہ کرنے کے لیے مندرجۂ ذیل ٹیبل میں یک لسانی اور ذولسانی آبادی کے اعداد وشمار پیش کیے گئے ہیں:

ٹیبل 5 : اردو آبادی میں لسانی تکثیریت

	زبان	بولنے والے (لاکھ)	کل (لاکھ)	فی صد	مرد (لاکھ)	فی صد	عورت (لاکھ)	دیہی (لاکھ)	شہری (لاکھ)
کل اردو آبادی			57.3	(7.2) 13.2	30	52.3	27.3 (47.6%)	17.1 (29.7%)	40.3 (70.2%)
یک لسانی			31.4	54.7	15	47.8	16.4 (52.1%)		
ذولسانی			25.9	45.2	15	57.9	10.9 (42%)		
نمبر	زبان	بولنے والے	فی صد	مرد	فی صد	عورت	فی صد		
1	عربی	0.6	1.0	0.3 لاکھ	52.3	0.3	47.7		
2	انگلش	1.4	2.5	0.9 لاکھ	62.2	0.5	37.7		
3	ہندی	14.4	25.1	8.4 لاکھ	58.3	6	41.6		
4	مراٹھی	9.5	16.5	5.4 لاکھ	56.9	4.1	43		

ان اعداد وشمار کی تجزیے سے یہ محسوس ہوتا ہے کہ اس صوبے کی اردو آبادی میں ذولسانیت 45.2 فی صد ہے۔ یعنی اردو آبادی کا 45.2 فی صد طبقہ ایک سے زائد زبانوں سے واقف ہے۔ مہاراشٹر کی 25 فی صد سے زائد اردو آبادی ہندی زبان سے واقف ہے جو اس بات کا ثبوت ہے کہ اردو آبادی اکثریتی جماعتوں کے ساتھ باہمی لسانی اختلاط وارتباط میں یقین رکھتی ہے۔

اردو آبادی والے اضلاع میں شرح خواندگی

اردو کی ترقی وترویج کا مسئلہ شرح خواندگی سے بھی جڑا ہوا ہے۔ ہندستان کی ریاست مہاراشٹر میں شرح خواندگی 53.82 ہے جو ہندستان کی عام شرح خواندگی 42.8 فی صد سے زیادہ ہے۔ 2001 کے اعداد وشمار کے مطابق ہندستان کی شرح خواندگی 65.38 فی صد ہے جبکہ مہاراشٹر میں شرح خواندگی 66.73 فی صد ہے۔

بہر کیف اگر مہاراشٹر کی اردو آبادی والے 10 اضلاع کی شرح خواندگی کا جائزہ لیں تو معلوم ہوتا ہے کہ سب سے اوپر کی شرح خواندگی گریٹر بمبئی کی ہے۔ 1991 کے اعداد و شمار کے مطابق اس کی شرح 71.6 فی صد ہے اور سب سے کم شرح خواندگی ضلع جالنا میں ہے جس کی کل شرح 36.3 فی صد ہے۔ ان اضلاع کی شرح خواندگی اطمینان بخش نہیں ہے کیونکہ ریاست مہاراشٹر کی اوسط شرح خواندگی 53.82 فی صد جبکہ اردو آبادی والے اضلاع میں یہ شرح خواندگی گھٹ کر 36.3 فی صد تک رہ جاتی ہے۔

اس تجزیاتی مطالعے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اردو آبادی والے اضلاع میں بالعموم شرح خواندگی ریاست کی شرح خواندگی سے بھی کم ہے۔ یہ صورت حال تشویشناک ہے اور اس صورت حال سے بخوبی نپٹنے کے لیے ایک کارگر لائحہ عمل کی ضرورت ہے۔ اردو آبادی میں شرح خواندگی کی تفصیل مندرجۂ ذیل ٹیبل میں پیش کی گئی ہے:

ٹیبل-6: اردو آبادی والے اضلاع میں شرح خواندگی

نمبر	ضلع	کل آبادی	کل تعلیم یافتہ (لاکھ)	مرد (لاکھ)	عورت (لاکھ)	دیہی (لاکھ)	شہری (لاکھ)
1	اکولہ	22.1	11.9 (53.9%)	7.3 (60.7%)	4.7 (39.2%)	7.9 (66.1%)	4.0 (33.9%)
2	امراوتی	22.0	12.9 (58.6%)	7.5 (57.8%)	5.4 (42.1%)	8.0 (62.1%)	4.9 (37.8%)
3	اورنگ آباد	22.1	10.1 (45.4%)	6.7 (66.6%)	3.4 (33.3%)	5.6 (56.1%)	4.4 (43.8%)
4	بیڑ	18.2	7.2 (39.4%)	4.9 (68.4%)	2.3 (31.5%)	5.3 (74.2%)	1.9 (25.7%)
5	بلڈانا	18.9	9.4 (49.8%)	6.0 (63.4%)	3.4 (36.5%)	7.0 (74.5%)	2.4 (25.4%)
6	گریٹر بمبئی	99.3	71.1 (71.6%)	42.1 (59.2%)	29.0 (40.7%)	0.0 (0.0%)	71.1 (100.0%)
7	جالنا	13.6	5.0 (36.3%)	3.5 (71.0%)	1.4 (28.9%)	3.7 (75.2%)	1.2 (24.7%)
8	لاتور	16.8	7.4 (44.3%)	4.9 (65.3%)	2.6 (34.6%)	5.5 (73.8%)	1.9 (26.1%)
9	ناندیڑ	23.3	8.9 (38.0%)	6.1 (68.8%)	2.8 (31.1%)	6.1 (68.5%)	2.8 (31.4%)
10	پربھنی	21.2	8.0 (37.5%)	5.6 (69.8%)	2.4 (30.1%)	5.4 (68.4%)	2.5 (31.5%)

مندرجۂ ذیل گراف میں شرح خواندگی کا تصویری جائزہ پیش کیا گیا ہے:

گراف-4: اردو آبادی والے اضلاع میں شرح خواندگی

Literacy in Urdu Populated Areas

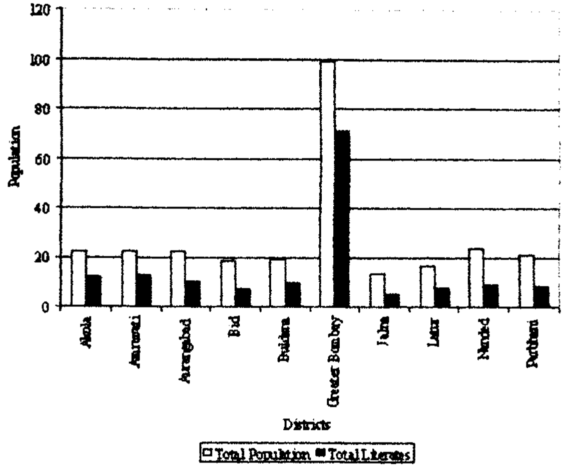

اردو آبادی والے اضلاع میں تعلیم

اردو کی ترقی وفروغ کا معاملہ خصوصی طور پر تعلیم سے وابستہ ہے۔ اردو آبادی کی نئی نسل ناخواندگی کے سبب اردو زبان کی تحریری شکل سے ناواقف ہوتی جارہی ہے۔ اردو خواندگی کے فروغ کے لیے اردو تعلیم کی ترقی وترویج لازمی شرط ہے۔ اردو کی ترقی اسکولی سطح کی اردو تعلیم اور کم از کم پرائمری اور جونیر ہائی اسکول (مڈل) سطح پر اردو ذریعہ تعلیم سے وابستہ ہے۔ صوبے کے اردو آبادی والے اضلاع میں تعلیم کا تجزیاتی جائزہ اردو آبادی کی تعلیمی صورت حال کی نشاندہی کرتا ہے۔ مندرجہ ذیل ٹیبل مہاراشٹر کی اردو آبادی والے اضلاع کی تعلیمی صورتِ حال کی مکمل تصویر پیش کرتا ہے۔

ٹیبل-7: اردو آبادی والے اضلاع میں تعلیم

ضلع	کل تعلیم یافتہ (لاکھ)	غیر رسمی تعلیم (لاکھ)	ابتدائی (لاکھ)	مڈل (لاکھ)	میٹرک (لاکھ)	10+2 (لاکھ)	بغیر ٹیکنیکل ڈپلوما (لاکھ)	ٹیکنیکل ڈپلوما (لاکھ)	گریجویٹ سے اوپر
اکولہ	11.9	0.06 (0.5%)	6.5 (54.8%)	3.0 (24.9%)	1.4 (11.8%)	0.5 (4.0%)	0.003 (0.02%)	0.11 (0.9%)	0.4 (3.1%)
امراوتی	12.9	0.08 (0.5%)	6.5 (50.4%)	3.5 (27.1%)	1.6 (12.5%)	0.6 (4.6%)	0.002 (0.02%)	0.11 (0.8%)	0.5 (3.7%)
اورنگ آباد	10.1	0.08 (0.8%)	5.1 (50.1%)	2.4 (24.0%)	1.4 (13.5%)	0.5 (4.5%)	0.003 (0.03%)	0.11 (1.0%)	0.6 (5.6%)
بیڑ	7.2	0.08 (1.0%)	3.9 (54.5%)	1.8 (24.7%)	0.8 (11.7%)	0.2 (3.2%)	0.005 (0.06%)	0.07 (0.9%)	0.3 (3.5%)
بلڈانا	9.4	0.05 (0.5%)	5.5 (58.7%)	2.3 (24.6%)	0.9 (10.0%)	0.3 (2.7%)	0.002 (0.02%)	0.09 (0.9%)	0.2 (2.2%)
گریٹر بمبئی	71.1	0.48 (0.6%)	24.1 (33.9%)	17.8 (25.0%)	15.2 (21.4%)	4.8 (6.8)	0.118 (0.1%)	0.79 (1.1%)	7.8 (10.9%)

0.1 (2.4%)	0.03 (0.7%)	0.001 (0.02%)	0.1 (2.5%)	0.5 (9.4%)	1.1 (22.8%)	3.0 (60.4%)	0.05 (1.1%)	5.0	جالنا
0.2 (3.2%)	0.11 (1.4%)	0.001 (0.02%)	0.3 (3.8%)	1.0 (12.9%)	1.9 (25.7%)	3.8 (51.9%)	0.08 (1.1%)	7.4	لاتور
0.3 (3.3%)	0.11 (1.2%)	0.003 (0.03%)	0.3 (3.8%)	1.0 (11.3%)	2.1 (23.5%)	5.0 (55.7%)	0.07 (0.7%)	8.9	ناندیڑ
0.3 (3.2%)	0.05 (0.6%)	0.024 (0.3%)	0.2 (2.7%)	0.8 (9.6%)	1.9 (23.7%)	4.7 (58.8%)	0.06 (0.7%)	8.0	پربھنی

اس ٹیبل سے یہ بات صاف طور پر عیاں ہو جاتی ہے کہ ان اضلاع کی 60 فی صد خواندہ آبادی پرائمری تعلیم سے آگے کی تعلیم نہیں حاصل کر پاتی۔ بالفاظ دیگر پرائمری سطح پر ''ڈراپ آؤٹ'' کا فی صد 60 ہے۔ پرائمری، مڈل اور ہائی اسکول تک کے تعلیمی سلسلے کی ٹوٹی ہوئی کڑی کو جوڑنے کے لیے موثر اقدام اٹھانے کی ضرورت ہے۔ اس چارٹ سے پرائمری سطح پر سلسلہ تعلیم کے ختم ہونے کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ آج ضرورت اس بات کی ہے کے اردو تعلیم کی بگڑتی ہوئی صورتِ حال کو بہتر بنانے کے لیے موثر قدم اٹھائے جائیں۔ مندرجۂ بالا ٹیبل سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اردو آبادی کے لیے باقاعدہ اور منظم پالیسی بنانے کی ضرورت ہے۔ یہ پالیسی اتنی حساس ہونی چاہیے کہ ان تمام عوامل کو پیشِ نظر رکھ سکے جو اردو تعلیم سے بیگانگی کے ذمہ دار ہیں۔ اس پالیسی کہ تحت ان وجوہات پر غور کرنا ہوگا جن کی بدولت اردو کی ترقی سے متعلق سرکاری پالیسیاں مسلسل ناکام ہوتی رہی ہیں۔ اردو تعلیم کو کارگر بنانے کے لیے ایسے اقدام اٹھانے ہوں گے جن کے تحت اردو تعلیم کو بازار کی ضرورتوں سے جوڑا جا سکے اور تکنیکی و انتظامی سطح پر اس کی افادیت نمایاں کی جا سکے۔ جدید کاری کی یہ کوششیں اردو تعلیم کو مذہبی اور دینی تعلیم کے محدود دائرے سے باہر نکالنے میں کارگر ثابت ہوں گی۔ اس صورتِ حال کی تصویری نمائندگی کے لیے مندرجۂ ذیل چارٹ کی مدد لی گئی ہے۔

گراف-5: اردو آبادی والے اضلاع میں تعلیم

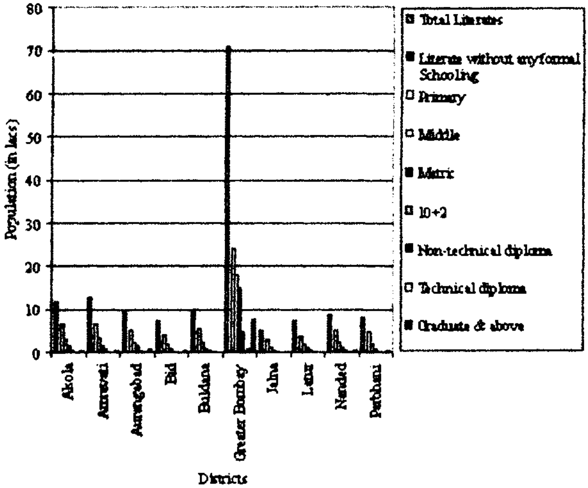

اردو ذریعۂ تعلیم

دستورِ ہند کی مختلف دفعات اور شقوں پر نظر ڈالنے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ہندستان کے شہریوں کو اپنی لسانی اور تہذیبی میراث کے تحفظ کا حق حاصل ہے۔ دفعہ 350-A کے مطابق ''ہر ریاست اور ریاست کے ہر بااختیار ادارے کی یہ کوشش ہونی چاہیے کہ وہ لسانی اقلیت سے تعلق رکھنے والے بچوں کو ان کی مادری زبان میں ابتدائی تعلیم دینے کے لیے معقول سہولیات مہیا کرے اور اگر صدر اس طرح کی سہولیات فراہم کرنے کو لازمی یا مناسب سمجھے تو وہ اس سلسلے میں کسی بھی ریاست کے نام ہدایت جاری کر سکتا ہے۔''

دستور کی دفعہ A-350 کے رو سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ریاستی یا مرکزی حکومت کو یہ اختیار حاصل نہیں ہے کہ وہ عوام کی مرضی کے خلاف ذریعۂ تعلیم کے طور پر کوئی بھی زبان استعمال کرے۔ اس پس منظر میں جب ہم صوبہ مہاراشٹر کے ذریعۂ تعلیم میں مستعمل زبانوں کا جائزہ لیتے ہیں تو مندرجۂ ذیل تفصیلات ابھر کر سامنے آتی ہیں:

	پرائمری	اپر پرائمری	سکنڈری	ہائر
NCERT Third Survey	12	10	10	5
NCERT Fifth Survey	12	11	11	6

مندرجۂ بالا اعداد و شمار سے محسوس ہوتا ہے کہ حکومت مہاراشٹر نے صوبے کی کثیر لسانی صورت حال کو بخوبی سمجھا ہے اور اس کے پیش نظر کئی زبانوں کو بطور ذریعۂ تعلیم استعمال کیا ہے۔ NCERT کے تیسرے سروے کے مطابق پرائمری سطح پر بارہ زبانیں ذریعۂ تعلیم کے طور پر فراہم تھیں۔ سکنڈری اور ہائر سکنڈری کی سطح پر 10 اور 5 زبانوں میں تعلیم دستیاب تھی۔ لیکن بعد میں پرائمری تعلیم کی اہمیت کو مدنظر رکھتے ہوئے پرائمری سطح پر زبانوں کی تعداد میں کوئی کمی نہیں کی گئی۔ NCERT کے پانچویں سروے کے مطابق مہاراشٹر میں پرائمری سطح پر 12 زبانوں میں تعلیم دستیاب ہے۔ سکنڈری اور ہائر سکنڈری سطح پر 11 اور 6 زبانوں میں تعلیم دستیاب ہے۔ اس صوبے میں پرائمری سے لے کر ہائر سیکنڈری تک اردو بطور ذریعۂ تعلیم مستعمل ہے۔

اہلِ اردو کے دیرینہ خوابوں کی تعبیر

اردو انسائیکلوپیڈیا

جو بین الاقوامی معیار کو سامنے رکھ کر مرتب کیا گیا ہے

۳۲ علوم پر مشتمل   تین کلیدی جلدیں شائع ہوگئیں

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان نے اردو میں پہلا مکمل اور بین الاقوامی معیار کا انسائیکلو پیڈیا شائع کیا ہے۔ ابتدائی تین جلدیں ۳۲ علوم پر مشتمل ہیں جن کی ترتیب حسب ذیل طریقے پر کی گئی ہے۔

جلد اوّل : ۱۔آثار قدیمہ ۲۔ادبیات ۳۔ارضیات ۴۔انجینیرنگ
۵۔تاریخ اسلام ۶۔تاریخ عالم ۷۔تاریخ ہند

جلد دوم : ۸۔تعلیم ۹۔جغرافیہ ۱۰۔جنگلات ۱۱۔حیاتیات
۱۲۔حیوانیات ۱۳۔ریاضیات ۱۴۔زراعت ۱۵۔سائنس
۱۶۔سماجیات ۱۷۔سیاسیات ۱۸۔طب یونانی ۱۹۔طبیعیات

جلد سوم : ۲۰۔علاج حیوانات ۲۱۔فلسفہ ونفسیات ۲۲۔لائبریری سائنس ۲۳۔فلکیات
۲۴۔فنون لطیفہ ۲۵۔فلم ۲۶۔قانون ۲۷۔کیمیا
۲۸۔مذاہب ۲۹۔معاشیات ۳۰۔معدنیات ۳۱۔نشر واشاعت
۳۲۔نظم ونسق

جملہ علوم پر مختصر نوشتے آٹھ جلدوں میں شائع کیے جائیں گے۔

سارا مواد بڑی دیدہ ریزی اور مشقت کے ساتھ سلیس زبان اور دلنشین پیرایے میں پیش کیا گیا ہے۔ یہ ایسی کاوش ہے جو آئندہ کئی نسلوں کو علم و دانش سے مالا مال کرتی رہے گی۔

ادیبوں، صحافیوں، طلبہ اور علم دوست قارئین کے لیے ایک نادر تحفہ، ہر جلد اپنے آپ میں مکمل ہے۔

جلد اوّل 578 صفحات قیمت -/300 روپے • جلد دوم 568 صفحات قیمت -/450 روپے
جلد سوم 614 صفحات قیمت -/450 روپے

مندرجہ ذیل پتے پر لکھیں یا کسی کتب فروش سے حاصل کریں
قومی اردو کونسل، ویسٹ بلاک-1، ونگ-6، آر۔کے۔پورم، نئی دہلی

نثار احمد فاروقی

تصوف: خدا پرستی اور انسان دوستی کا سنگم

تصوّف روحانی تجربے کا نام ہے اور روحانی تجربہ ہر مذہب میں موجود ہے، مگر اسلامی تصوف کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ قانونِ شریعت کی روح کو زیادہ اہم سمجھتا ہے، مذہبی علما قانون کے لفظ کی پابندی کرتے ہیں، اس لیے صوفیوں کے مشرب میں وسعت اور رواداری زیادہ ہے اور اسی لیے اُنھیں ہر زمانے میں مقبولیت حاصل رہی ہے۔ عقیدہ بہت اچھی چیز ہے، اُسے واضح اور مضبوط بھی ہونا چاہیے، مگر دیکھنا یہ ہے کہ جو مذہبی احکام ہیں اُن کی حکمت اور مقصد کیا ہے؟ اللہ کو اس میں کیا دلچسپی اور کیا فائدہ ہے کہ آپ کیا کھائیں، کیا نہ کھائیں، یا کس طرح کی زندگی بسر کریں؟ شریعت کے احکام و قوانین کا اصل مقصود یہ ہے کہ ہماری شخصی زندگی صاف ستھری اور کسی اُصول کی پابند ہو، جس سے ہمارا سماج بھی صاف ستھرا بنے، صحت مند رہے۔ اُس سماج میں کمزور طبقے کی مجبوری کا ناجائز فائدہ نہ اُٹھایا جائے، ایسا شر اور فتنہ و فساد نہ پھیلایا جائے جس سے سماجی زندگی کا توازن بگڑتا ہو۔ انسانوں کا آپس میں معاملہ انصاف، حق پسندی اور ایک دوسرے سے سچی ہمدردی اور اس کی خیر خواہی کا ہو۔ کسی کا حق نہ مارا جائے۔ اپنے اعمال کا خود احتساب کیا جائے۔ غریبوں، مسکینوں، یتیموں اور بیواؤں کی خیر خبر رکھی جائے۔ جو لوگ اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ صرف اپنی نجات کی فکر کرنے سے مذہب کے تقاضے پورے ہو جاتے ہیں، وہ مذہب کی روح کو سمجھے ہی نہیں۔ اللہ یا ایشور یا جو نام بھی اس کائنات کے کرتار اور پالن ہار کو دیا جائے، وہ ہماری عبادت کا، یا چڑھاوے اور نذروں کا، بلی اور قربانی کا، کسی بات اور کسی چیز کا محتاج یا ضرورت مند نہیں۔ اُسے ہماری پوجا کی بھی پروا نہیں۔ اگر وہ کسی بات کا محتاج اور ضرورت مند ہو تو اُسے خدا کیسے کہا جا سکتا ہے؟ قرآن نے خدا کا جو تصور دیا ہے وہ یہ ہے کہ اللہ ایک ہے، رحمٰن و رحیم ہے، جو بندے اُس سے محبت کرتے ہیں وہ بھی اُن سے محبت کرتا ہے۔ جو پوجا کے پاتر ہو اُسے عربی میں اِلٰہ کہتے ہیں اور اسم نکرہ یعنی Common Noun کو Proper Noun بنانے کے لیے Definite Article الف اور لام آتا ہے۔ اِلٰہ پر یہ Definite Article آیا تو اللہ ہو گیا۔ انگریزی میں God کے ساتھ The تو نہیں آتا مگر یہاں بات کو سمجھنے کے لیے آپ اللہ کا لفظی ترجمہ The God کر لیجیے۔ مطلب یہ کہ وہ ذات جو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہنے والی ہے، جو اِس کائنات کی، اِس کے اربوں کھربوں ستاروں کی، چاند سورج کی، ہوا اور پانی کی، بھانت بھانت کے درختوں کی، پھل اور پھول کی، اور جو کچھ ہم دیکھ رہے ہیں اُس سب کی، جو کچھ ہم نہیں دیکھ رہے ہیں، نہ دیکھ سکتے ہیں اُس کی بھی پیدا کرنے والی ہے، اُس کا کوئی نام نہیں، نہ کوئی شکل ہے، نہ وہ کسی جگہ میں بند ہے۔ اُسے آپ اللہ کہیں، ایشور یا بھگوان کہیں، God کہیں یہوہ کہیں، سری اکال کہیں، یا کوئی اور نام دیں، یا کوئی بھی نام نہ دیں، وہی پوجا کے یوگیہ ہے، وہی سب سے بڑی طاقت ہے، اُسی نے ہمیں پیدا کیا ہے، وہی ہماری پالن ہار ہے۔ وہ ذات نہ پیدا ہوئی ہے، نہ اُس نے اپنے جیسے کو پیدا کیا ہے۔ نہ ذات کبھی مرے گی۔ اُس کا وجود نرادھار ہے، یعنی اُس کا ہونا کسی شرط سے بندھا ہوا نہیں۔ کوئی اُس جیسا نہیں، ہم اُسے کسی نام سے بھی پکاریں وہی مقصود ہوگا۔ آپ کو پیاس لگی ہے تو ہندی میں جل مانگیں یا پانی کہیں، یا فارسی میں آب یا عربی میں ماء کہیں، یا انگریزی میں واٹر پکاریں، ایک ہی چیز مراد ہوگی اور جواب میں وہی آپ کو ملے گی۔ واٹر کہنے سے پانی کا کچھ بھی بدل نہیں جائے گا۔ اُپنشدوں کا گویا سارانش اَدویتا (अद्वैत) یعنی توحید ہی ہے۔ صوفیوں نے بھی سب عبادت و ریاضت، چلوں اور مجاہدوں کا حاصل توحید کو جانا اور مانا ہے۔ وہ توحید کی چار قسمیں بتاتے ہیں: ایک شریعت میں توحید کا تصور ہے کہ اللہ ایک ہے، قدیم ہے، اپنی ذات سے زندہ ہے، سنتا ہے، دیکھتا ہے، وغیرہ۔ اُس کو چاہے ہم اپنی مذہبی اور خاندانی روایت کے طور پر مانیں یا عقلی دلیلوں سے سمجھیں۔ دوسری قسم توحیدِ طریقت ہے یعنی صوفی اللہ کے ایک ہونے کو، اُس کی ذات اور صفات (گُن) کو اپنے ایمان کی روشنی میں دیکھ کر مانتا ہے، اُسے واجب الوجود سمجھتا ہے، یعنی سچا اور حقیقی وجود صرف اُسی کا ہے۔ دوسری سب موجودات کی نمود تو ہے وجود نہیں۔ اسے مثال میں یوں سمجھیں کہ برف کا وجود نہیں اُس کی نمود ہے، وجود پانی کا ہے، رسّی میں ایک گرہ لگا دیں تو گرہ کی نمود ہے، وجود نہیں، وجود رسّی کا ہے۔ سب موجودات کی ہستی اُسی ایک ذات کا جلوہ ہے۔ حضرت بو علی شاہ قلندرؒ سے کسی نے سوال کیا تھا کہ جب کچھ نہیں تھا تو خدا کہاں تھا؟ انھوں نے کہا: اپنے جسم میں ڈھونڈ کر بتاؤ تمھاری جان کہاں ہے؟ یعنی خدا کا اس کائنات سے رشتہ جسم و جان کا سا ہے۔ فارسی کے ایک صوفی شاعر نے کیا مزے کی بات کہی ہے:

اسرارِ خدا را نہ تو دانی و نہ من
وین حرفِ معما نہ تو خوانی و نہ من

ہست از پسِ پردہ گفتگوے من و تو
چون پردہ بیفتد، نہ تو مانی و نہ من

خدا کی ہستی کا بھید نہ تم جانتے ہو نہ میں جانتا ہوں، یہ ایسا معمّا اور ایسی گتھی ہے جسے نہ تم سمجھے ہو نہ میں سمجھا ہوں۔ یہ "میں" اور "تم" کی بات بھی حقیقت کے پردے کے پیچھے سے ہو رہی ہے، جب پردہ اُٹھے گا تو نہ تم رہو گے نہ میں رہوں گا۔ بس یہ سب ہماری اپنی تسلّی کی باتیں ہیں ورنہ ہمارا علم ہے ہی کتنا:

مصری کا پربت بھیو، چیونٹی تکسی آئے
اُن کہ اپنا بھر لیو، پربت کا کیا جائے!

یہ سمجھنا تو نری حماقت اور تنگ نظری ہے کہ اللہ مسلمانوں کا ہے، یا ایشور ہندوؤں کا، یا God عیسائیوں کا اور یہوہ یہودیوں کا ہے۔ ہم نے اللہ کو اپنے تصور میں ڈھالا، ہندوؤں نے اپنے تخیل سے اُس کی مورت بنالی، عیسائیوں نے اپنے رنگ میں رنگ لیا، تو ہم اللہ کو بھی اپنے مذہب اور عقیدے میں محدود کر کے رکھنا چاہتے ہیں۔ یہ اُس کی ذات اور صفات سے واقف نہ ہونے کی بات ہے۔ فارسی کا شاعر کہتا ہے:

بنام آن کہ اُو نامے ندارد
بہ ہر نامے کہ خوانی سر بر آرد

یعنی اللہ وہ ہے جس کا کوئی نام نہیں، اُسے جس نام سے بھی پکارو گے وہ تمھاری بات سنے گا، تمھیں ملے گا، جواب دے گا۔ اُس کی ذات ہماری محدود اور ناقص عقل کے دائرے سے بہت دور بہت پرے ہے۔ کسی دل والے نے کہا ہے:

حرم جویان دَرے را می پرستند
فقیہان دفترے را می پرستند
برافگن پردہ تا معلوم گردد
کہ یاران دیگرے را می پرستند

یعنی جو حج کرنے کے لیے کعبے کو جاتے ہیں، وہ سمجھ رہے ہیں کہ اللہ کعبے میں ہے۔ جو پوتھیاں پڑھ رہے ہیں وہ اُسے کتابوں میں ڈھونڈتے ہیں۔ شاعر کہتا ہے: اے اللہ اپنی حقیقت کا جلوہ دکھادے تاکہ یہ سب جان لیں کہ وہ اب تک تیرے سوا کسی اور ہی کی پوجا کرتے رہے ہیں۔ قرآن میں کہا گیا ہے کہ انّما أنتَ مُنذِر ولِكُلِّ قومٍ هاد (ہم نے ہر قوم میں ہدایت دینے والے، سچائی کا راستہ دکھانے والے بھیجے ہیں۔ الرعد ۷)۔ اور یہ بھی کہا ہے کہ قرآن میں سب نبیوں، پیغامبروں اور رسولوں کا نام نہیں لیا گیا صرف چند کا تذکرہ کیا گیا ہے (ومنهم مَن قَصَصنا عليكَ وَمنهم مَن لم نَقصُص عليكَ (غافر: ۷۸)۔ ورُسُلاً قد قَصَصناهُم عليكَ من قبلُ ورُسُلاً لم نَقصُصهُم عليكَ (النساء: ۸)۔ اِس سے ظاہر ہے کہ ہدایت دینے والے ہندستان جیسے بڑے ملک میں کیوں نہ آئے ہوں گے؟ یقیناً آئے تھے۔ یہ دوسری بات ہے کہ ہزاروں لاکھوں برسوں میں تاریخ نے اُن کی صورت اور سیرت یا تعلیمات کو اصلی شکل میں محفوظ نہ رکھا ہو۔ ابھی اِس زمانے میں یہ تکلیف دینے والی خبر آئی کہ افغانستان میں طالبان کی حکومت نے مہاتما گوتم بدھ کے ہزاروں سال پرانے مجسموں کو ختم کر دیا، اس پر ساری دنیا میں احتجاج ہوا۔ قرآن میں ایک پیغمبر کا نام ذوالکفل بھی آتا ہے (وَاذكُر اسمٰعيلَ واليَسَعَ و ذا الكِفلِ وكُلُّهُم مِنَ الاخيار (ص: ۶۸) وإسمٰعيلَ وإدريسَ و ذا الكِفلِ كُلٌّ مِنَ الصّٰبرِينَ و ادخَلنٰهُم في رحمَتِنا إنّهم مِن الصّٰلحِين۔ (الانبیاء ۸۵۔۸۶) اور اس نبی کی کوئی تفصیل قدیم اسلامی یا یہودی کتابوں میں نہیں ملتی۔ یہ بات غور طلب ہے کہ عربی میں ذو کے ساتھ لقب یا نسبت آتی ہے اصلی نام نہیں آتا جیسے ذوالنون (مچھلی والے) حضرت یونس بن متی علیہ السلام کو کہا ہے۔ اِسی طرح ذوالقرنین (دو سینگوں والے) بھی لقب ہے، نام نہیں۔ کچھ مفسروں نے کہا کہ ذو الکفل سے الیاس علیہ السلام مراد ہیں۔ جب قرآن میں اُن کا نام الیاس دوبار آیا ہے (الانعام): ۸۵ الصٰفّٰت: ۱۲۳) تو باقی دو جگہوں پر اُنھیں لقب یا نسبت سے یاد کرنے کا تقاضا کیا تھا؟ الیسع کے بارے میں ابن جبیر کا قول ہے کہ یہ نام عجمی ہے تو کیا ہم ذوالکفل کو عجمی نام نہیں کہہ سکتے؟ دشواری یہ ہے کہ ہم تاریخ نبوت پر غور کرتے ہوئے جزیرۂ عرب سے باہر نکل کر نہیں سوچتے جب کہ قرآن کریم صاف الفاظ میں کہہ رہا ہے کہ ہدایت دینے والے ہر قوم میں بھیجے گئے ہیں۔ یہ بات بھی ملحوظ رہنی چاہیے کہ انبیاء و رُسل کے علاوہ ابرار و اخیار، صالحین و مصلحین بھی ہر دور میں اور ہر قوم میں آئے ہیں اور انھوں نے زمانے کی ضرورت کے مطابق اپنا رول ادا کیا ہے۔ جس طرح قرآن نے سب انبیا کا نام نہیں لیا اسی طرح سب صالحین کا تذکرہ بھی نہیں کیا ہے۔ علامہ جلال الدین السیوطی الاتقان فی علوم القرآن میں فرماتے ہیں: "بیان کیا گیا ہے کہ وہ ایوبؑ کے بیٹے تھے۔ وھب سے کتاب مستدرک میں مروی ہے کہ اللہ پاک نے ایوبؑ کے بعد اُن کے فرزند بشر بن ایوبؑ کو مبعوث بہ نبوت فرمایا اور اُن کا نام ذوالکفل رکھا۔ اُن کو حکم دیا کہ مخلوق کو میری توحید (خدا کے ایک ماننے) کی دعوت دو۔ وہ تمام عمر وقت وفات تک شام میں مقیم رہے اور اُنھوں نے پچھتر سال عمر پائی۔ اور کرمانی کی کتاب العجائب میں آیا ہے کہ ذوالکفل کی بابت کئی اقوال مختلف آئے ہیں۔ کہا گیا ہے کہ وہ الیاس ہی ہیں۔ کہا گیا ہے کہ وہ یوشع بن نونؑ ہیں۔ اور

کہا گیا ہے کہ وہ ایک نبی ہیں جن کا نام ہی ذوالکفل تھا۔ اور ایک قول یہ ہے کہ وہ ایک مردِ صالح تھے اُنھوں نے چند باتوں کی کفالت اور ذمّے داری کی تھی اور پھر اُن کو پوری طرح نبھا بھی دیا تھا۔ اس لیے یہ نام پڑ گیا۔ اور کہا گیا ہے کہ وہ ذکریا علیہ السلام ہیں جن کا ذکر قولہ تعالیٰ: وَکفلھاذکریاؑ میں آیا ہے اور ابنِ عساکر کہتا ہے کہ ایک قول سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک نبی تھے اور اللہ پاک نے اُن کے لیے یہ کفالت فرمائی تھی کہ اُن کے عمل میں دوسرے انبیا علیہم السلام کے اعمال سے دوگنا اجر عطا فرمائے گا اور ایک قول یہ بھی ہے کہ وہ کوئی نبی نہ تھے بلکہ بات یہ تھی کہ الیسع علیہ السلام نے اُن کو اپنا خلیفہ بنایا تھا اور انھوں نے ان سے یہ کفالت کی تھی کہ دن کو روزہ رکھا کریں گے اور شب کو عبادتِ الٰہی کرتے رہیں گے اور کہا گیا ہے کہ یہ نہیں بلکہ اُس نے یہ ذمّے داری کی تھی کہ ہر روز ایک سو رکعت نماز پڑھا کرے گا اور ایک قول میں آیا ہے کہ وہ الیسع ہیں اور اُن کے دو نام ہیں۔" (الاتقان فیی علوم القرآن اردو ترجمہ جلد ۲ ص ۳۴۶۔۳۴۷)۔ مولانا محمود حسن دیوبندی نے اپنی تفسیر میں یوں لکھا:

"ذوالکفل کی نسبت اختلاف ہے کہ نبی تھے، جیسا کہ انبیا کے ذیل میں تذکرہ فرمانے سے ظاہر ہوتا ہے، یا محض ایک مردِ صالح تھے۔ کہتے ہیں ایک شخص کے ضامن ہو کر کئی برس قید میں رہے اور للہ یہ محنت اُٹھائی۔ مسندِ امام احمد اور جامع ترمذی میں ایک شخص کا قصہ آتا ہے جو پہلے سخت بدکار اور فاسق وفاجر تھا بعدہٗ تائب ہوا، اللہ تعالیٰ نے اس کی مغفرت کی بشارت اسی دنیا میں لوگوں کو سنادی۔ اُس کا نام حدیث میں کفل آیا ہے۔ بظاہر یہ وہ ذوالکفل نہیں جس کا ذکر قرآن کریم نے کیا ہے۔ ہمارے زمانے کے بعض مصنفین کا خیال ہے کہ ذوالکفل وہی ہیں جن کو حزقیل کہا جاتا ہے۔" (تفسیر مولانا محمود حسن دیوبندی ص 438 عبداللہ یوسف علی مرحوم نے ذوالکفل کا انگریزی ترجمہ "Possessor of, or giving, a double requittal or portion or else, one who used a cloak of double thickness) کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ ذوالکفل کا لفظی مفہوم ہے۔ اس بارے میں مفسروں کا اختلاف ہے کہ اِس سے کون مراد ہے؟ اور یہ لقب اُس شخصیت کو کیوں دیا گیا ہے؟ اُن کا تذکرہ اسمٰعیل اور ادریس کی طرح صبر کرنے والوں کے ساتھ کیوں کیا ہے؟ یہاں تک جو تنقیحات ہیں وہ درست ہیں، اس کے بعد عبداللہ یوسف علی کا ذہن Karsten Niebuhr کی کتاب Reiseschreibung nach Arabien (کوپن ہیگن، 1778، II، ص ص 264-266) کی طرف مڑ گیا جس کا حوالہ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام میں ذوالکفل کے تحت دیا گیا ہے۔

کارسٹین عراق کے ایک چھوٹے سے قصبے کفل کا ذکر کرتا ہے جو نجف اور حلہ (بابل) کے درمیان واقع ہے، اور کہتا ہے کہ یہ Erezkeil کی عربی شکل ہے۔ وہاں حزقیل کا مقبرہ تھا، اور یہودی اُس کی زیارت کرنے آیا کرتے تھے۔ عبداللہ یوسف علی کہتے ہیں اگر ہم ذوالکفل کو ایک لقب نہ سمجھیں اور اسے حزقیل (Erezkeil) کی معرّب شکل مانیں تو یہ اِس موقع پر صادق آتا ہے۔ حزقیل بنی اسرائیل کے نبی تھے جنھیں نوبخت نصر (Nebuchadnezzar) اپنے دوسرے حملے کے بعد (تقریباً 599 قبل مسیح) گرفتار کرکے لے گیا تھا۔ اُن کا صحیفہ بھی عہد نامہ عتیق (Old Testament) کے انگریزی version میں شامل ہے۔ اُنھیں ہتھکڑی و بیڑی پہنا کر قید خانے میں ڈال دیا گیا، اور ایک زمانے تک اُنھوں نے کلام نہیں کیا۔ (Erezkeil III, 25-26)۔ یہ سب سختیاں اُنھوں نے صبر سے برداشت کیں۔ یہ بھی دور کی بات ہے۔ ضروری نہیں کہ اِس آیت میں صرف انبیا کا ہی تذکرہ ہو۔ اُنھیں صابرین، صالحین اور اخیار میں شمار کیا ہے جن میں نبی اور غیر نبی دونوں ہوسکتے ہیں۔ جب یہ معلوم ہے کہ ذو کے ساتھ آنے والا لفظ لقب یا نسبت ہوتا ہے نام ہونا ضروری نہیں، تو اِس سے بعض مفسّروں نے یہ نتیجہ بھی نکالا کہ عربی میں ذو کا مطلب ہے "والا"۔ اور پ کی آواز ہے نہیں، اس کی جگہ ف استعمال کی جاتی ہے تو ذوالکِفل کا مفہوم ہوگا کپل والا۔ گوتم بدھ کپل وستو میں پیدا ہوئے تھے، اس لیے اُنھیں ذوالکِفل کہا گیا۔ جب اسلام کا ظہور ہوا ہے تو جنوبی ایشیا کے بڑے خطے میں بدھ مت پھیل چکا تھا، یہ ممکن نہیں تھا کہ اسلام اُس کو نظر انداز کردیتا۔ اب سوال یہ ہوسکتا ہے کہ "ذوالکِفل" یعنی کپل والا کیوں کہا؟ اُن کا نام کیوں نہیں لیا؟ تو قرآن نے جن پیغمبروں کے نام لیے ہیں جیسے موسیٰ، عیسیٰ، سلیمان، داؤد، ابراہیم وغیرہ، وہ سب سامی تہذیب سے جڑے ہوئے تھے، اس لیے عربی بولنے والے اُن کے ناموں سے مانوس تھے۔ اگر قرآن گوتم کہتا تو گ عربی میں ہے نہیں، اُسے جوتم یا غوتم کہنا پڑتا، اس سے سمجھ میں نہ آتا کہ کس کی طرف اشارہ ہورہا ہے۔ کپل والا کہنے سے بات صاف ہوگئی کیوں کہ کپل وستو میں گوتم کے سوا کوئی اور مصلح پیدا نہیں ہوا۔ مولانا محمود حسن دیوبندی نے مسندِ احمد بن حنبلؒ اور جامع ترمذی کے حوالے سے جس کفل کا تذکرہ کیا ہے اُس سے بھی گوتم بدھ مراد ہوسکتے ہیں۔ کہتے ہیں "کفل" فاسق وفاجر تھا۔ یہ اصطلاحی الفاظ ہیں مراد یہ کہ دنیا دار آدمی تھا۔ بعدہٗ تائب ہوا، یعنی اُس نے ریاضت کی۔ ریاضت بھی توبہ ہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اُس کی مغفرت کی بشارت اسی دنیا میں لوگوں کو سنادی، اسی کا دوسرا نام "نروان" ہے۔ ایک بات یہ بھی یاد رکھنے کی ہے کہ فارسی میں مورتی کو بُت کہتے ہیں، یہ

دراصل بدھ ہی ہے۔ دھ کی آواز ہلکی ہو کرت میں بدل گئی ہے اس لیے کہ دھ بھ تھ جیسی مخلوط آوازیں فارسی میں نہیں ہیں۔ افغانستان اور سنٹرل ایشیا کے علاقے میں بدھ مذہب رائج تھا، اور اُس کے وہار بنے ہوئے تھے۔ ہمارا صوبہ بہار بھی اصل میں وہار ہے، اور سنٹرل ایشیا کا بخارا بھی وہارا کی بگڑی ہوئی شکل ہے۔ ہ اور خ دونوں حلق سے نکلنے والی آوازیں ہیں اور ایک دوسرے سے بدل جاتی ہیں، اس لیے وہار سے بہار اور وہارا سے بخارا ہو گیا۔ قرآن کے بعد سب سے زیادہ صحیح سمجھی جانے والی حدیث کی کتاب کے مؤلف بھی بخاری کہلاتے ہیں۔ اللہ نے مذہبی رہنماؤں کو دنیا میں اس لیے بھیجا تھا کہ اُن کے ذریعے سے انسانوں کو یہ تعلیم دی جائے کہ وہ ایک اچھی صاف ستھری سوسائٹی بنا کر رہیں، خود بھی جئیں دوسروں کو بھی جینے دیں۔ یہ تب ہی ہو سکتا ہے جب ہم ایک دوسرے کے عقیدے کا احترام کریں، دوسروں کے دکھ درد کو سمجھیں، ایک دوسرے کے کام آئیں، جیسے ایک ہاتھ دوسرے ہاتھ کو دھوتا ہے۔ فارسی کے مشہور شاعر اور صوفی شیخ سعدی شیرازی کہتے ہیں:

بنی آدم اعضائے یک دیگر اند
کہ در آفرینش زیک جوہر اند
چو عضوے بہ درد آورد روزگار
دگر عضو ہا را نماند قرار
تو کز محنتِ دیگران بے غمی
نشاید کہ نامت نہند آدمی

مطلب یہ کہ سماج میں ہر فرد کی حیثیت ایسی ہے جیسے انسان کے جسم میں مختلف انگ ہیں: آنکھ، ناک، کان، ہاتھ، پیر، سب کا اپنا اپنا کام ہے مگر سب کا ایک دوسرے سے درد کا رشتہ بھی ہے۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ اگر کسی کے ایک دانت میں درد ہوتا ہے تو دوسرے انگ بھی اپنا کام کرنا بھول جاتے ہیں، اور اُن کا دھیان بھی دانت کے درد کی طرف ہی رہتا ہے۔ یہ اعلیٰ اور ادنیٰ کی تمیز، اونچ نیچ کا بھید بھاؤ ہمارا گڑھا ہوا ہے۔ اللہ نے اپنی نعمتوں کے خزانوں کو سب کے لیے عام کر دیا ہے۔ زندگی کا دارومدار جن بنیادی چیزوں پر ہے جیسے ہوا، پانی، روشنی، اُن میں یہ نہیں ہے کہ قدرت کی طرف سے غریب آدمی کو دو گھونٹ پانی کم ملے گا یا کوئی سرمایہ دار دو سانس ہوا میں زیادہ لے سکے گا۔ جب موت آتی ہے تو وہ کروڑپتی بھی مر جاتا ہے جو اپنے علاج پر بے تحاشا دولت خرچ کرتا ہے، وہ فقیر بھی مر جاتا ہے جسے ایک گھونٹ دوا بھی نصیب نہیں ہوتی۔ دولت کی یہ تقسیم کہ ایک شخص کے پاس بے حد و بے حساب دولت ہے، دوسرے کو ایک سوکھی روٹی بھی میسر نہیں، یہ اللہ یا ایشور یا گاڈ نے نہیں کی ہے۔ یہ سب حضرت انسان کے کرتوت ہیں کہ وہ پیداوار کے سادھنوں پر اپنا ادھیکار جما کر بیٹھ جاتا ہے اور دوسروں کو محروم کر دیتا ہے۔ اگر یہ فرق قدرت کی طرف سے ہوتا تو آپ اسے جانوروں میں بھی پاتے کہ ایک چڑیا امیر ہے، دوسری غریب ہے، یا ایک شیر پیٹ بھر کر کھا رہا ہے، دوسرا شیر بھوکا پھر رہا ہے۔ نظامِ قدرت کے انصاف کو ہم جانوروں میں دیکھ سکتے ہیں۔ حیوان بھی خدا کی تسبیح کرتے ہیں، اُس کے نام کی مالا جپتے ہیں۔ اگر ہم اُن کی زبان نہیں سمجھتے تو اِس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ پوجا نہیں کرتے۔ مگر ہم انسانوں کی طرح اُنھوں نے مذہب یا ذات پات کے نام پر خون بہانا یا ڈھونگ رچانا نہیں سیکھا ہے۔ صوفیوں نے اِس حقیقت کو پالیا تھا، اور اُن کی زندگی کا مقصد یہی تھا کہ غریبوں، بیکسوں، دکھی انسانوں کی سیوا کریں، اُن کی ڈھارس بندھائیں، مادی مدد نہ سہی، کسی کے لیے دعا کرنا یا تعویذ گنڈا دے کر اُس میں نفسیاتی طور پر بھروسا اور ہمت پیدا کر دینا بھی بڑی سیوا ہے۔ کسی بھوکے کو کھانا کھلائیں، کسی ننگے کو بدن ڈھکنے کے لیے کپڑا دے دیں، یہی صوفیوں کی خانقاہوں میں ہوتا تھا، اور اسی مقصد سے لنگر بھی جاری کیا گیا تھا، جو چشتی سلسلے کے بزرگوں کی خصوصیت ہے اور اس کو سکھ دھرم کے گورو صاحبان نے بھی گوردوارے کے نظام کا ایک لازمی حصہ بنا لیا ہے۔ شیخ سعدی جو خود ایک صوفی اور شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کے مرید ہیں، کہتے ہیں کہ اگر تم دوسروں کے دکھ درد کا احساس نہیں کر سکتے تو یہ زیب نہیں دیتا کہ تمھیں آدمی کہا جائے۔ اس سے بڑی نادانی اور جہالت کیا ہو سکتی ہے کہ دوسروں کا خون چوس کر، یا خون بہا کر، اور زمین میں فساد پھیلا کر بھی کوئی یہ سمجھتا ہے کہ اللہ یا بھگوان کی اُپاسنا کر رہا ہے۔ ہر کام کسی نتیجے کے لیے ہوتا ہے۔ عبادت کا حاصل یہی ہے کہ سماج کا توازن باقی رکھا جائے، برائیوں کو پھیلنے سے روکا جائے، بھوکے کو کھانا کھلایا جائے، ننگے کو بدن ڈھانکنے کے لیے کپڑا دیا جائے، جو محتاج یا اپاہج ہوں اُن کی ضرورت پوری کی جائے تاکہ وہ بھی سکھ سے جی سکیں۔ نہ یہ کہ ہم اپنی شیطانی حرکتوں سے ننگوں بھوکوں فقیروں محتاجوں کی تعداد میں اضافہ کرتے رہیں۔

شیخ سعدی ہی نے یہ بھی کہا ہے کہ:

عبادت بجز خدمتِ خلق نیست
بہ تسبیح و سجادہ و دلق نیست

عبادت اِس کے سوا کچھ نہیں کہ اللہ کے بندوں کی خدمت کی جائے۔ عبادت یہ نہیں ہے کہ تسبیح گھما لیں یا مالا جپ لیں، یا لنگوٹ باندھ لیں، یا گدڑی پہن لیں، یا بہت سی پوجا کر لیں۔ چشتی درویشوں جیسے حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ اور حضرت نظام الدین اولیاؒ نے سرکار دربار سے کوئی تعلق

نہیں رکھا، اُن کا سیدھا سجدہ اللہ سے اور اُس کی مخلوق سے ہی رہا۔ بعض صوفیا جیسے حضرت شیخ رکن الدین ملتانیؒ سہروردی نے، دربار سے تعلق رکھا، مگر وہ بھی اِس لیے کہ بادشاہ تک غریب رعایا کی آواز پہنچا سکیں۔ وہ غریبوں اور ضرورت مندوں کی عرضیاں لے کر بادشاہ کے دربار میں جاتے تھے۔

ہمیں پرانی کتابوں اور صوفیا کے تذکروں سے یہ بات معلوم ہے کہ ان درویشوں کی خانقاہ میں لوگوں کا ہجوم رہتا تھا۔ سب کے دکھ درد کا کچھ نہ کچھ علاج کیا جاتا تھا، ساتھ ہی اُن کی سیرت اور کردار کی کچھ نہ کچھ اصلاح بھی ہو جاتی تھی۔ مگر یہ کہیں اندازہ نہیں ہوتا کہ خانقاہ میں ہجوم کرنے والے یہ ضرورت مند کون ہوتے تھے؟ کس مذہب یا کس ذات کے تھے؟۔ صوفیا یہ نہیں دیکھتے تھے کہ جو دکھی انسان اُن کے پاس آیا ہے وہ ہندو ہے یا مسلمان ہے، یا کس ذات یا برادری کا ہے۔ صوفیوں کے اِس سلوک سے لوگ اِس لیے بھی متاثر ہوتے تھے کہ شہنشاہ تک عام آدمیوں کی رسائی ممکن نہیں تھی، وہاں تو ہر امیر کو بھی بادشاہ سے بات کرنے کی اجازت نہیں تھی۔ اب عام آدمی کسی سے تو اپنا دکھ درد کہے گا، وہ مقصد ان درویشوں کی خانقاہوں میں جاکر پورا ہو جاتا تھا۔ چونکہ اُنھیں عوام میں مقبولیت حاصل تھی اس لیے بادشاہ اور اُمرا بھی اُن کا ادب اور لحاظ کرنے پر مجبور تھے۔ عوام یہ سمجھتے تھے کہ زندگی کے دو رُخ ہیں: ایک مادّی، دوسرا روحانی۔ بادشاہ کے پاس مادّی دولت اور قوت ہے، اِن درویشوں کو اللہ نے روحانی دولت اور روحانی قوت عطا فرمائی ہے۔ مادّی دولت و قوت پر زوال آتا رہتا ہے، آج یہاں ہے، کل وہاں ہے۔ مگر روحانی دولت لازوال ہے۔

یہ درویش انسانیت کی خدمت کس طرح کرتے تھے اِس کی ایک دو مثالیں عرض کرتا ہوں: ایک بار حضرت نظام الدین اولیاؒ نے راستے میں آتے ہوئے دیکھا کہ ایک عورت جمنا کے قریب کسی کنوئیں سے پانی بھر رہی ہے۔ آپ نے اُس سے سوال کیا کہ جمنا موجود ہے تو کنوئیں کا پانی کیوں پیتی ہے؟ اُس نے کہا: میرا پتی غریب آدمی ہے، اُس کی آمدنی کم ہے، جمنا کا پانی بھوک زیادہ لگاتا ہے، اِس لیے ہم کنوئیں کا پانی پیا کرتے ہیں۔ یہ جواب سن کر حضرت نظام الدینؒ کی آنکھوں میں آنسو آگئے اور انھوں نے اپنی خانقاہ میں آکر اپنے خادم اقبال سے کہا: بستی میں جاکر اُس عورت کے گھر کا پتا لگاؤ اور اُس سے پوچھو اُس کے ماہانہ خرچ میں کتنا گھاٹا رہتا ہے، اُتنی رقم ہر مہینے اُس کے گھر پہنچایا کرو اور اُس سے کہو کہ وہ جمنا کا پانی پیا کرے۔ تمام قرینے یہ بتاتے ہیں کہ وہ پانی بھرنے والی ایک ہندو عورت رہی ہوگی اور اُس پر حضرت کے اِس سلوک کا کیا اثر ہوا ہوگا یہ کہنے کی ضرورت نہیں۔

ایک بار غیاث پور گاؤں میں، جہاں اب ہمایوں کا مقبرہ ہے، آگ لگ گئی۔ مئی یا جون کا مہینا تھا، دوپہر کا وقت اور چلچلاتی دھوپ۔ آپ کو خبر ملی تو اپنی خانقاہ کی تیسری منزل پر چڑھ گئے اور غریب دیہاتیوں کے چھپروں کو شعلوں کی لپیٹ میں آکر بھڑکتے ہوئے دیر تک دیکھتے رہے۔ آگ کی تپش اور دھوپ کی تیزی سے آپ کا چہرۂ مبارک بھی انگارے کی طرح دہکتا ہوا معلوم ہو رہا تھا۔ کئی گھنٹے تک اِس عالم میں یہ دردناک منظر دیکھتے رہے اور نہایت افسردہ و رنجیدہ ہو کر اُس وقت نیچے اُترے جب آگ کے شعلے ساری بستی کو پھونک کر بیٹھنے لگے۔ اپنے خادم خواجہ اقبال کو بلا کر فرمایا: "لالا، گاؤں میں جاکر جلے ہوئے گھروں کی گنتی کرو، ہر گھر والے کو چاندی کا ایک تنکہ، ایک صراحی ٹھنڈا پانی اور دو دو روٹیاں بھجواؤ۔" جب حضرت کے خادم اقبال، مبشر، اِتّو اور خانقاہ کے دوسرے لوگ خوان سروں پر لیے ہوئے ایک ایک کے گھر پہنچے ہیں تو حضرت کا بھیجا ہوا عطیہ سر پر رکھ کر لوگ فرطِ جذبات سے رونے لگے تھے۔ اُس زمانے میں چاندی کا ایک تنکہ اتنی قیمت رکھتا تھا کہ اس سے کئی چھپر ڈلوائے جاسکتے تھے۔

حضرت خواجہ شاہ عبدالہادیؒ چشتی صابری سلسلے کے بڑے بزرگ ہیں۔ اُن کی درگاہ امروہے میں ہے۔ وہ اورنگ زیب عالمگیر کے عہد میں پیدا ہوئے تھے اور 106 سال کی عمر پاکر 1776ء میں انتقال کیا۔ انھوں نے زندگی کا بڑا حصہ دیہات اور جنگلوں میں عبادت کرتے ہوئے گزارا تھا۔ عوام سے اُن کے تعلق کی ایک جھلک دیکھیے جس سے اندازہ ہوگا کہ وہ انسانوں سے ہی نہیں جانوروں سے بھی کتنی محبت اور اُن کی خدمت کرتے تھے۔ ایک دن حضرت شاہ عبدالہادیؒ ایک کھیت سے گزر رہے تھے تو دیکھا کہ وہ بارش نہ ہونے سے سوکھا پڑا ہوا ہے اور ہری بالیاں مرجھا کر لٹک گئی ہیں۔ آپ کو یہ دیکھ کر بہت دکھ ہوا، گاؤں والوں کو بلا کر اُنھیں ہندی کے کچھ بول لکھ کر دیے اور فرمایا: اُنھیں زور زور سے گاؤ۔ بول یہ تھے:

ہم منگتا ہیں سائیں تیرے کس کن مانگن جاویں گے
برسے مینھ اب، اوپجے لتا، تیری دئی ہم کھاویں گے
نش جی ہو کر کریں بندگی، جو اُن باتن پاویں گے
آج مانگن کا داؤں ہمارا، پھر کیا لے کر نہاویں گے

حضرت کے ارشاد کی تاثیر سے کچھ ہی گھنٹوں کے بعد بارش شروع ہوگئی۔

تصوف نے ہندستان کے باشندوں کو کتنا قریب کر دیا تھا اور آپس میں محبت اور رواداری کے رشتے کیسے مضبوط کر دیے تھے اِس کی ایک دو معمولی مثالیں عرض کرتا ہوں: حضرت غوث علی شاہ قلندرؒ پانی پتی بہت بڑے درویش ہوئے ہیں۔ 1880 میں اُن کا انتقال ہوا۔ پانی پت میں مقبرہ ہے۔ پنڈت رام سکھی کی پتنی نے غوث علی شاہؒ کو اُن کے پیدا ہونے کے بعد اپنا دودھ پلایا تھا

اس لیے وہ پنڈت رام سکھی کو اپنا پتا سمجھتے تھے۔ بہت سے صوفی سلسلوں میں بیعت تھے اور گھاٹ گھاٹ کا پانی پیا تھا۔ کبھی پنڈتوں کے ساتھ بیٹھے ہیں، کبھی جوگیوں میں رَمے ہوئے ہیں، کبھی ہر کی پوڑی میں اشنان کر رہے ہیں۔ اُنھوں نے اپنے زمانے کے سیکڑوں درویشوں، سادھوؤں اور جوگیوں کی صحبت اُٹھائی تھی۔ ایک بار سیر کرتے ہوئے کوٹ تیلی (راجستھان) سے آ رہے تھے راستے میں ایک مندر پڑا۔ اُس میں ایک سادھو بہت مدھر آواز میں بھجن گا رہا تھا۔ یہ اُس کے پاس جا بیٹھے اور بھجن سنتے رہے۔ اتنے میں نماز کا وقت آگیا تو وہیں مندر میں مصلّیٰ بچھا کر نماز پڑھنے لگے۔ سادھو جی نے دیکھا تو ان سے کہا: میاں جی آپ کی طبیعت میں تو بڑی آزادی معلوم ہوتی ہے پھر یہ علت کیوں لگا رکھی ہے؟ اُنھوں نے کہا: بابا جی علت سے تو نہ تم خالی نہ ہم خالی۔ تم کو اِس پتھر کے پوجنے کی علت لگی ہوئی ہے، ہم کو نماز کی۔ تم گھنٹا بجاتے ہو ہم تسبیح ہلاتے ہیں۔ بس بے قید تو خدا کی ذات ہے ورنہ سب اپنی اپنی قید میں مبتلا ہیں۔

گجرات میں حضرت شاہ عالمؒ گجراتی کا عرس شروع ہوتا ہے تو ایک پرانے مندر سے چراغ لاکر درگاہ کے چراغ روشن کیے جاتے ہیں۔ گلبرگہ میں حضرت بندہ نواز گیسو درازؒ کے عرس کی رسمیں جھیلے سے شروع ہوتی ہیں اور مزار کے 66 گز اونچے گنبد پر پھولوں کی مالا چڑھائی جاتی ہے۔ یہ خدمت سیکڑوں سال سے ایک ہندو خاندان کے لوگ انجام دیتے ہیں۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کی درگاہ اجمیر میں، اور اُن کے خلیفہ حضرت حمید الدین صوفیؒ کی درگاہ ناگور (راجستھان) میں ہے۔ یہاں لنگر میں کبھی گوشت نہیں پکتا، صرف نمکین دلیا ہوتا ہے جسے مسلم غیر مسلم سب کھا سکیں۔ ایسی مثالیں بھی آپ کو بہت ملیں گی اور اس بات کی تصدیق کریں گی کہ یہ درویش مشترکہ تہذیب، اعلیٰ انسانی اقدار، اور مذہب کی سچی روح کے ترجمان تھے۔ حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکرؒ بہت بڑے صوفی اور درویش ہیں جن کا پنجابی کلام گورو گرنتھ صاحب میں بھی شامل ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

دَرِ درویشی گا کھڑی، چلاں دنیا بھت
بنھ اُٹھائی پوٹلی، کتھے و نجاں گھت

درویشی کی منزل بہت دشوار ہے اس پر دنیا والوں کی طرح نہیں چل سکتے، میں نے یہ گٹھری باندھ تو لی اسے لے کر کہاں جاؤں؟

کجھ نہ بُجھے، کجھ نہ سجھے، دنیا گجھی بھاہ
سائیں میرے، چنگا کیتا، نہیں تاں ہمبھی دجھاں ہا

نہ کچھ پتا چلتا ہے نہ سجھائی دیتا ہے یہ دنیا ایک چھپی ہوئی آگ ہے، میرے رب تو نے اچھا کیا کہ دنیا مجھے نہ دی ورنہ میں بھی اس میں جل جاتا۔

جنگل جنگل کیا بھوَیں، وَن کنڈا موڑیں
وسّی رب ہیالیے، جنگل کیا ڈھونڈھیں!

جنگل جنگل گھوم کر کیوں پیروں سے کانٹے توڑتا ہے، اللہ تو دل میں بسا ہے جنگل میں کیا ڈھونڈتا ہے؟

اک ناں آٹا اگلا، اکناں ناہیں لون
اگے گئے سنجا پسن چوٹا کھاسی کون!

ایک کے پاس ضرورت سے زیادہ آٹا ہے دوسرے کو نمک کی ڈلی بھی نصیب نہیں، آگے جانے والوں کو پتا چلے گا کہ سزا کس کو ملتی ہے۔

میں جانیا دُکھ مجھی کو، دکھ سبھائے جگ
اُچے چڑھ کے دیکھیا تاں، گھر گھر ایہا اگ

میں سمجھتا تھا کہ مجھی کو دکھ ہے، مگر ساری دنیا دکھی ہے۔ ذرا اونچے اُٹھ کر دیکھا تو گھر گھر یہی آگ لگی ہوئی ہے!

اپنے پیر و مرشد حضرت بابا فریدؒ کے بارے میں حضرت نظام الدین اولیاؒ نے فرمایا: شیخ کا معاملہ ہی اور تھا، اُنھوں نے خلق کو ترک کر کے ویرانے کو اختیار کیا تھا، یعنی دہلی چھوڑ کر اجودھن میں جا بسے تھے، اور درویشوں کی زنبیل کی روٹی پر یا جو چیزیں اُس علاقے کے جنگلوں میں اُگتی ہیں جیسے پیلو، ڈیلے وغیرہ، اُن پر قناعت کر لی تھی۔ اس کے باوجود خلقت تھی کہ دیوانہ وار ٹوٹی پڑتی تھی۔ خانقاہ کا دروازہ آدھی رات کے بعد بند ہوتا تھا، ورنہ ہر وقت کھلا رہتا تھا۔ کوئی شخص اُن کی خدمت میں ایسا نہیں آتا تھا جسے کچھ مرحمت نہ فرماتے ہوں۔ اگر شیخ کی خدمت میں کوئی ایسا شخص آتا تھا جو پہلے کبھی نہ آیا ہو، اور دوسرا وہ شخص موجود ہوتا جو برسوں کا حاضر باش ہو، تو آپ بات چیت میں دونوں کے ساتھ برابر کا برتاؤ کرتے تھے اور دونوں پر آپ کی مہربانی یکساں ہوتی تھی۔ بابا صاحب کی مبارک زندگی کا ایک ایک لمحہ عام انسانوں کی خدمت میں گزرتا تھا۔ قاضی حمید الدین ناگوریؒ کے ایک پوتے شرف الدین تھے، ناگور (راجستھان) میں رہتے تھے۔ وہ اس خیال سے کہ بابا صاحبؒ کے مرید ہو جائیں، ناگور سے روانہ ہوئے۔ اُن کے پاس ایک باندی تھی جو اُنھوں نے سو تنکوں میں خریدی تھی۔ چلتے وقت اُس باندی نے کہا کہ آپ حضرت بابا صاحبؒ سے اپنی باندی کا سلام بھی کہہ دیں۔ اُس نے اپنے ہاتھ سے بُنی ہوئی ایک دستار بھی دی کہ یہ میری طرف سے شیخ کی خدمت میں پیش کر دیں۔ قاضی شرف الدین اجودھن آئے اور شیخ کی خدمت میں باریاب ہوئے، تو بیٹھے بیٹھے اچانک دھیان آیا کہ میری باندی نے بھی حضرت کی خدمت میں سلام بھیجا تھا۔ عرض کیا: "مخدوم، میری ایک باندی

ناگور میں ہے اُس نے بھی آپ کو سلام کہلا بھیجا تھا اور یہ دستار آپ کے لیے بھیجی تھی۔" باباصاحبؒ نے فرمایا: "اللہ اُس کو آزاد کرے۔" زبان مبارک سے یہ الفاظ نکلے تو قاضی شرف الدین نے باباصاحبؒ کی مجلس سے باہر آکر سوچا کہ شیخ نے اُسے آزادی کی دعا دی ہے تو وہ ضرور آزاد ہو جائے گی، مگر قیمتی باندی ہے، میں اُسے فروخت کروں تو خریدنے والا ممکن ہے اُسے آزاد کردے۔ پھر خود ہی یہ سوچا کہ اگر باندی کسی دوسرے کے گھر جاکر آزاد ہوگی تو اس کا ثواب بھی آزاد کرنے والے کو ملے گا، یہ ثواب دوسرا کیوں پائے؟ میں ہی کیوں نہ حاصل کروں؟ یہ سب سوچ کر پھر باباصاحبؒ کی خدمت میں واپس آئے اور عرض کیا: "مخدوم کے صدقے میں اُس باندی کو میں اسی وقت آزاد کرتا ہوں۔" باباصاحبؒ نے خوش ہو کر فرمایا: "اللہ تمھیں اس کی جزا دے!" یہ باباصاحبؒ کی روزمرہ زندگی کے واقعات میں سے ایک معمولی سا واقعہ ہے۔ لیکن ذرا غور فرمائیں تو بعض اہم پہلو روشن ہوں گے۔ اولاً یہ کہ اُس باندی نے سلام عقیدت کہلا کر بھیجا تو باباصاحب نے اُسے محض ایک عقیدت مند کا سلام نہیں سمجھا، اُس کی پوری معنویت کو اپنی ایمانی فراست یا کشف و کرامت سے سمجھ لیا۔ اس سلام کا آپ کے دل پر اثر ہوا، جو کسی کا دکھ درد، مجبوری یا بے کسی، تکلیف یا احتیاج دیکھ کر نہایت گہرا تاثر قبول کرتا تھا۔ آپ نے قاضی شرف الدین سے اُس کے احوال کے بارے میں کوئی پوچھ تاچھ بھی نہیں کی، نہ اُن سے یہ فرمایا کہ تم اُس کو آزاد کردو۔ صرف اُس باندی کے حق میں آزادی کی دعا مانگی، اور زبانِ مبارک سے نکلے ہوئے الفاظ نے قاضی شرف الدین کو مجبور کردیا کہ وہ اُسے فوراً آزاد کردیں۔ درماندہ اور مجبور بندوں کی دستگیری اور امداد کرنے میں ان بزرگوں کے عظیم کارنامے ایسے ہی ہیں کہ ظاہر میں گویا کچھ نہیں ہو رہا ہے، مگر نفوذ اور تاثیر ایسی گہری کہ اُس کا سرسری نظر میں اندازہ نہیں لگایا جاسکتا۔

اُن کی دعا تو دعا تھی، خود باباصاحبؒ نے فرمایا کہ "چالیس سال تک بندۂ مسعود نے وہ کیا جو اللہ چاہتا تھا، اب اللہ وہ کرتا ہے جو بندۂ مسعود چاہتا ہے۔" اُن کے نام میں وہ تاثیر پیدا ہو گئی تھی۔ خواجہ جہاں احمد ایاز عہدِ محمد بن تغلق کا بہت بڑا امیر تھا، وزیر اعظم بھی رہا تھا۔ حضرت برہان الدین غریبؒ ہانسوی نے اپنی ایک مجلس میں بیان فرمایا کہ احمد ایاز کو پتھری کی شکایت ہو گئی تھی۔ دو تین دن سخت تکلیف رہی اور پیشاب نہیں ہوا۔ اُس نے حضرت نظام الدینؒ کی خدمت میں دعا کے لیے درخواست بھیجی، اُنھوں نے پانی پر کچھ دم کر کے دے دیا۔ اللہ کے فضل سے فوراً آرام ہو گیا اور پتھری بھی پیشاب میں نکل گئی۔ کسی نے حضرت نظام الدینؒ سے پوچھا: آپ نے کون سی دعا پڑھ کر پانی پر دم کی تھی؟ حضرت نے مسکرا کر فرمایا: کوئی دعا نہیں تھی، میں نے تین بار اپنے شیخ کا نام لے کر پانی پر دم کردیا تھا، یہ اُس کی برکت تھی!۔

اجودھن میں دو بھائی تھے، دونوں لشکری تھے، یا سرکاری دفتر میں کلرک تھے۔ ایک بھائی کو جس کا نام محمد شاہ غوری تھا، ذکر و شغل کا ذوق پیدا ہوا تو اُس نے نوکری سے استعفادے دیا اور بیوی بچوں کی دیکھ بھال اپنے بھائی کے سپرد کردی۔ خود حضرت باباصاحبؒ کی خدمت میں آکر اُن کا مرید ہو گیا، اور خانقاہ میں رہنے لگا۔ کچھ دنوں کے بعد اُس کا بھائی سخت بیمار ہوا، بچنے کی کوئی امید نہ رہی۔ یہ زار زار روتا ہوا باباصاحبؒ کی خدمت میں آیا۔ حضرت نے پوچھا: کیا ہوا؟ کیوں پریشان ہو؟ عرض کیا: میرا بھائی میرے گھر کی دیکھ بھال کر رہا تھا اور میں دل جمعی سے ذکر و شغل میں لگا ہوا تھا۔ اب وہ مر رہا ہے، اُسے نزع کے عالم میں چھوڑ کر آیا ہوں، اب مجھ سے عبادت و ریاضت نہ ہو سکے گی۔ بیوی بچے کہیں گے ہمارے کھانے کو لاؤ تو مجھے فکرِ معاش میں سرگرداں پھرنا پڑے گا۔ باباصاحبؒ نے فرمایا: "محمد شاہ، جو کیفیت اِس وقت تمھاری ہے، اللہ کی محبت میں میرا ہمیشہ یہی حال رہتا ہے، مگر میں کسی سے کہتا نہیں۔ جاؤ تمھارا بھائی چنگا ہے کھاٹ پر بیٹھا حریرہ پی رہا ہے۔" محمد شاہ نے گھر آکر دیکھا تو بھائی کو سنبھلا ہوا پایا۔

باباصاحبؒ اپنی خانقاہ میں آنے والوں کو روحانی اور اخلاقی تعلیم بھی سیدھی سادی عوامی زبان میں دیتے تھے اور ان کی تربیت کرتے تھے۔ وہ پنجابی زبان کے پہلے شاعر ہیں جن کا کلام ہم تک پہنچا ہے۔ دیکھیے یہ تعلیم دے رہے ہیں کہ انسان کو دور اندیشی سے کام لینا چاہیے، کل کے لیے آج تیاری کرنی چاہیے۔ وہ کل اس دنیا کی زندگی کی بھی ہوسکتی ہے اور مرنے کے بعد آخرت کی زندگی پر بھی یہ لاگو ہوتی ہے:

بیڑا بندھ تاسا کیو بندھن کی بیلا
بھر سرور جب اُوچھلے تب ترن دوہیلا

جن لوگوں کی روزمرہ زندگی کے کاروبار دریائی سفر سے جڑے ہوں وہ اس تشبیہ کو پوری طرح سمجھ سکتے ہیں اور اُن پر اس کا بھرپور اثر بھی ہوسکتا ہے۔ ایک ایسے معاشرے میں جہاں دولت سمٹ کر چند ہاتھوں میں ہو وہاں عام آدمی کو خودداری اور عزتِ نفس کی تعلیم اِن لفظوں میں دیتے ہیں:

روکھی سوکھی کھائے کے ٹھنڈا پانی پی
دیکھ پرائی چوپڑی مت للچائے جی
روٹی میری کاٹھ دی لاون میری بھکھ
جنھاں کھاندے چوپڑی گھنے سہیں گے دکھ

اب ذرا یہ بھی دیکھ لیں کہ اِن درویشوں کی تعلیم کیا تھی اور عام انسانوں کی سیرت و اخلاق اور روزمرہ کے معاملات پر اُن کا کیسا اثر ہوتا تھا۔

حضرت نظام الدین اولیا کو مرید کرنے کے بعد بابا صاحبؒ نے پہلی نصیحت یہ کی تھی کہ حقدار کو اُس کا حق دینا چاہیے۔ غور کیجیے تو سماجی تعلقات میں 98فی صد جھگڑے اِسی لیے ہیں کہ ایک شخص دوسرے کا حق مار لیتا ہے۔ اگر صرف اِسی ایک نصیحت پر ہر شخص سچے دل سے عمل کرنے لگے تو شاید پولیس کے محکمے کی ضرورت ہی باقی نہ رہے۔ وہ کہتے ہیں کہ علم سے زیادہ ضروری عمل ہے، اِسی لیے صوفیا نے کتابیں لکھنے یا منبر پہ چڑھ کر وعظ کرنے سے زیادہ مفید اور ضروری یہ سمجھا کہ عمل کر کے دکھایا جائے۔ تیسری تعلیم ترکِ دنیا کی ہے، مگر یہ خاص لوگوں کے لیے ہے جو اللہ کی محبت کے راستے میں قدم رکھتے ہیں۔ عام آدمی کے لیے اس کا مطلب غلط سمجھا جاتا ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ دنیا کمائے، کھائے، کھلائے، اپنی اور دوسروں کی ضرورت پر خرچ کرے، مگر اُسے حرام اور ناجائز طریقوں سے دوسروں کا حق مار کر اندھا دھند نہ کمائے اور اِس مالِ دنیا کی اُس کے دل میں محبت نہ ہو۔ چوتھی تعلیم نفس کشی کی ہے۔ یعنی اپنے آپ کو کچھ سمجھنا، میں یہ کرلوں گا، میں وہ کردوں گا۔ اِسی سے سماجی رشتوں میں ٹکراؤ پیدا ہوتا ہے، اور یہ "میں" ہی آدمی کو کٹھور، سنگدل، بے رحم اور خود غرض بنا دیتا ہے۔ درویشوں کی تعلیم کی روح یہ ہے کہ آدمی کٹھور نہ ہو، دوسروں کے دکھ کو بھی محسوس کرسکے۔ صوفیا اِسی "میں" کو مارنے کے لیے ریاضتیں اور مجاہدے کرتے ہیں۔ انسان ہر دور میں بے رحم اور کٹھور رہا ہے، آج علم کی روشنی اتنی پھیل چکی ہے مگر کٹھورتا میں کمی نہیں آئی۔ بابا صاحبؒ نے فرمایا کہ دشمنوں کو خوش کرنا چاہیے۔ حضرت نظام الدین اولیؒا نے فرمایا: اگر کوئی ہمارے راستے میں کانٹے بچھاتا ہے اور ہم بھی جواب میں کانٹے بچھادیں تو ہر طرف کانٹے ہی کانٹے نظر آئیں گے۔ بہتر یہ ہے کہ کوئی کانٹے بچھاتا ہے تو ہم پھول بچھائیں، اُس کا شر خود ختم ہو جائے گا۔ تصوف کا حاصل یہ ہے کہ دل میں نرمی اور گداز پیدا ہو، عبادت میں دکھاوا نہ ہو، اخلاص ہو، اپنے اعمال کی خود نگرانی کرتا رہے۔ یہ یقین رکھے کہ رزق کا وعدہ اللہ نے کیا ہے اور اُس کا وعدہ جھوٹا نہیں ہو سکتا۔ اس لیے روزی کمانے میں حرام اور ناجائز ذریعے اختیار نہ کرے، اِسی کا نام توکل ہے۔ مال ہو تو اُسے اپنے اوپر خرچ کرے، اپنے خرچ سے زیادہ ہو تو دوسروں کی ضرورت پوری کرے۔ حضرت نظام الدینؒ نے فرمایا کہ مال میں اگر کوئی راحت ہے تو اُس کے جانے میں ہے آنے میں نہیں۔ اِس کو مثال میں یوں کہیے کہ اگر آپ موٹر میں سفر کرنا چاہتے ہیں، یا اچھے بنگلے میں رہنا چاہتے ہیں، تو جب تک روپے خرچ نہ کریں گے نہ موٹر مل سکتی ہے، نہ بنگلہ بن سکتا ہے۔ جمع کرنے کے لیے سونا اور پتھر برابر ہیں، اس لیے کہ سونا اگر خرچ نہیں ہو رہا ہے تو وہ بھی پتھر کی طرح بے فیض ہے، بس اُسے دیکھ دیکھ کر خوش ہوتے رہیے۔ حضرت نظام الدینؒ نے ہی یہ بھی فرمایا کہ اگر کسی شخص کا ستارہ عروج پر ہے اور دولت آرہی ہے تو خوب خرچ کرے کبھی نہیں گھٹے گی۔ اگر ستارہ زوال پر ہے اور دولت ہاتھوں سے جارہی ہے، تب بھی خوب خرچ کرے کیوں کہ اُسے تو جانا ہے، بجائے اس کے کہ دوسروں کے ہاتھوں سے اور ہماری ناخوشی سے خرچ ہو، خود ہم ہی اپنے ہاتھوں سے خوشی خوشی کیوں نہ خرچ کردیں۔

□□□

P.O. Box No. 9723,
Jamia Nagar, New Delhi-110025

"اردو دنیا" اور "فکر و تحقیق" کے سالانہ خریدار بنیں

"**اردو دنیا**" اردو کے حال اور مستقبل کا آئینہ ہے --- خود بھی مطالعہ کریں اور اپنے احباب کو بھی اس کے مطالعے کی ترغیب دیں سالانہ قیمت سو روپے بذریعہ ڈرافٹ، منی آرڈر یا چیک
National Council for Promotion of Urdu Language, New Delhi
کے نام درج ذیل پتے پر روانہ کریں:
(دہلی سے باہر کے لوگ 110 روپے کا چیک بھیجیں)

ماضی کی علمی بازیافت اور حال کی علمی فتوحات سے واقفیت کے لیے "**فکر و تحقیق**" کا مطالعہ کریں۔ سالانہ قیمت 100 روپے
بذریعہ ڈرافٹ، منی آرڈر یا چیک
National Council for Promotion of Urdu Language, New Delhi
کے نام درج ذیل پتے پر روانہ کریں:
(دہلی سے باہر کے لوگ 110 روپے کا چیک بھیجیں)

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان
ویسٹ بلاک 8، ونگ 7، آر کے پورم، نئی دہلی 110066

معین الدین خاں

پرنٹ میڈیا میں غیر ملکی سرمایہ کاری

جون 2002ء کو وزیر اطلاعات و نشریات محترمہ سشما سوراج نے حکومتِ ہند کے ایک تاریخ ساز فیصلے کا اعلان کرتے ہوئے کہا کہ مرکزی کابینہ نے پرنٹ میڈیا میں محدود پیمانے پر غیر ملکی راست سرمایہ کاری کی اجازت دے دی ہے۔ غیر ملکی سرمایہ کار براہ راست اخبارات اور حالاتِ حاضرہ سے متعلق رسائل میں 26 فیصد اور تکنیکی اور طبّی (Technical Medical) جرائد میں 74 فیصد تک سرمایہ کاری کر سکیں گے۔ 1955ء میں نہرو کابینہ نے پرنٹ میڈیا میں غیر ملکی سرمایہ کاری پر پابندی لگا دی تھی۔ اس کے بعد سے یہ سلسلہ اب تک جاری رہا ہے۔

پہلے پریس کمیشن 1954ء کی سفارشات پر 4 مئی 1955ء کو وزارتِ اطلاعات و نشریات نے غور و خوض کیا اور مسئلے پر فیصلہ کرنے کی سفارش مرکزی کابینہ سے کی۔ 30 دسمبر 1955ء کو نہرو کابینہ نے اس معاملے کے مختلف پہلوؤں پر غور کرنے کے بعد پرنٹ میڈیا میں غیر ملکی سرمایہ کاری پر پابندی لگانے کے لیے قرارداد پاس کی تھی۔ تب سے یہ پابندی مستقل عائد رہی ہے۔ 1991ء میں نئی اقتصادی پالیسی کے تحت معیشت کے مختلف شعبوں میں غیر ملکی سرمایہ کاری کی اجازت دی جانے لگی۔ اسی اثنا میں سیارچوں کی مدد سے غیر ملکی ٹیلی ویژن نشریات بھی بلا روک ٹوک یہاں دیکھی جانے لگیں۔ اگلے چند برسوں میں جب دُنیا کے کئی بڑے ٹیلی ویژن نشریاتی ادارے یہاں قدم جمانے لگے تو لامحالہ یہ بحث چھڑی کی کہ حکومتِ ہند پرنٹ میڈیا میں غیر ملکی راست سرمایہ کاری کی اجازت کیوں نہیں دے رہی ہے، جب کہ کئی غیر ملکی ٹیلی ویژن نشریاتی ادارے صد فیصد ہندستان میں سرمایہ کاری کر رہے ہیں۔ وقتاً فوقتاً ذرائع ابلاغ میں اس مسئلے پر غور و فکر کیا جاتا رہا، اور اسی بحث و مباحثے میں ذرائع ابلاغ سے وابستہ افراد و ماہرینِ تعلیم، سیاستداں اور زندگی کے دوسرے شعبوں کے ماہرین بھی حصہ لینے لگے۔ لیکن شرکائے بحث کبھی کسی نتیجے پر نہیں پہنچ پائے۔ گذشتہ سال اس معاملے کو پارلیمانی اسٹینڈنگ کمیٹی برائے اطلاعاتی ٹکنالوجی کے حوالے کر دیا گیا اور اس نے فروری 2002ء میں غیر ملکی سرمایہ کاری کے خلاف اپنی رائے (حق میں دس اور مخالفت میں سولہ) دی۔ لیکن باجپئی کابینہ نے اس فیصلے کو ردّ کرتے ہوئے غیر ملکی سرمایہ کاری کی اجازت دی ہے۔

اس فیصلے کی رو سے ہندستانی اخبارات اور حالاتِ حاضرہ پر مشتمل رسالوں میں 26 فیصد تک براہ راست غیر ملکی سرمایہ کاری کی جا سکتی ہے۔ لیکن کوئی بھی غیر ملکی سرمایہ کار خود سے اخبار یا رسالہ شائع نہیں کر سکے گا بلکہ یہ کام اُسے مشترکہ سرمایہ کاری (Joint Venture) کے تحت ہی انجام دینا ہوگا اور اس صورت میں مینجمنٹ بورڈ کے تین چوتھائی ممبران رہائشی ہندستانی ہوں گے، اور اداراتی بورڈ کے سبھی اہم عہدوں پر ہندستانی ہی فائز ہوں گے۔ مالکانہ حقوق سمیت سرمایہ کاری سے متعلق سبھی اہم فیصلوں کے لیے وزارتِ داخلہ کی منظوری لازمی ہوگی۔ یہاں اس بات کی بھی صراحت کی گئی ہے کہ 26 فیصد غیر ملکی راست سرمایہ کاری کی صورت میں کم سے کم ایک ایسا ہندوستانی شہری سرمایہ کار ضرور ہوگا جو خود 26 فیصد سے زیادہ سرمایہ کاری کرے تاکہ وہ اکیلے ہی

اردو پرنٹ میڈیا میں غیر ملکی سرمایہ کاری؟

زیادہ تر اردو اخبارات و رسائل کا کاروبار نجی ہاتھوں میں ہے اور روبن جیفری کے مطابق "ہندستان سے شائع ہونے والے بیش تر بڑے اخبارات کے برعکس اردو اخبارات کی منفعت کا ذریعہ فروخت ہی ہے۔" لیکن سخت مقابلہ آرائی کے دور میں منافع کمانے کے لیے صرف قارئین کی جیب ہی کافی نہیں ہے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ پرنٹ میڈیا زیادہ سے زیادہ اشتہار حاصل کرے۔ مشتہرین انھی اخباروں کو اشتہارات دیتے ہیں جن کے قارئین آسودہ حال اعلیٰ طبقے سے تعلق رکھتے ہوں، لیکن اردو قارئین کی ایک بڑی تعداد کا تعلق نچلے طبقے سے ہے (اور جو مسلمان صاحب ثروت ہیں وہ اردو اخبارات و رسائل کے خریدار بننے سے کتراتے ہیں)۔ پھر اردو اخبارات و رسائل کی تعداد و اشاعت بھی محدود ہے۔ چند بڑے شہروں کے اخباروں کو چھوڑ دیں تو چھوٹے اخباروں کو وہاں بھی کوئی نہیں جانتا جن شہروں سے یہ چھپتے ہیں۔ اس صورتِ حال میں مشتہرین "برانڈ بنانے" اور سامان فروخت کرنے کے لیے اردو اخباروں کی طرف رجوع نہیں کرتے۔

جدید ٹکنالوجی کو اپنائے بغیر اخباری کاروبار کو ترقی دینا مشکل کام ہے، اور یہ کام بڑی سرمایہ کاری کے بغیر تقریباً ناممکن ہے، لہٰذا سوال یہ ہے کہ سرمایہ کہاں سے آئے؟ کیا اردو پرنٹ میڈیا میں محض 26 فیصد بیرونی راست سرمایہ کاری سے اس کے دن پھر سکتے ہیں؟ اور بھلا یہاں پیسہ کون لگائے گا؟

در اصل اس بیرونی سرمایہ کاری سے وہی اردو اخبارات فائدہ اُٹھا سکیں گے جو اپنا ایک مستحکم کاروباری نظام رکھتے ہیں اور جو خود ملک میں کثیر سرمایہ کاری کے لیے افراد یا اداروں سے سمجھوتہ کر سکتے ہیں۔ اس لیے یہ ضروری ہوگا کہ اردو پرنٹ میڈیا پہلے اندرونِ ملک سرمایہ کاری کے لیے اقدامات کرے۔ تب ہی کچھ بیرونی سرمایہ کاری کی امید کی جا سکتی ہے۔ اب تو سماجی علوم کے جرائد بھی کم ہوتے جا رہے ہیں۔ لہٰذا اردو پرنٹ میڈیا کو پہلے "اپنی مدد آپ" کا لائحہ عمل بنانا ہوگا۔

اہم تجارتی فیصلے لیتے وقت غیر ملکی سرمایہ کار کے ہم پلہ یا اس سے زیادہ طاقت ور ہو۔ جہاں حکومت نے اخبارات میں 26 فیصد غیر ملکی سرمایہ کاری کی اجازت دی ہے وہیں اس نے ہندستانی خبر رساں ایجنسیوں میں غیر ملکی سرمایہ کاری پر حسبِ سابق پابندی بر قرار رکھی ہے لیکن ملک میں تکنیکی اور طبی اطلاعات کی خوب خوب نشرواشاعت کے لیے بیرونی سرمایہ کاری پر کافی زور دیا گیا ہے، اور اس شعبے میں 74 فیصد تک بیرونی سرمایہ کاری کی اجازت ہے۔

مرکزی حکومت کے اس فیصلے کے خلاف اور اس کے حق میں متعدد دلیلیں دی گئی ہیں۔ دراصل یہ معاملہ اتنا پے چیدہ اور متنازعہ فیہ رہا ہے کہ خود میڈیا سے وابستہ افراد— صحافی اور پریس مالکان—اور مختلف طرزِ فکر کے سیاستداں بھی ایک رائے نہیں بنا سکے اور بعض حلقوں نے تو الگ الگ مواقع پر الگ الگ رائے پیش کی ہے۔

اکثر و بیشتر غیر ملکی سرمایہ کاری کے خلاف یہ دلیل دی گئی ہے کہ اس سے ہندستان کا سیاسی نظام، ملک کی سالمیت اور خود مختاری پر آنچ آسکتی ہے کیوں کہ غیر ملکی سرمایہ کار ہندستانی معاملات میں دخل اندازی کر سکتا ہے اور ملک کے قومی مفادات، اس کے تجارتی مفادات سے متصادم ہونے کی صورت میں وہ اپنے مفادات کو فوقیت دے گا۔ مزید اس بات کا بھی خدشہ ظاہر کیا جارہا ہے کہ غیر ملکی سرمایہ کار کی شکل میں وطن دشمن عناصر بھی سرمایہ کاری کر سکتے ہیں اور منافع کمانے کے ساتھ ملکی مفادات کو نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ حکومت نے ان سبھی معاملات پر غور و خوض کیا ہے اور اسی وجہ سے غیر ملکی سرمایہ کاری کے لیے وزارتِ داخلہ سے پیشگی منظوری کو لازمی قرار دیا گیا ہے۔ یہاں یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ ملک میں ایک دہے سے درجنوں غیر ملکی چینل، جو صد فیصد بیرونی سرمایہ کاری پر منحصر ہیں، پروگرام نشر کر رہے ہیں۔ واضح رہے کہ ٹیلی ویژن کی رسائی 75 فیصد آبادی تک ہے جب کہ پرنٹ میڈیا تک 16 فیصد آبادی ہی کی دسترس ہے۔ پھر 1996 سے یہاں پر انٹرنیٹ کی سہولت سب کو مہیا ہے۔ اس پس منظر میں یہ کہنا کہ محض پرنٹ میڈیا میں غیر ملکی سرمایہ کاری سے ہندستانی مفادات متاثر ہوں گے، کوئی بہت سنجیدہ بیان نہیں لگتا ہے لیکن سرِ دست اس کے متعلق کچھ وثوق سے نہیں کہا جا سکتا اور اس بات کا تعین بھی مشکل ہے کہ یہ بیرونی سرمایہ کار کس طرح اور کس حد تک اپنی مقصد براری کر سکیں گے۔ لیکن حکومت کو اس سلسلے میں چاق و چوبند رہنے کی ضرورت ہے اور ان کے ذریعے کی گئی سرمایہ کاری پر سخت نظر رکھنی ہوگی، خاص کر اس وقت جب ملک کی سیاسی فضا بہت تیزی سے بدل رہی ہو۔ بہت سے تجزیہ کاروں کا ماننا ہے کہ پرنٹ میڈیا، بصری میڈیا (Visual Media) کے کام کاج پر نظر رکھ سکتی ہے اور اس کی غلطیوں کی نشاندہی کر سکتی ہے اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ اس کی کمیوں کا ازالہ کر سکتی ہے مگر حکومت کے حالیہ فیصلے سے خود پرنٹ میڈیا کی شاخ متاثر ہوگی۔

بڑے بڑے اخبارات نے بھی حکومت کے فیصلے کی خلاف اپنی رائے دی ہے۔ وہ ہر حال میں غیر ملکی سرمایہ کاری کے خلاف ہیں۔ مگر اس کے حامیوں کا خیال ہے کہ قومی مفادات کی دُہائی دینے والے بیشتر اخبار دراصل اپنے مفاد کو پیش نظر رکھ رہے ہیں کیوں کہ وہ مقابلے سے کترا رہے ہیں۔ روزنامہ Business Standard کے مدیر ٹی۔این۔نینان کا کہنا ہے کہ قارئین اور مشتہرین نے حکومت کے فیصلے کے خلاف آواز نہیں اُٹھائی ہے۔ دراصل مخالفت کرنے والے بیشتر بڑے بڑے اخبار ہیں۔ دُنیا کے سب سے بڑے انگریزی اخبار دی ٹائمز آف انڈیا (The Times of India) کے مدیر دلیپ پڈگاؤنکر کے مطابق ملک کے 50 بڑے اخباروں میں سے 34 اخبارات، جن کے قارئین کی تعداد کل اخباری قارئین کی تعداد کی 76.3 فیصد ہے، نے اس سرکاری فیصلے کی مخالفت کی ہے۔ واضح رہے کہ ہندستان میں یومیہ اخباروں کی تعداد 1999 کے اعداد و شمار کے مطابق 5157 ہے۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ یہاں کے بڑے اخبارات چھوٹے اخبارات کو مقابلے میں اترنے سے دور رکھنا چاہتے ہیں، خاص کر اس وقت جب بڑے بڑے اخبارات مقامی ایڈیشن شائع کر کے اپنی تعداد اشاعت کو دن دونی رات چوگنی بڑھا کر اپنی اجارہ داری کو مستحکم کرنے میں لگے ہیں؟ آج 30 صفحے کا اخبار محض ایک روپے پچاس میں دستیاب ہے جب کہ اس کے اشاعت پر کم از کم سات روپے کا صرفہ آتا ہے۔ اخبارات اپنا بیشتر خرچ اشتہار کی آمدنی سے پورا کرتے ہیں۔ اب اس کی مقابلہ آرائی چھوٹے اخبارات جن کی قیمت دو روپے سے زیادہ ہے اور جو محض 12 تا 16 صفحے کے ہوتے ہیں، کہاں تک کر پائیں گے؟ چھوٹے اخبارات زیادہ اشتہار حاصل کرنے میں بھی ناکام ہیں اور اس طرح وہ کم آمدنی کی وجہ سے جدید ترین ٹکنالوجی اپنانے سے قاصر ہیں۔

ملکی اخباروں کی بڑھتی ہوئی اجارہ داری کے ساتھ اس سوال پر بھی دھیان دینے کی ضرورت ہے کہ غیر ملکی سرمایہ کاری سے بیرونی اجارہ داری میں اضافہ تو نہیں ہوگا۔ حقیقتِ حال یہ ہے کہ جب پرنٹ میڈیا کے ایک ادارے میں 74 فیصد ہندستانی سرمایہ کاری ہوگی تو 26 فیصد غیر ملکی سرمایہ کاری کی کوئی خاص اہمیت نہیں ہوگی۔ البتہ اس بات کا خدشہ ضرور ہے کہ اس سے ملکی اخباروں کی اجارہ داری میں اضافہ ہو سکتا ہے کیوں کہ بڑے بڑے اخبارات ہی بیرونی سرمایہ کاری حاصل کرنے میں کامیاب ہوں گے، اور خاص کر وہ اخبارات جو منافع کما رہے ہیں۔ لیکن بیرونی سرمایہ کاری کے

ایک ماہر کا خیال ہے کہ اس بات کی توقع بہت کم ہے کہ غیر ملکی سرمایہ کار بڑی تعداد میں اس شعبے میں سرمایہ کاری کریں گے۔ اس لیے یہ اُمید کرنا کہ غیر ملکی سرمایہ کاری سے ایک صحت مند مقابلہ آرائی کی فضا تیار ہوگی اور خبروں اور تجزیوں میں مزید وسعت اور گہرائی آئے گی، بعید از قیاس معلوم ہوتا ہے۔

آج گلوبلائزیشن کے دور میں غیر ملکی سرمایہ کاری عام بات ہے۔ پرنٹ میڈیا نے خود اس عمل کو معیشت کے سبھی شعبوں کے لیے ضروری قرار دیا ہے لیکن یہ بات عجیب ہے کہ وہ خود کو اس عمل سے الگ رکھنا چاہتا ہے، حالاں کہ کسی کے لیے بھی اس عمل سے اچھوتا رہنا تقریباً ناممکن ہو گیا ہے۔ ماہر علم سیاسیات نیرا چنڈوکے کا کہنا ہے کہ "اگر کوئی ایک چیز ہم نے گلوبلائزیشن کے متعلق سیکھی ہے تو یہ کہ اس عمل سے کوئی نہیں بچ سکتا.... کسی کے لیے بھی گلوبلائزیشن کی بے رحم دوڑ سے نجات ممکن نہیں، نہ ہی چھوٹا کسان کو جو مونگ پھلی یا کپاس کی کاشت کرتا ہے، نہ ہی ماہر تعلیم کو جو خود اپنے معاشرے کو سمجھنا چاہتا ہے، نہ ہی ایک صارف کو جو ایک میوزک سسٹم خریدنا چاہتا ہے، اور بے شک نہ ہی آزاد منڈی کے طرف دار کو.... تب اس اصول سے پرنٹ میڈیا کو کیوں مستثنیٰ قرار دیا جائے؟ کیا اسے مزید مسابقتی اور ذی استعداد نہیں ہونا چاہیے؟" اور یہی وجہ ہے کہ وزیر اطلاعات و نشریات نے اس فیصلے کو منطقی نتیجہ بتایا۔ اب وہ زمانہ نہیں جو 1955ء کا تھا۔ زندگی کے ہر شعبے میں زبردست تبدیلیاں رونما ہوئی ہیں۔ اب کون خود کفالت کی بات کرتا ہے۔ اس صورت حال میں پرنٹ میڈیا اپنے آپ کو ہمیشہ کے لیے الگ تھلگ (Insulate) کر کے نہیں رکھ سکتا۔ غیر ملکی سرمایہ کاری نے ہندستانی پرنٹ میڈیا کے سامنے ایک چیلنج پیش کیا ہے کہ وہ عالمی مقابلے کے لیے خود کو تیار کرے کیوں کہ دیر سویر اسے اس مقابلے میں شامل ہونا ہی ہوگا۔

حقیقتِ حال یہ ہے کہ ہندستانی پرنٹ میڈیا عالمی ذرائع ابلاغ سے کٹ کر کبھی نہیں رہی ہے، اس نے بیشتر غیر ملکی خبروں کے لیے بیرونی خبر رساں ایجنسیوں پر انحصار کیا ہے۔ مزید بر آں کئی اخبار تو غیر ملکی اخباروں کے تجزیے اور تبصرے بھی من و عن شائع کرتے رہے ہیں۔ اس طرح ہمارے اخبارات و رسائل پہلے ہی سے مقابلے کے لیے تیار ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ یہ خدشہ بھی ظاہر کیا جا رہا ہے کہ بیرونی سرمایہ کاری کے نتیجے میں ہندستانی اخبارات و رسائل بھی اپنے سماجی مشن اور نصب العین سے روگردانی نہ کرنے لگیں۔

ہر ملک کے ذرائع ابلاغ اپنے معاشرے کا نامیاتی حصہ ہوتے ہیں۔ اسے اپنے ملک کی ضرورتوں کا خیال رکھنا چاہیے۔ لیکن جب بیرونی سرمایہ کار اپنا سرمایہ لگائے گا تو اس کے سارے فیصلے مالی منفعت کے پیشِ نظر ہوں گے۔ وہ سماجی اور اخلاقی بندشوں سے آزاد ہوگا۔ اور پھر یہ بھی ممکن ہے کہ اس سے ملک کے تعلیمی، دانشورانہ، اور ثقافتی شعبوں میں اُتھل پُتھل ہو۔ اس خدشے کا جواز یہ ہے کہ آج بیشتر ٹیلی ویژن نشریاتی ادارے اپنے سستے تفریحی پروگراموں سے ناظرین کی ایک بڑی تعداد کو اپنا گرویدہ بنانے میں لگے ہوئے ہیں۔ بے شک نشریاتی اداروں کو اپنے ناظرین کے ذوق کا خیال رکھنا چاہیے لیکن اس کے ساتھ ہی انھیں ایک صحت مند ذوق کی آبیاری بھی کرنی چاہیے۔ یہ سوال آج اس لیے بھی اہم ہو گیا ہے کہ بصری میڈیا (Visual Media) کی طرح ہندستانی پرنٹ میڈیا بھی حالیہ چند برسوں سے اپنی قومی ذمہ داریوں کو بخوبی نہیں نبھا رہی ہے۔ "سب سے زیادہ فروخت ہونے والا اخبار" بننے کی دوڑ میں آج فیشن، فلم اور سیر و سیاحت والی خبریں اہم مقام پاتی ہیں، جب کہ قومی اور بین الاقوامی اہمیت کی خبریں ادھر اُدھر جگہ پاتی ہیں، اور کئی بار ایسا ہوا ہے کہ قومی اہمیت کی خبریں اشتہاروں کے سیلاب میں دب کر رہ گئیں۔ آگے چل کر کہیں ایسا نہ ہو کہ یہاں کے اخبارات بھی Tabloid اخباروں کی روش پر چل پڑیں۔ پریس کونسل کو اس سلسلے میں تدابیر ضرور ڈھونڈنی چاہیے۔

اور آخر میں یہ بات بھی غور طلب ہے کہ جب ملک کے عوام کے (خواہ پڑھے لکھے ہوں یا جاہل، یا صرف باشعور بالغ) کاندھوں پر جمہوری نظام کا بوجھ رکھا جا سکتا ہے اور انھیں اقتدار کا مالک بنایا جا سکتا ہے تو ملک کے 60 فیصد پڑھے لکھے لوگوں پر یہ بھروسا کیوں نہیں کیا جا سکتا کہ وہ اپنے عقل و شعور سے کام لے کر ملکی مفاد کو ملحوظِ نظر رکھتے ہوئے اپنے مطالعے کے لیے اخبارات و رسائل کا انتخاب کریں گے۔ □□□

250, Jhelum Hostel, JNU, New Delhi-67

جواباتِ کوئز :

1- ج 2- ب 3- الف 4- ب 5- د 6- د
7- ج 8- ب 9- الف 10- الف 11- ب 12- ج
13- ج 14- الف 15- ج 16- ج 17- ب 18- ج
19- ب 20- ب 21- د 22- ب 23- ج 24- ج
25- ب 26- ج 27- د 28- ب 29- ج 30- ب
31- ب 32- ب 33- الف 34- ب 35- الف 36- ج
37- د 38- ب 39- د 40- ج 41- ب 42- الف
43- ب 44- الف 45- ج 46- د 47- ب 48- ب
49- ب 50- د

نخجے ورما

نم علاقے کریں گے ہماری حفاظت

کئی برسوں کے بعد پڑی زبردست خشک سالی نے ہمیں اپنے آبی ذخیرے کی طرف پھر سے متوجہ کردیا ہے۔ جن قدرتی آبی ذرائع کو ہم آج کے دور میں نظرانداز کرکے تقریباً ضائع کرچکے ہیں، ان کے احیا کی ضرورت اب محسوس کی جارہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یوم آزادی کے موقعے پر وزیر اعظم نے ایک لاکھ روایتی آبی ذرائع کے احیا کا منصوبہ پیش کیا ہے۔

آبی ذرائع کے احیا کا سوال ماحولیاتی توازن سے جڑا ہوا ہے جو یقیناً ایک اہم مسئلہ ہے۔ جس طرح سے انسانی سرگرمیاں ماحول کے مسخ ہونے کا سبب بنی ہے اس میں اس توازن کو قائم رکھ پانا مشکل ہوتا جارہا ہے۔ ایسے حالات میں اگر بعض حکومتیں، تنظیمیں اور عدالتیں قدرتی وسائل کے تحفظ کے سلسلے میں کوئی قدم اٹھاتی ہیں تو اسے باعثِ راحت تسلیم کیا جانا چاہیے۔ ہمارے ملک میں گزشتہ سال عدالت العالیہ نے ضائع ہوچکے یا کام میں لائے جانے والے تالابوں کو اپنی تحویل میں لے کر اور ان پر تعمیر کرنے یا انھیں پاٹنے جیسے کاموں پر روک لگا کر ماحولیاتی تحفظ کے معاملے میں اپنی بیداری کا ثبوت دیا۔ اس فیصلے سے آئندہ نسلوں کے لیے قدرت کے تئیں لگاؤ کے بچے کے رہنے کی امکانات دکھائی دیتے ہیں اور یہ امید نظر آتی ہے کہ سوکھے تالابوں کو نئی زندگی ملے گی اور ان کے مسلسل تحفظ کی کوششیں جاری رہیں گی۔

جھیلیں اور تالاب کچھ اور نہیں بلکہ ایک طرح کے ویٹ لینڈس یعنی نم / گیلے علاقے ہیں جو آس پاس کے ماحول کے لیے پھیپھڑوں کا کام کرتے ہیں۔ پوری دنیا کے سائنس داں اور ماہرین ماحولیات مانتے ہیں کہ ماحولیاتی توازن کو قائم رکھنے میں تالاب، جھیلیں اور دلدلی علاقے اہم رول ادا کرتے ہیں۔ ویٹ لینڈس کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ حیاتیاتی ذرائع اور سیلاب کے پانی کو اپنے اندر جذب کرتے ہوئے زیرِ زمین پانی کی سطح اور اس کے ذخیرے میں اضافہ کرتے ہیں۔ یہ کاربن ڈائی آکسائڈ کو جذب کرنے والے اور دوسرے زہریلے عناصر کو ضائع ہونے سے بچاتے ہیں۔ بڑے شہروں کے اردگرد موجود ویٹ لینڈس نہ صرف شہروں کی گندگی صاف کرتے ہیں بلکہ فضائی تپش کو جذب کرکے ماحول کے درجۂ حرارت پر قابو رکھتے ہیں۔

ظاہر ہے کہ جب ویٹ لینڈس اتنی اہمیت کے حامل ہیں تو ان کا ضائع ہونا بھی ہمارے لیے تشویش کا سبب ہے۔ مسلسل بڑھتی ہوئی آبادی کے سبب پیدا ہونے والے رہائشی بحران کے حل کے لیے عام طور پر لوگوں کی نظر ایسے ہی تالابوں اور دلدلوں کی جانب جاتی ہے جو بظاہر غیر ضروری معلوم ہوتے ہیں۔ اپنے ہی ملک میں دہلی، ممبئی، چنئی اور کولکاتا جیسے شہروں میں اسی وجہ سے ویٹ لینڈس ختم ہوچکے ہیں۔ دہلی اور کولکاتا کے اردگرد کبھی ویٹ لینڈس کی بھرمار ہوا کرتی تھی۔ کولکاتا سے کچھ ہی دور سُندربن کے دلدلوں پر تو جیسے تعمیر مافیاؤں قبضہ ہی ہوگیا ہے۔ سُندربن کے دلدلی علاقوں میں تعمیر کا کام 1953ء سے ہی جاری ہے جب ہالینڈ کے کچھ ماہرین کے زیرِ نگرانی ان علاقوں میں کولکاتا کے ذیلی شہروں کی تعمیر کا کام شروع ہوا تھا۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ کولکاتا کے دلدلی علاقوں میں بنے رہائشی حصے کے ایک مربع کیلو میٹر میں آج تیس ہزار (30,000) لوگ رہ رہے ہیں۔ ممبئی اور چنئی کے دلدلی سمندری کناروں کو راتوں رات پاٹ کر بلند و بالا عمارتوں میں تبدیل کردیا گیا ہے۔ اسی طرح تقریباً سو سال پہلے بنگلور اور قرب جوار کے علاقوں میں تین سو (300) کے قریب جھیلیں اور تالاب ہوا کرتے تھے۔ جہاں تک آج کے شہر کی وسعت کی بات ہے تو اس میں ہزارہا تالاب آسکتے ہیں۔ لیکن موجودہ وقت میں وہاں صرف چار ہی تالاب ہیں۔ ان کے معدوم ہو جانے کا ایک سبب میسور اور بنگلور کے درمیان بنایا گیا Super Express Way بھی ہے۔ لاپروائی کا یہ عالم پوری دنیا میں دیکھنے کو ملتا ہے۔ World Water Council کے نائب صدر ولیم کاسگرو کا کہنا ہے کہ انسان اپنے مفاد کے لیے جھیلوں کا خاتمہ کررہا ہے۔ دنیا کی تقریباً پچاس لاکھ جھیلوں میں سے بیشتر کی حالت نازک ہے۔ کاسگرو کے مطابق خطروں کا سامنا کررہی جھیلوں کے ساتھ ایک خطرناک پہلو یہ ہے کہ خواہ وہ قدیم دکھائی دیتی ہوں مگر بہت ممکن ہے کہ انھیں زبردست نقصان ہوچکا ہو۔ ایسی حالت میں ان جھیلوں کے ساتھ کچھ بھی واقع ہوسکتا ہے۔ مثلاً پانی کی حرارت میں تبدیلی ہوسکتی ہے اور یکایک جھیل کے خط و خال میں بدلاؤ آسکتا ہے۔ اگر ایک بار یہ عمل شروع ہوجائے تو اس پر قابو پانا کافی مشکل ہوجاتا ہے۔ اس کی مثال افریقہ کی سب سے بڑی جھیل وکٹوریا ہے۔ پچھلے دو تین برسوں کے دوران یہاں مچھلیوں کی مختلف قسموں کا خاتمہ ہوچکا ہے۔ چین کی 'تائیو' جھیل کی حالت بھی کچھ ایسی ہی ہے۔ حکومتِ ہند ویٹ لینڈس کو بچانے کے سلسلے میں دلدلی زمین کی حفاظت کے لیے ایک عالمگیر معاہدے پر دستخط

کر چکی ہے۔ "رام سر معاہدہ 1971" جسے 1975 میں نافذ کیا گیا تھا اور جس کے تحت پوری دنیا میں 1500 ایسے دلدلی علاقوں کی مکمل حفاظت کی نشاندہی کی گئی تھی جن میں سے 16 ہمارے ملک میں ہیں۔ گزشتہ سال اس معاہدے کو تین سال ہو گئے لیکن آج بھی ہمارے ملک میں ویٹ لینڈس کے تحفظ کے سلسلے میں کوئی خاص کوشش دکھائی نہیں دیتی ہے۔

ویٹ لینڈس پانی کا کتنی مقدار میں اور کس حد تک تحفظ کرنے میں اہم رول ادا کرتے ہیں اس کی ایک مثال 1999ء میں گنگا بیسن کے شمالی علاقوں میں تیل کی تلاش کے لیے بنائے گئے ڈریلنگ کنوؤں کے ذریعے ملتی ہے۔ گنگا بیسن کے اس علاقے میں اتر پردیش کے لال کنواں (کاشی پور)، پورن پور (پیلی بھیت) اور بہار کے گنولی، رکسول وغیرہ مقامات کی نشاندہی کی گئی جہاں تقریباً 70 ہزار مربع کیلو میٹر کے علاقے میں قریب دو ہزار میٹر کی گہرائی پر پانی کے وافر ذخیرے ہونے کا پتا چلا۔ یہ معلوم ہو جانے پر مرکزی کونسل نے Deep drilling for ground water exploration in Ganga Basin کے موضوع پر سیمینار منعقد کیا جس میں واضح طور پر کہا گیا تھا کہ 2005 میں جب گنگا بیسن علاقوں میں پینے کے پانی کی زیادہ قلت ہو جائے گی تو یہی زیر زمین پانی پینے کے کام آئے گا۔ یہ زیر زمین پانی گنگا بیسن کے علاوہ اتر پردیش، بہار اور قومی راجدھانی دہلی کے علاقوں میں پینے کے پانی کی پریشانی دور کرنے میں خاص رول ادا کر سکتا ہے۔ ملک میں پہلی بار پانی نکالنے کے اس وسیع منصوبے کو عمل میں لانے کے لیے تنظیمیں متحدہ پروگرام بنا رہی ہیں اور کور کمیٹی کی تشکیل کی جا چکی ہے۔ چونکہ اس منصوبے کا پس منظر ویٹ لینڈس کی اہمیت سے جڑا ہوا ہے اس لیے Remote Sensing Centre (Central Ground Water Council) مصنوعی سیاروں سے ملنے والی تصویروں کا مطالعہ کر کے نسبتاً زیادہ زمینی پانی پیدا کرنے والے علاقوں کا پتا لگائیں گے جہاں سے گہرے زیر زمین آبی ذخیروں میں کافی مقدار میں استخراج کے امکانات ہوں۔

تالابوں کی شکل میں ویٹ لینڈس کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا ہے۔ اکیسویں صدی کے اس جدید دور میں بھی بہت سے ایسے علاقے موجود ہیں جہاں تالاب اور کنویں پینے کے پانی کا اہم ذریعہ ہیں۔ جدید سہولتوں کے سبب جہاں تالابوں کو نظر انداز کیا گیا وہاں یہ بات محسوس کی گئی کہ لاپروائی کی وجہ سے تالاب سوکھ گئے اور پینے کے پانی کی سنگین پریشانی ہو جانے کے سبب لوگوں کو پھر روایتی ذرائع کی طرف رجوع ہونا پڑا۔ گجرات کے پاٹن علاقے کے روپرو گاؤں میں 12 ایکڑ کے حلقے میں ایک قدیم اور خشک پڑے تالاب کا پھر سے احیا کیا گیا ہے۔ اسی طرح پنجاب کے کپور تھلا، فیروز پور اور امرتسر ضلعوں کے 86 مربع کیلو میٹر علاقوں میں پھیلے ہریکے ویٹ لینڈ کو آپریشن سہوگ کے ذریعے نئی زندگی دی گئی۔ رام سر ویٹ لینڈ تحفظ معاہدے میں پنجاب کی اس ہریکے جھیل کا بھی ذکر کیا گیا تھا جس کی نگرانی کے مطالبے کو حکومت ہند نے معاہدہ کے گیارہ سال بعد 1982 میں منظور کر لیا۔

(نوبھارت ٹائمز، نئی دہلی کے شکریے کے ساتھ ترجمہ — سید مصطفیٰ اطہر)

267, Sabarmati
JNU, New Delhi-67, Tel. : 011-6194749

فرہنگِ آصفیہ، مولفہ: سید احمد دہلوی

یہ اردو زبان کا وہ مشہور اور مستند لغت ہے جو برسوں سے نایاب تھا۔ اس لغت میں عربی، فارسی، ترکی، ہندی، سنسکرت اور انگریزی کے وہ تمام الفاظ شامل ہیں جو اردو زبان کا جز بن چکے ہیں۔ اس لغت کی کچھ اہم خصوصیات یہ ہیں۔

- عدالتی الفاظ
- اشارات و کنایات
- مناسب حال مادے
- اردو صرف و نحو کے قاعدے
- نیہاتی محاورات
- تاریخی واقعات
- علم زبان کے رموز و نکات
- ملک کی متداول رسمیں
- اہل پیشہ و اہل حرفہ کی ضروری اصطلاحات
- داخل روزمرہ ضرب الامثال
- قدیم و جدید تحقیقات کے اختلافات مع نظائر
- نظم و نثر میں لفظوں کے کثیر المعانی استعمال کی مثالیں اور وجہ تسمیہ
- تمام اولیا اور فقرائے ہند کے اسمائے گرامی مع حالات
- علمائے کرام کے نام اور مختصر سوانحی حالات

علاوہ ازیں دیگر امور کی تشریحات بھی اس لغت میں درج ہیں۔ چار جلدوں پر مشتمل یہ لغت 55 ہزار سے زائد الفاظ کا بے مثال ذخیرہ ہے۔ فوٹو آفسیٹ سے شائع کردہ اس فرہنگ میں اصلی ایڈیشن کی بعض غلطیوں کا ازالہ کر دیا گیا ہے۔

سائز: 20x26/4، صفحات: ڈھائی ہزار سے زائد
قیمت: (مکمل تین جلدیں) 750 روپے
قومی اردو کونسل کے دفتر سے طلب کریں

عبدالعلیم قدوائی

ترقی اور فلاح کی مفید مرکزی اسکیمیں

8/اپریل 2002 کو وزیراعظم اٹل بہاری باجپئی نے ایک کتاب Government of People کی رسم اجرائی دہلی میں ادا کی جس میں حکومتِ ہند کی طرف سے 290 ایسی اسکیموں کی تفصیل بیان کی گئی ہے، جس کو مختلف وزارتوں، مرکزی اداروں اور بینکوں نے ملک کی ترقی اور فلاح کے لیے مرتب کیا ہے۔ جس سے ریاستی حکومتیں، کاشتکار، نوجوان، خواتین، ماہی گیر، سابق فوجی رضاکار تنظیمیں، تعلیمی ادارے، آرٹسٹ، برآمدی تجارت کرنے والی اقلیتیں، پسماندہ ذاتیں اور مندرجہ فہرست ذاتیں اور قبائل فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ کچھ مفید اسکیموں کا ترجمہ قارئینِ اردو دنیا کے لیے پیشِ خدمت ہے۔

1- سمندری وسائل سے مختلف قسم کی غذائی اشیا تیار کرنے کی صنعت

ساحلی علاقوں پر رہنے والے لوگوں خاص کر تعلیم یافتہ بے روزگار نوجوانوں، سبکدوش فوجی اور برآمدات سے دلچسپی رکھنے والے افراد کے لیے چھوٹے پیمانے کی یہ صنعت بڑی موزوں ہے۔ اس میں بے پناہ برآمدی صلاحیت پائی جاتی ہے۔ کیرالا میں اس قسم کی کئی اکائیاں کامیابی سے کام کر رہی ہیں۔ یہ اسکیم اسمال انڈسٹریز ڈیولپمنٹ بینک آف انڈیا نے مرتب کی ہے جس کی شاخیں ہر ریاست میں موجود ہیں۔

زمانۂ حال کی ضرورتوں کے پیشِ نظر اس صنعت کے لیے جلد از جلد منجمد کرنے والی مشینری، ریفریجریٹر لگے ہوئے ٹرک، برف اور گالا بنانے والی خودکار مشینوں کا استعمال ضروری ہے۔ جس سے عمدہ کوالٹی کی اشیا کم وقت میں تیار ہو سکتی ہیں۔ جن لوگوں کو اس صنعت کے لگانے میں دلچسپی ہو ان کو چاہیے کہ وہ اپنی پروجیکٹ رپورٹ اپنی ریاست کے اسمال انڈسٹریز ڈیولپمنٹ بینک کے پاس بھیجیں جو منظوری کے بعد اس صنعت کے لیے ضروری سرمایہ فراہم کرے گا۔

2- خواتین پر ہونے والی زیادتیوں اور مظالم کو روکنے کے لیے غیر سرکاری اداروں کو سرکاری امداد

یہ اسکیم حکومتِ ہند کی فروغ وسائل انسانی وزارت کے محکمہ بہبود خواتین و اطفال نے مرتب کی ہے۔ اس کی ضرورت اس وجہ سے محسوس ہوئی کہ اگرچہ دستور نے ہر معاملے میں خواتین کو برابری کا درجہ عطا کیا ہے اور ان کی ملازمت کے مواقع تحفظ اور وقار کو برقرار رکھنے کی ضمانت دی ہے پھر بھی ان کے خلاف زیادتیوں اور جرائم میں برابر اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ ان کے انسداد اور خود عورتوں میں سماجی بیداری اور شعور پیدا کرنے کے لیے اس اسکیم کے ذریعے حکومتِ ہند ایسی رضاکار تنظیموں کو مالی مدد دے گی جو اس کے لیے ضروری اقدام کریں گی مثلاً کانفرنسوں یا سمینار کا انعقاد، مختلف زبانوں میں لٹریچر تیار کرنا، مختلف علاقوں کا سروے کرنا، ضروری معلومات اکٹھا کرنا، ڈرامے، ناٹک، فلمیں تیار کرنا اور سماجی کارکنوں کو ان کے کارناموں پر انعامات دینا، ان کی ٹریننگ کا انتظام کرنا وغیرہ۔ یہ تنظیمیں ان مدوں پر جتنی رقم صرف کریں گی اس کا 40 فی صد حصہ حکومتِ ہند ان کو ادا کرے گی۔ لیکن ان تنظیموں کو سوسائٹیز رجسٹریشن ایکٹ 1960 کے تحت رجسٹرڈ ہونا ضروری ہے، پبلک ٹرسٹ جو قانون کے تحت رجسٹرڈ ہو وہ بھی رضاکار تنظیموں کے دائرہ میں آئے گا۔ اسی طرح کوئی کمپنی جو دو سال سے زیادہ سے کسی کارِ خیر کو انجام دے رہی ہے اور وہ کمپنیز ایکٹ 1958 کے تحت رجسٹرڈ ہو یا اسے ریاستی حکومت نے تسلیم کر لیا ہو اس کو مدد دے رہی ہو وہ بھی رضاکار تنظیم سمجھی جائے گی۔

اس اسکیم کا روپیہ رضاکار تنظیموں کو ریاستی حکومتوں کے ذریعہ دیا جائے گا۔

3- مولانا آزاد ایجوکیشن فاؤنڈیشن اسکیم تعلیمی اعتبار سے پسماندہ اقلیتوں کے لیے

یہ اسکیم مرکزی حکومت کی وزارت سوشل جسٹس اور امپاورمنٹ نے بنائی ہے جس کے اغراض و مقاصد یہ ہیں۔

(1) رہائشی اسکول قائم کرنا، خاص کر لڑکیوں کے لیے تاکہ تعلیمی اعتبار سے پسماندہ اقلیتی خواتین کا تعلیمی معیار بلند ہو سکے۔

(2) تعلیمی اعتبار سے پسماندہ اقلیتوں کے لیے ٹیکنیکل تعلیم کا انتظام کرنا اور اسے فروغ دینا۔

(3) سماج کے تعلیمی اعتبار سے پسماندہ طبقوں کے طالب علموں کی مناسب کوچنگ کے لیے سرمایہ فراہم کرنا۔

اس اسکیم کو رجسٹرڈ ادارے، سوسائٹیاں اور ٹرسٹ جو پچھلے تین سال سے کام کر رہے ہوں چلا سکتے ہیں۔ حکومت کی طرف سے دی گئی گرانٹ کو

ایسے ہائر سیکنڈری رہائشی اسکول جہاں سائنس، کامرس، ہیومینیٹیز اور حرفتی مضامین تعلیمی اعتبار سے پسماندہ اقلیتوں کو پڑھائے جائیں، قائم کرنے کے لیے صرف کیا جاسکتا ہے۔ نیز اس علاقے کے سیکنڈری یا ہائر سیکنڈری اسکولوں کے تعلیمی معیار اور وہاں مختلف قسم کی سہولتیں مہیا کرنے کے لیے بھی صرف کیا جاسکتا ہے۔ مالی امداد یا گرانٹ کی رقم کسی بھی اکائی کو پچاس لاکھ روپے سے زائد نہ دی جائے گی۔ اگر اس اسکیم کے تحت دس لاکھ روپے سے زیادہ کی امداد مانگی جائے گی تو اس پروجیکٹ کی توثیق فاؤنڈیشن کے سکریٹری یا کسی ممبر سے ذاتی طور پر کرانا ہوگی۔ اس اسکیم کے تحت اچھی طرح سے چلنے والے اور محفوظ جگہوں پر قائم لڑکیوں کے اسکولوں میں شہری اور دیہاتی علاقوں کی لڑکیوں کے لیے ہاسٹل بھی تعمیر کرائے جاسکتے ہیں۔ لیکن ایسے اسکولوں میں اقلیتی طلبہ کی معقول تعداد کا ہونا لازمی ہے۔

اسکیم کے تحت مالی امداد حاصل کرنے کا طریقہ:

جو ادارہ اس اسکیم کے تحت مالی امداد لینا چاہتا ہے اسے مقررہ فارم پر درخواست بھیجنا چاہیے اور اپنے میمورنڈم آف ایسوسی ایشن یا قواعد و ضوابط میں مولانا آزاد ایجوکیشن فاؤنڈیشن کی بالادستی کو تسلیم کرنا پڑے گا اور جو ادارہ اس امداد سے قائم ہوگا اس کا کل یا ایک حصہ مولانا ابوالکلام آزاد کے نام سے منسوب کیا جائے گا۔

4- اقلیتوں کی ترقی کے لیے مختلف جہتی اسکیم

یہ اسکیم حکومتِ ہند کی وزارت برائے سوشل جسٹس نے ہمارے ملک کی اقلیتوں کے بڑے پیانے پر تعلیمی و معاشی پسماندگی کو دور کرنے کے لیے بنائی ہے۔ حالانکہ اس سے قبل بھی ان کی حالت سدھارنے کی کوششیں کی گئی تھیں مگر مختلف وجوہ کی بنا پر ان میں کامیابی نہیں حاصل ہوئی۔ اس اسکیم کے مقاصد حسبِ ذیل ہیں:

(1) اقلیتوں کے روایتی معاشی مشغلوں اور ان سے متعلقہ کاروبار کا جائزہ لینا۔

(2) ایسے کاموں اور مشغلوں کی شناخت کرنا جن سے اقلیتی افراد کو خود روزگاری کے ساتھ اپنی آمدنی بڑھانے کے مواقع ملیں۔

(3) ایسے ہر کام کے لیے پروجیکٹ رپورٹ تیار کرنا جس میں ٹریننگ، خام مال کی فراہمی، ضروری روابط کے قیام، قرض اور مارکیٹنگ کے جملہ مراحل کی تفصیل ہو۔

اس اسکیم کو چلانے کی ذمےداری ہر ریاستی حکومت پر ہوگی خواہ وہ اس کو اپنی ایجنسیوں کے ذریعے چلائے یا کسی مناسب مخصوص ایجنسی کے ذریعے چلوائے۔ اس مقصد کے لیے ہر ریاستی حکومت ہر اس ضلع میں جہاں اقلیتوں کی معتد بہ آبادی ہو ضلع کمیٹی بنائے گی اور ریاستی ویلفیر یا اقلیتی ویلفیر کا محکمہ اس اسکیم کے تحت چلنے والے ہر کام کا نگراں اور ذمےدار ہوگا۔ ایسے ہر ضلع کو جہاں اقلیتوں کی معتد بہ آبادی ہو، مرکزی حکومت پانچ لاکھ روپیہ تک کا فنڈ دے گی۔ ضلع کا رقبہ، آبادی اور مقامی حالات کو دیکھتے ہوئے اسکیم کو شروع کرنے کے لیے پہلے ایک لاکھ روپے کی رقم دی جائے گی اور بقیہ رقم اس وقت دی جائے گی جب ریاستی حکومت پروجیکٹ کے کل صرفے سے مرکزی حکومت کو مطلع کرے گی۔

5- مہم جوئی اور اولوالعزمی بڑھانے کی اسکیم

حکومت ہند کی وزارت برائے یوتھ اینڈ اسپورٹس نے یہ اسکیم اس مقصد سے مرتب کی ہے کہ نوجوانوں میں طالع آزمائی اور کارنمایاں کرنے کا جذبہ پیدا ہو اور مل جل کر خطروں کا استقامت سے مقابلہ کرنے کی اسپرٹ ابھرے۔ مہم جوئی کو بڑھاوا دینے والی اسکیم کے تحت ہر قسم کے کارنمایاں کی ہمت افزائی کی جاتی ہے اور اس مقصد کے لیے سمینار، مذاکرات کیے جاتے ہیں۔ سلائیڈ شو، فلم اور ڈرامے تیار کیے جاتے ہیں اور جو تعلیمی ادارے اس طرح کے کاموں میں دلچسپی لیتے ہیں ان کو مدد دی جاتی ہے۔

اس اسکیم کو چلانے کے لیے امداد کی درخواست حسبِ ذیل ادارے اور افراد کرسکتے ہیں:

(الف) ریاستی حکومتیں یا مرکزی علاقے کی انتظامیہ

(ب) نہرو یووا کیندر

(ج) تعلیمی ادارے

(د) غیر سرکاری رضاکار تنظیمیں جو سوسائٹیز ایکٹ 1860 کے تحت رجسٹرڈ ہوں

(ذ) فرد یا افراد کا کوئی گروہ

تعلیمی اداروں، رضاکار تنظیموں اور افراد کی درخواست ضلع کلکٹر یا نہرو یووا کیندر یا ریاستی حکومت کی سفارش ہی کے ساتھ قبول کی جائے گی۔

مالی امداد:

رہنے، کھانے پینے، دیگر ضروریات اور معمولی طبی امداد کے لیے 40روپے روزانہ فی کس اور پروجیکٹ کے کل صرفہ کا50 فی صد امداد کی شکل میں دیا جائے گا مگر رضاکار انجمنوں اور دوسرے اداروں کو40 روپے روزانہ فی کس کے ساتھ پروجیکٹ کا90% خرچ اعداد کے طور پر دیا جائے گا اور ان کو دیگر ضروریات کے لیے کھانے پینے اور رہنے کے صرفے کا25% دیا جائے گا۔

مہم جوئی کے کام سمندر کے ساحلوں، جنگلی دریاؤں کے کنارے اور ان قطعات زمین پر جو جھاڑ جھنکاڑ، کائی اور ریگزار سے ڈھکے ہوں کیے جاسکتے ہیں

نیز برف اور برفانی تودوں پر پھیلنے، سلیج چلانے، اسکا ٹنگ، سمندری کھیل کود، غوطہ خوری، موٹر بوٹ چلانا، سرفنگ، رینٹنگ، پیراشوٹ سے کودنا، طیارے اڑانا وغیرہ بھی اس میں شامل سمجھے جائیں گے۔

6- دیگر پسماندہ طبقوں کے لیے امتحان سے قبل کوچنگ کی اسکیم

یہ اسکیم حکومت ہند کی وزارت برائے سوشل جسٹس نے دیگر پسماندہ طبقوں (OBC) کے امیدواروں کو ٹریننگ دینے یا کوچ کرنے کے لیے بنائی ہے تاکہ وہ مختلف مقابلہ جاتی اور داخلے کے امتحانوں میں دوسرے امیدواروں کے ساتھ پوری برابری سے شریک ہو سکیں۔ یہ کوچنگ ان امیدواروں کو مختلف ٹیکنیکل، حرفتی، انجینئرنگ، میڈیکل اور مینجمنٹ کورسز میں داخلے کے لیے مدد دیتی ہے اور اس کا دوسرا بڑا فائدہ یہ ہے کہ یہ ان امیدواروں کو مختلف مرکزی اور ریاستی حکومتوں کی ملازمتوں کے مقابلے کے امتحانات نیز بینکوں، پبلک اور پرائیویٹ سیکٹر اداروں، ڈیفنس اور پولیس کی مختلف ملازمتوں پر تقرر کے امتحانات کے لیے تیار کرتی ہے۔

اس کوچنگ اسکیم سے وہ تمام امیدوار فائدہ اٹھا سکتے ہیں جو سماجی اور تعلیمی سطح پر مرکزی، ریاستی یا مرکزی علاقوں سے انتظامیہ کی طرف سے پسماندہ قرار دیے جا چکے ہوں اور جن کے والدین کی سالانہ آمدنی ایک لاکھ روپیہ سے کم ہو۔

یہ اسکیم ایسی یونی ورسٹیوں یا معتبر پروفیشنل کوچنگ کے اداروں کے ذریعے چلائی جائے گی جن کی درخواستیں ریاستی حکومتوں کے ذریعے اور ان کی سفارش کے ساتھ موصول ہوں۔ اس مقصد کے لیے مناسب یا معتبر ادارے وہ سمجھے جائیں گے جو حسب ذیل شرائط پوری کرتے ہوں:

(1) وہ ادارے جو مرکزی یونین پبلک سروس کمیشن کے سول سروسز امتحانات کی کوچنگ یا ٹریننگ پہلے سے دے رہے ہوں۔ یہ قومی سطح پر کوچنگ ادارے سمجھے جائیں گے۔

(2) وہ ادارے جو ریاستی سطح یا اس سے کم تر درجے کی ملازمتوں کے امتحانات اور پروفیشنل کورسز میں داخلے کے امتحان کے لیے کوچنگ یا ٹریننگ دیتے ہوں ان کو ریاستی سطح کے کوچنگ ادارے قرار دیا جائے گا۔

مالی امداد جو گرانٹ ان ایڈ کی شکل میں دی جائے گی اس میں حسب ذیل مدات شامل ہوں گی:

(i) کوچنگ لکچرس کی فیس امیدواروں اور لکچروں کی تعداد کے مطابق فی کس

(ii) امیدواروں کو ماہوار وظیفہ

(iii) کوچنگ کی ایڈورٹائزنگ کے اخراجات

(iv) انٹرویو یا زبانی امتحان کی کوچنگ فیس

(v) دیگر اخراجات

یہ پہلا موقعہ ہے کہ فلاح و ترقی کے لیے اتنی بڑی تعداد میں مختلف جہتی اسکیموں کا مجموعہ حکومت کی طرف سے کتابی شکل میں مدون کیا گیا ہے۔ جس سے سماج کے تقریباً سب ہی طبقے مستفید ہو سکتے ہیں خاص کر نوجوان، رضاکار تنظیمیں، کاشتکار، ماہی گیر، تعلیمی ادارے، مہم جو، صنعت کار اور کاروبار میں لگے ہوئے افراد، خواتین، سبک دوش فوجی، اقلیتیں اور پسماندہ ذاتیں اور قبائل۔ اس کوشش سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ ہماری حکومت معاشی نابرابری اور علاقائی پسماندگی کو دور کرنے کی دل سے خواہش مند ہے اور چاہتی ہے کہ ملک کا ہر طبقہ اس معاملے میں اس کے ساتھ تعاون کرے۔

❑❑❑

Zahida Manzil,
41873, New Friend Colony, ALIGARH

کاشف الحقائق

(معروف بہ بہارستانِ سخن)

مصنف : سید امداد امام اثر

مرتب : ڈاکٹر وہاب اشرفی

یہ ایک اہم تنقیدی کتاب ہے جس میں نہ صرف اردو اور فارسی شعریات بلکہ عالمی شاعری کے بعض اہم پہلوؤں پر بھی گفتگو کی گئی ہے۔

(دوسرا ایڈیشن)، صفحات: 740 ، قیمت: 145

اڑیسہ میں اردو

مصنف: حفیظ اللہ نیولپوری

اڑیسہ میں اردو زبان و ادب کے آغاز و ارتقا کی مکمل تاریخ اڑیسہ میں اردو تحریک کے اہم گوشے اہم شخصیتوں کے حوالے سے اجاگر کیے گئے ہیں۔

صفحات: 504، قیمت: 157

تاریخ تمدن ہند

مصنف : پروفیسر محمد مجیب

ہندستان ابتدائی زمانے سے مختلف تمدنوں اور تہذیبوں کی مطابقتوں اور عدم مطابقتوں کا گہوارہ رہا ہے اور یہاں کئی تہذیبیں تکمیل کو پہنچ کر زوال پا چکی ہیں۔ یہ کتاب بھی روداد بیان کرتی ہے۔

(تیسرا ایڈیشن)، صفحات: 279، قیمت: 72

منور حسن کمال

مشاعروں کی تہذیبی اہمیت

اردو شعر و ادب کی عمرانی تاریخ میں مشاعروں کا اہم کردار رہا ہے اور مشاعروں نے تہذیب و ثقافت کی ایک مستحکم روایت کو بڑا فروغ دیا ہے۔ نشر و اشاعت کے دور رس ذرائع نہ ہونے کے سبب مشاعرے کی روایت نے رواج پایا۔ اگرچہ مشاعرے آج بھی اردو شاعری کی ترسیل میں اہم کردار ادا کر رہے ہیں، لیکن پچھلے زمانے کے مشاعروں اور آج کے مشاعروں میں بڑی تبدیلی واقع ہو چکی ہے۔

گزشتہ زمانے میں مشاعرے باشاہوں اور امیروں کے دربار میں منعقد کیے جاتے تھے۔ بادشاہ اور امرا اپنے ادبی اور شعری ذوق کی تسکین کے لیے ملک کے معروف اور نامور شعرا کو اپنے یہاں جمع کرتے اور شعر و سخن کی محفلیں آراستہ ہوتیں۔ عام طور پر تیس پینتیس شعرا جمع ہو جاتے اور اپنا کلام سناتے تھے۔ نو واردان شعر و ادب کی اصلاح بھی ان محفلوں کا ایک طرۂ امتیاز تھی۔ بعض بادشاہ اور امرا بھی اپنے کلام پر اساتذۂ شعر سے اصلاح لیتے تھے۔ بعض شاعروں کا تو درباروں سے باقاعدہ مشاہرہ مقرر تھا۔ خلعت اور انعام و اکرام سے بھی نوازا جاتا تھا۔ یہ سلسلہ میر و سودا اور مصحفی و انشا سے لے کر تقسیم ہند تک کسی نہ کسی صورت میں جاری رہا۔ یہاں یہ سوال کیا جا سکتا ہے کہ بادشاہوں اور امرا کے درباروں میں شعرا ہی کیوں نوازے جاتے تھے، نثر نگاروں اور انشا پردازوں کو قدر کی نگاہ سے کیوں نہیں دیکھا جاتا تھا؟ اس سلسلے میں جب ہم تاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اردو کے ابتدائی زمانے میں بیشتر ذخیرۂ ادب نظم ہی میں تھا۔ اس وجہ سے درباروں میں شعرا کو نثر نگاروں پر فوقیت و اہمیت حاصل تھی[1] یہاں یہ بات بھی دلچسپی سے خالی نہیں کہ دنیا کی ہر زبان میں یہی صورتِ حال پیش آئی۔ اب یہ بھی سوال کیا جا سکتا ہے کہ آخر ایسا کیوں ہوا؟ اس سوال پر ہم جب غور کرتے ہیں تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ بچے نثر کے مقابلے میں مترنم لوریوں کو زیادہ پسند کرتے ہیں۔ چنانچہ انسانی تہذیب بھی جب اپنے بچپن میں تھی تو اس وقت اس نے نثر کے مقابلے میں نظم کو ترجیح دی۔ دوسری بات یہ کہ شاعری انسانی محسوسات کو زیادہ موثر طریقے سے پیش کر سکتی ہے۔[2] بادشاہوں کی طرف سے قدر دانیوں اور عزت افزائیوں کے نتیجے میں شعرا نے اپنی قوت شعری کو بروئے کار لانے کی طرف پوری توجہ مبذول کی[3] شعرا بادشاہوں کے مزاج آشنا ہوتے تھے، وہ انھیں خوش کرنے کے لیے ان کی شان میں قصیدے کہتے اور عشقیہ و حزنیہ غزلیں سنا کر ان کے دل و دماغ پر قبضہ کر لیتے تھے۔

یہ بتانا بہت مشکل ہے کہ مشاعروں کا آغاز کب اور کیسے ہوا۔ اغلب گمان یہ ہے کہ مشاعروں کی تحریک شاعروں کے اس جذبے کے تحت ہوئی ہوگی کہ لوگ ان کا کلام سنیں اور ان کی کاوشوں کو سراہیں۔ ایسی نشستیں غالباً شعرا کے گھروں میں شروع ہوئی ہوں گی اور پھر ان شعرا کے معتقدین نے اپنے گھروں پر ان محفلوں کو منعقد کرایا ہوگا۔ ایسی صحبتوں کا تذکرہ سب سے پہلے ہمیں راج شیکھر (920-880) کی کتاب 'کاویہ میمانسا' کے دسویں باب میں ملتا ہے۔ اس میں انھوں نے ایک ایسے شاعر کا تذکرہ کیا ہے جو فارغ البال ہو اور وہ اپنے نظام الاوقات کو چار حصوں میں بانٹ لے۔ صبح کو پوجا پاٹ سے فارغ ہو کر مطالعہ کرے۔ دوسرے پہر شعر نظم کرے، دوپہر کے قریب نہا دھو کر کھانا کھائے، تیسرے پہر شعری نشست منعقد کرے، چوتھے اور آخری پہر میں اپنی تخلیق پر نظر ثانی کرے، اچھی طرح جانچے پرکھے اور شعری نشست میں تنقید و تعریف کو پیش نظر رکھ کر مناسب ترمیم کرے۔[4] اس سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ شعری نشستوں اور مشاعروں کا مقصد روز اوّل سے اصلاح سخن تھا، بڑے بڑے شعرا اپنا کلام سنا کر داد و تحسین حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ کلام پر گفتگو میں حصہ لیتے تھے، شعر کے محاسن اور معائب پر بحث و تمحیص ہوتی تھی اور ردّ و قدح کے بعد اچھی باتوں کو قبول کر لیا جاتا تھا اور غلطیوں کی اصلاح کر لی جاتی تھی۔

برہمنوں کے ہاں بھی اظہار علم و فن کے لیے "برہم سبھا" کے انعقاد کا پتا چلتا ہے۔ ان میں بہت سے عالم شریک ہوتے تھے، اپنی تخلیقات پیش کرتے تھے اور وہاں ان کی خوبیوں کا اعتراف اور کمیوں کی نشاندہی کی جاتی تھی۔ اجین میں کالی داس، امر، روپ سوتر بھاروی اور ہری چند وغیرہ کی شاعرانہ خدمات کا اعتراف ایسی ہی مجلسوں کا رہینِ منت شمار کیا جاتا ہے۔ اسی طرح پاٹلی پتر میں پانی پنگل اور پاتن جلی کو خراج تحسین حاصل ہوا۔ "بھوج پربندھ" اور "پربندھ چنتامنی" میں شاعرانہ بزم آرائی کا نقشہ کھینچا گیا ہے۔

عربی ادب پر نظر ڈالیں تو عرب قبائل کے زمانے سے ہی مشاعروں کی روایت کا پتا چلتا ہے۔ عرب معاشرے میں اشعار سننے اور سنانے کو "انشاد" اور "نشید" کہتے ہیں۔ عموماً پہلے اور دوسرے درجے کے شعرا ہی مقبولیت و شہرت حاصل کرتے تھے۔ شہرت کا ذریعہ عام طور پر میلے اور بازار ہوا کرتے

تھے۔ میلوں میں قبائل اپنی اپنی بہادری اور جنگی کارناموں کا تذکرہ کرتے اور اپنی اپنی فوقیت جتاتے تھے۔ ان مواقع پر شاعروں کی زبردست مانگ ہوتی اور ان کی بڑی قدر کی جاتی۔ ان میلوں میں شعرا کے جو اجتماعات ہوتے تھے، انھیں مشاعرہ اور مقاصدہ کہا جاسکتا ہے۔ یہاں اپنا کلام سنانے کے لیے شعرا خوب خوب تیاریاں کرتے، اپنا اپنا کلام سناتے اور میر مشاعرہ یا ثالث جسے ہم صدر مشاعرہ بھی کہہ سکتے ہیں، سب سے اچھے کلام اور شاعر کا انتخاب کرتا اور پھر اس کی نظم یا قصیدہ لکھ کر خانۂ کعبہ میں لٹکا دیا جاتا تھا۔ انھی کو "معلقات" یا "سبعہ معلقہ" کہا جاتا ہے۔[5]

ایران میں "جاحظ" کے بیان کے مطابق "جشن نوروز" کے موقع پر نوشیرواں کے دربار میں شعرا جمع ہو کر مدحیہ اشعار پڑھتے تھے۔ علامہ شبلی نے "شعر العجم" میں فغانی کے دور سے مشاعروں کا آغاز بتایا ہے، لیکن فردوسی کے متعلق لکھتے ہوئے انھوں نے چوتھی صدی ہجری آخر یا پانچویں صدی ہجری کا آغاز بتایا ہے۔

میر کے دور سے باقاعدہ اردو تذکرہ نگاری کا آغاز ہوتا ہے، اور ان کے تذکروں میں شاعروں کے ساتھ ساتھ مشاعروں کا بھی ذکر ملتا ہے۔ میر ہی یہ بھی بتاتے ہیں کہ خواجہ میر درد کے ہاں اردو شعرا کا اجتماع ہوتا تھا، بعد میں یہ سلسلہ ختم ہوگیا۔ پھر میر کے ہاں یہ سلسلہ شروع ہوا اور "مجلس ریختہ" اس کا نام قرار پایا۔ ایسی ہی مجلسوں کو کہیں "مجمع شاعران ریختہ"، "مجلس یاران ریختہ" اور کہیں صرف "مجلس" کہا گیا ہے۔ ان سے پہلے فارسی کلام پر مشتمل نشستیں بھی منعقد ہوا کرتی تھیں، بلکہ بعض نشستوں میں ہر دو طرح کے کلام سنے سنائے جاتے تھے۔ "عقد ثریا" میں مصحفی نے اس بات کا ذکر کیا ہے کہ اردو اور فارسی کے مشترکہ مشاعرے منعقد ہوا کرتے تھے۔

دلی میں اردو مشاعرہ قلعۂ معلی سے باقاعدہ رواج پاتا ہے۔ دلی میں اردو شاعروں کے درمیان ادبی معرکوں کا بھی پتا چلتا ہے۔ اس سلسلے میں قاسم و عظیم کے معرکے بڑے مشہور ہیں۔ یہی روایت لکھنؤ کے مشاعروں میں بھی ملتی ہے۔ "تذکرہ خازن الشعراء" میں درج ہے کہ استادی اور شاگردی کے ادارے کی بدولت استاد شاعروں کی الگ الگ پارٹیاں قائم ہوگئی تھیں، لوگ مشاعروں میں بھی جماعت کے ساتھ شریک ہوتے تھے اور معرکہ آرائیاں ہوتی تھیں۔ دہلی میں اس روایت کے آخری امین استاد رسا شمار کیے جاتے تھے۔[6] یوپی میں لکھنؤ کے علاوہ ملیح آباد، بدایوں، فرخ آباد، رام پور، ٹانڈہ، بنارس اور علی گڑھ میں بھی مشاعروں کے انعقاد کا ذکر ملتا ہے۔ حیدر آباد دکن اور عظیم آباد (پٹنہ) میں بھی مشاعرے بڑی آن بان سے منعقد کیے جاتے تھے۔ "عروس الاذکار" میں ان مشاعروں پر تفصیلی بحث کی گئی ہے۔ عظیم آباد کے مشاعروں کا ذکر "تذکرۂ شورش" (مرتبہ: محمود الٰہی) میں موجود ہے۔ بنگال میں بھی کلکتہ، ڈھاکہ اور مرشد آباد میں مشاعروں کا تاریخی سلسلہ ملتا ہے۔ کلکتہ میں 1781 میں مدرسۂ عالیہ قائم ہوا اور وہاں ایک بزم سخن کی بنیاد ڈالی گئی۔ 1828 میں کلکتہ میں منعقد ان مشاعروں میں مرزا غالب کی بھی شرکت کا پتا چلتا ہے۔ ان مشاعروں کا مقصد بھی اردو شاعری کی صفائی ستھرائی رہی، مرزا غالب کا ایک شعر واحد اور جمع کے فرق کے ساتھ خوب موضوع بحث بنا۔ غالب نے "عود ہندی" میں اس کا تذکرہ کیا ہے۔

جے پور (راجستھان) میں ادبی و شعری محفلوں کا آغاز مولوی رشید الدین فائز نارنولی کی آمد سے ہوتا ہے۔ مولانا جے پور کالج میں علوم شرقیہ کے مدرس اعلیٰ تھے۔ 1857 کی جنگ آزادی میں پسپائی سے خوف زدہ بہت سے شعرا نے جے پور کا رخ کیا۔ ان میں خواجہ قمر الدین خاں راقم، نواب احمد مرزا خاں آگاہ اور امراؤ مرزا انور تلامذۂ غالب اور میر واجد علی شگفتہ تلمیذ رشک لکھنوی کے نام شامل ہیں۔ میر زکی دہلوی، جلال رام پوری اور نواب زین العابدین خاں عابد رامپوری بھی اس دور کے ممتاز شعرا تھے۔ ان شعرا کے جے پور پہنچنے کے بعد شعر و سخن کی محفلوں میں گرمی اور حرارت پیدا ہوگئی۔ جے پور میں 1871 میں ایک "بزم ادب" قائم کی گئی۔ صدارت کے لیے مولانا سلیم الدین کو منتخب کیا گیا اور اس بزم کے تحت مشاعرے باقاعدہ منعقد ہونے لگے[7] پنجاب میں مشاعروں کا تذکرہ مولانا حالی کی مجموعۂ نظم حالی کے مقدمے میں ملتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"انجمن پنجاب نے ایک مشاعرہ قائم کیا تھا، جو ہر مہینے میں ایک بار انجمن کے مکان میں منعقد ہوتا تھا۔ اس مشاعرے کا مقصد یہ تھا کہ ایشیائی شاعری جو کہ دربست عشق اور مبالغے کی جاگیر ہوگئی ہے، اس کو جہاں تک ممکن ہو وسعت دی جائے۔"

بیسویں صدی کے ربع اوّل میں جب مجاہدین آزادی جیلوں میں ٹھونسے جارہے تھے، ان میں عالموں، شاعروں اور دانشوروں کی بھی کثیر تعداد تھی۔ ان لوگوں نے وہیں محفلیں منعقد کیں، جن کی رپورٹیں "روزنامہ زمیندار" لاہور میں شائع ہوئیں۔ ان مشاعروں کی رپورٹوں کو "مشاعرۂ زنداں" کے نام سے اترپردیش اردو اکادمی لکھنؤ نے کتابی صورت میں شائع کیا ہے۔

ایسے مشاعروں میں بسمل الہ آبادی، فیاض گوالیاری، عمر انصاری، روش صدیقی، احسان دانش، جوش ملیح آبادی، سیماب اکبر آبادی، ساغر نظامی اور

شوکت تھانوی نے اپنی شاعری کے جوہر دکھائے اور داد و تحسین حاصل کی۔

بجلی اور لاؤڈ اسپیکر کا زمانہ آیا تو مشاعروں کی ہیئت بدلی اور فہرست مرتب کر کے شاعر کو پکارا جانے لگا، وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر کھڑے ہو کر اپنا کلام سنانے لگا۔ کم و بیش اسی زمانے سے مشاعروں میں ترنم نے رواج پایا، جس کو جگر مراد آبادی نے مزید وسعت دی۔ مترنم شعرا کی کھیپ کی کھیپ مشاعروں میں آنے لگی اور پسند کی جانے لگی۔ یہ روایت آج تک چلی آرہی ہے۔ رفعت سروش نے آزادی سے ذرا پہلے کا تذکرہ کرتے ہوئے دہلی کی ایک ادبی انجمن کے حوالے سے اپنی کتاب "نقوشِ رفتہ" میں لکھا ہے: "بعد نماز مغرب محفلِ مشاعرہ منعقد ہوتی تھی اور مغرب سے قبل بزم نثر، اس بزم میں کبھی کبھی خواجہ حسن نظامی بھی آتے تھے۔ جامع مسجد کے قرب و جوار میں رہنے والے اکثر شعرا بھی ان محفلوں میں شریک ہوتے تھے۔ قدیم رنگ کی غزلیں پسند کی جاتی تھیں، رعایتِ لفظی اور معاملہ بندی کو کمالِ فن تصور کیا جاتا تھا۔ ان محفلوں میں کنور مہندر سنگھ بیدی سحر، فیض جھنجھانوی، بسمل شاہ جہاں پوری، گلزار دہلوی اور جمیل الدین عالی پیش پیش رہتے تھے، ان دنوں مشاعرہ محض نمائشی چیز نہیں تھا بلکہ عملی طور پر نظم و نسق قائم کیا جاتا تھا۔" رفعت سروش کے مطابق مشاعروں کو آج بھی ادب و شعر کی ترویج اور اہم مقاصد کے لیے استعمال کیا جاسکتا ہے، مگر اس کے لیے غیر جانبداری، ادبی سوجھ بوجھ اور عرق ریزی کی ضرورت ہے۔ آج بھی مشاعرے اپنی تمام خامیوں کے باوجود عوام تک پہنچنے کا ایک موثر ذریعہ ہیں۔(8)

معروف ادیب و شاعر مخمور سعیدی مشاعروں سے متعلق سہ ماہی اثبات و نفی (کلکتہ) میں شائع شدہ اپنے انٹرویو میں یوں روشنی ڈالتے ہیں: "ہمارا کلاسیکی ادب باقاعدہ، منظم اور مرتب معاشرے کا ادب ہے جہاں ہر چیز کے خاص آداب و ضوابط طے تھے، وہیں شاعری کے بھی تھے، ان قواعد یا آداب و ضوابط کی خلاف ورزی آسان نہیں تھی، لیکن اب یہ سب چیزیں بکھر گئی ہیں۔ آج سے پچاس برس پہلے تک سارا زور اس بات پر دیا جاتا تھا کہ کس ڈھنگ سے کہا، کیسے کہا۔ شعرا جب مشاعرے میں شعر سناتے تھے تو اس بات پر خاص زور دیا جاتا تھا کہ صاحب فلاں استاد نے اس خیال کو یوں کہا تھا، خاکسار نے یوں کہنے کی کوشش کی ہے۔ مضمون کی تلاش ضروری نہیں تھی۔ اس بات کی کوشش کی جاتی تھی کہ فلاں بات کو اس طریقے سے کہہ کر اس میں انفرادیت کا ثبوت دینا ہے۔ اب اس طرح کی پابندی نہیں ہے۔ اب آپ کچھ بھی کہیں وہ ہمارے شعر کا حصہ بن جاتا ہے۔"(9)

اس بات کے کثیر شواہد موجود ہیں کہ گزشتہ صدی کے نصفِ اول اور نصفِ آخر کے آغاز کے چند برسوں بعد تک مشاعرے تعلیم و تعلم کا ایک بڑا ذریعہ تھے۔ استاد اور شاگرد کا رشتہ با معنی ہوتا تھا محض دکھاوا نہیں تھا، اساتذہ کے سامنے زانوئے ادب تہہ کرنے اور ان کی موجودگی میں اپنا کلام سنانے میں مبتدی فخر محسوس کرتے تھے۔ اساتذہ اپنے شاگردوں کو اپنے ساتھ مشاعروں میں لے کر جاتے تھے اور ان کا کلام سنواتے تھے۔

ادبی ذوق کی جلا اور تسکین کا ایک بڑا ذریعہ مشاعرے ہی رہے ہیں۔ لیکن جس طرح مشاعروں نے نئی کروٹ لی ہے، یہ نہ مشاعروں کے لیے بہتر ہے اور نہ اردو شاعری ہی کے لیے۔ آج کے مشاعرے محض رت جگے کا سامان بن کر رہ گئے ہیں۔ اکثر حاضرینِ مشاعرہ صرف ڈرامے باز شاعروں یا شاعرات کو ہی سننا چاہتے ہیں۔ انھیں کلام کے معیار سے کوئی سروکار نہیں ہوتا۔

مشاعرے اب غیر ممالک میں بھی منعقد کیے جانے لگے ہیں اور وہاں بھی ان کی مقبولیت روز افزوں ہے۔ برطانیہ میں تو صورت حال یہ ہے کہ بقول ثروت اقبال، برطانیہ کی ہر اردو کی محفل میں یہاں تک کہ تعزیتی جلسے میں بھی مشاعرے کا انتظام ضرور کرنا پڑتا ہے، ورنہ ان جلسوں کی کارروائی "خالی کرسیوں" کو ہی سننی پڑے۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ مشاعروں کی روایت کو زندہ رکھنے کے ساتھ ساتھ قدما کی فکری روایتوں کو بھی فروغ دیا جائے اور اس کی پہل کیوں نہ ہماری نئی نسل کے شعرا کریں۔ یہ بات سمجھ لینے کی ہے کہ اپنی خامیوں کو سمجھ کر ہی انھیں دور کیا جاسکتا ہے۔

حواشی:

(1) تاریخ مشاعرہ، علی جواد زیدی، ص19

(2) ادب کا مطالعہ، اطہر پرویز، ص55,56

(3) تاریخ مشاعرہ، علی جواد زیدی، ص19

(4) بہ روایت تاریخ مشاعرہ، علی جواد زیدی، ص16

(5) عربی ادب کی تاریخ، عبدالحلیم ندوی، ص68,67

(6) تاریخ مشاعرہ، علی جواد زیدی، ص129

(7) سہ ماہی نخلستان، اپریل تا ستمبر 1986 (جے پور)، جے پور کی ادبی و شعری محفلیں، مضمون نگار: ابوالفیض عثمانی، ص53

(8) نقوشِ رفتہ، رفعت سروش، ص ص32,34,116

(9) سہ ماہی اثبات و نفی (کلکتہ)، ص ص131,132

□□□

G-5/A, Abul Fazal Enclave, Jamia Nagar, New Delhi-25

مشیر الحسن

دوسری قسط

جان کمپنی سے جمہوریہ تک جدید ہندستان کی کہانی

جشن آزادی کی تقریبات میں موتی لال نہرو کے بیٹے، کیمبرج کے تعلیم یافتہ جواہر لال کی مرکزی حیثیت تھی۔ ان کے کردار و عمل اور ان کی دین کا تخمینہ لگانا اور جائزہ لینا بڑا کام ہے کیونکہ نہرو نے متعدد دہائیوں تک انتہائی اہم اور مرکزی کردار ادا کیا ہے۔

1920ء کے اوائل میں ایک سرگرم کانگریسی ورکر کی حیثیت سے سامنے آنے کے بعد وہ مہاتما گاندھی کے سیاسی وارث بن گئے۔ لندن میں Bloomsbury Group کے اثرات کے نتیجے کے طور پر وہ کانگریس کے اندر سوشلزم کے اہم وکیل بنے اور بہت سے دوسرے متعدد انقلابی گروہوں کے لیے مرکز توجہ۔ وہ اپنی ساری عوامی زندگی میں ملک بھر میں دوڑ دھوپ کرتے رہے، سرگرم عمل رہے، تجربات سے سیکھنے کے لیے تیار، تقریروں کے ذریعے اپنی بات دوسروں تک پہنچانے میں مستعد، لوگوں کو جدوجہد میں شامل کرنے کے لیے سرگرداں اور پارٹی پر اپنا اثر چھوڑنے کے لیے کوشاں۔ انھوں نے اپنے آپ کو عوام میں، اقلیتوں اور دوسرے پسماندہ اور محروم لوگوں میں مقبول بنالیا۔ ہندستانیوں کی ایک پوری پیڑھی کے لیے لیڈر سے زیادہ وہ ایک ایسے ساتھی کی حیثیت رکھتے تھے جس نے حال کے بارے میں ایک مخصوص نقطہ نظر کی تلقین و تصویرکشی کی اور مستقبل کی بصیرت دی۔

نہرو کی تشویش اور ان کے مقاصد، انگلستان کی ان کی لبرل ایجوکیشن کے پابند تو نہیں لیکن اُس سے متاثر ضرور تھے۔ اس کے علاوہ، تیج بہادر سپرو کے ساتھ ان کے والد موتی لال نہرو کا بھی اثر تھا، جنھوں نے الہ آباد میں ایک مشترک تہذیب اور مشترک ethos کی تشکیل کی تھی۔ مگر خاندانی زندگی اور تعلیم ہی وہ واحد عنصر نہیں ہے جس نے ان کے مستقبل کی راہ متعین کی۔ بہر حال اردو بولنے والے اشرافیہ کے روشن خیال نقطہ ہائے نظر نے الہ آباد میں رہنے والے ہر شخص کو متاثر نہیں کیا تھا۔ مثال کے طور پر ہندتوا کے اہم مبلغ اور موتی لال نہرو کے زبردست نکتہ چیں مدن موہن مالویہ ہی کو لے لیجیے۔ اسی طرح محمد علی جناح تھے۔ اُن کا اور نہرو کا سماجی اور تعلیمی پس منظر ایک ہی سا تھا مگر وہ مسلمانوں کے ایک الگ وطن کے علم بردار بن گئے۔ اپنے ابتدائی عقائد کے خلاف، گاندھی اور نہرو کے رویوں یا کانگریس میں ایک حلقے کی مسلم دشمن پالیسیوں کے باوجود انھیں ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔ یہیں نہرو اور جناح کا باہمی فرق تھا۔ جہاں جناح نے اپنے نظریاتی لباس کی قطع و برید سیاسی ضرورتوں اور مصلحتوں کے مطابق کی، نہرو نے تفریق کے ہر رجحان کی انتہائی عزم کے ساتھ مخالفت کی۔ وہ جناح کی طرح اپنے عقائد کے معاملے میں ڈگمگائے نہیں۔ اگست 1947 میں ہندستان نے آزادی کا پھل پایا مگر ملک بڑی بے دردی کے ساتھ تقسیم کردیا گیا۔ ایسے وقت میں سیکولر نظریات کی نہرو کی وکالت اور ان کا دفاع غیر حقیقی اور کھوکھلا لگتا تھا مگر اس صورت حال کے باوجود ایک سیکولر ملک اور ایک سیکولر سماج کے لیے ان کے جذبے میں کبھی کوئی کمی نہیں آئی اور نہ وہ اس راہ میں کبھی متزلزل ہوئے۔

حقیقت تو یہ ہے کہ نہرو اور جناح باہمی ہم آہنگی کے ساتھ کام کرنے کے لیے بنے ہی نہیں تھے۔ اگرچہ ان کے معاصرین کو یہ توقع تھی کہ لبرل تربیت دونوں کو ایک دوسرے کے قریب لانے میں معاون ہوگی۔ دونوں کے راستے اس وقت الگ ہوگئے جب جناح نے کانگریسی وزارتوں کی برملا پُرزور ملامت شروع کی۔ ان کی تنقید سخت تھی اور انتہائی سطحی شواہد پر مبنی۔ مگر پیغام جو جناح کی تقریروں اور ان کے خطوط سے مترشح تھا وہ یہ تھا کہ نہرو کی سیکولر لفاظی سے کام نہیں چلنے والا۔ اور Pax Brittanica میں اکیلی کانگریس ہندستان کے آئندہ سیاسی ایجنڈے کو طے نہیں کرسکتی۔ اس میں مسلمانوں کی رائے کا بھی دخل ہونا چاہیے اور یہ کہ ان کے واحد ترجمان کی حیثیت سے انھیں یہ فیصلہ کرنا چاہیے کہ آیا ہندستان کو متحد رکھنا چاہیے یا اسے تقسیم کردیا جانا چاہیے۔

جناح نے پاکستان حاصل کرلیا مگر بعد کو اس خیال کے حامی ہوگئے، اگرچہ دیر سے ہوئے کہ ان کے نئے ملک کا مقدر سیکولر ایجنڈا پر چلنے ہی میں ہے۔ نہرو کے لیے یہ کوئی انکشاف نہیں تھا۔ ان کا طویل المدتی منصوبہ سیکولرزم مخالف رجحانات کو قابو میں رکھنے کا تھا۔ 1940 میں انھوں نے اس بات کو یقینی بنایا کہ نیشنلسٹ تحریک، جس کی رہنمائی ابھی بھی گاندھی جی کررہے تھے، اپنے جمہوری اور سیکولر مقاصد کو ترک نہ کرے۔ ایسا کرنے میں انھوں نے خالص نہروئی (Nehruvian) منزل کی راہ نہیں اپنائی بلکہ اس منزل کی طرف بڑھے جس کا تعین گاندھی نے، کانگریس کے سیکولر حلقے نے اور بائیں بازو کی تنظیموں نے کیا تھا۔

جدید ہندستان کے ایک سیاسی حل کے طور پر ایک سیکولر ریاست کی

بنیاد اس جواز پر تھی کہ ایسی ریاست اپنے شہریوں کو ایک مکمل وجود میں ترقی کرنے کی آزادی عطا کرے گی۔ یہ ایک نیا اور جدید مقصد تھا جو معقول ہونے کے ساتھ ساتھ خصوصی طور پر ہندستانی بھی تھا۔ یہ اقدار سب پر واضح تھیں اور اسی لیے یہ نہرو اور ان کے ساتھیوں کے لیے سیکولر اسٹیٹ کے بنیادی اور قطعی جواز کی حیثیت رکھتی تھیں۔

''ہندستان میں ہم سب کے لیے'' انھوں نے اپنے وزرائے اعلیٰ سے کہا، ''فرقہ وارانہ اتحاد اور ایک سیکولر اسٹیٹ کا مسئلہ بالکل صاف اور واضح کر دیا جانا چاہیے۔ ہم اس نظریے کے ساتھ کافی عرصے تک کھیلتے رہے ہیں اور آج اس سے خاصے دور ہو چکے ہیں۔ ہمیں واپس ہونا چاہیے اور نہ چوری چھپے اور نہ ہی معذرت خواہی کے ساتھ بلکہ کھلم کھلا اور جارحانہ انداز میں واپس ہونا چاہیے''۔

نہرو اپنے وزرائے اعلیٰ کو یہ تحریر لکھ رہے تھے اور اسی وقت جامعہ ملیہ اسلامیہ کے جرمنی کے پڑھے ہوئے ایک عالم ڈاکٹر عابد حسین نہرو کی کتاب ''ڈسکوری آف انڈیا'' کا اردو ترجمہ ختم کر رہے تھے۔ جمنا کے قریب اوکھلا میں یہ حبس اور گرمی کی ایک شام تھی جب انھوں نے کتاب کے ترجمے کے کچھ حصے اپنی بیوی صالحہ عابد حسین اور اپنے ساتھیوں ذاکر حسین اور محمد مجیب کو سنائے۔ عبارت جوان لوگوں کو بہت دلچسپ لگی وہ وہ تھی جہاں نہرو نے ملک کی تعمیر اور ملک کے پرانے مسائل اور پریشانیوں کے حل کی تلاش میں پیش آنے والی دشواریوں کی بات کی تھی۔ عابد صاحب نے تھوڑے توقف کے بعد پڑھنا شروع کیا۔

> ''... ہندستان میں ہر وقت مصیبت ہمارے سر پر منڈلاتی رہتی ہے۔ اور کبھی کبھی ہم پر نازل ہو کر ہمیں تباہ کر دیتی ہے۔... ہندستان کے حصے بخرے ہو جانا اور حصے کا دوسرے سے تعاون یا اس کی پرواہ کیے بغیر اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ بنانا اس بیماری کی شدت میں اضافہ کر دے گا اور ہم ایسی مصیبت میں مبتلا ہو کر رہ جائیں گے جس سے نجات پانے کی کوئی صورت نہ ہوگی۔ یوں بھی کافی دیر ہو چکی ہے اور ہمیں کھوئے ہوئے وقت کی تلافی کرنا ہے۔... اب بھی بہت سے لوگ ہیں جو اس کے سوا اور کوئی بات سوچنے کی صلاحیت ہی نہیں رکھتے کہ ان کی نمائندگی کا مناسب تناسب اور وزن مزید کیا ہو، پارٹیوں کی طاقت میں کس طرح توازن پیدا کیا جائے۔ جماعتوں کے مخصوص حقوق کی حفاظت کا کیا انتظام ہو، اور نئی نئی جماعتوں کو خاص حقوق اور مراعات کیسے دلائے جائیں۔ وہ دوسروں کو آگے بڑھنے سے روکنا چاہتے ہیں کیونکہ وہ خود آگے بڑھنا نہیں چاہتے یا نہیں بڑھ سکتے۔ وہ اپنے مستقل حقوق کو قائم رکھنے کی فکر میں رہتے ہیں اور اہم سماجی اور معاشی تبدیلیوں سے بچنا چاہتے ہیں۔ ان کی خواہش ہے کہ ہندستان کا یہی موجودہ نقشہ تھوڑی بہت سطحی تبدیلیوں کے ساتھ باقی رہے۔ اس سے بڑھ کر حماقت اور کیا ہو سکتی ہے...۔''

(ترجمہ ڈاکٹر عابد حسین: ''تلاش ہند''، جلد سوم، صفحہ 509)

مجیب نے اپنی شیروانی کے بٹن بند کیے سگار کا کش لیا اور یہ اشعار پڑھے:

بول، کہ لب آزاد ہیں تیرے
بول، زباں اب تک تیری ہے
تیرا ستواں جسم ہے تیرا
بول کہ جاں اب تک تیری ہے
بول، یہ تھوڑا وقت بہت ہے
جسم و زباں کی موت سے پہلے
بول، کہ سچ زندہ ہے اب تک
بول، جو کچھ کہنا ہے کہہ لے

(فیض)

ان اشعار کو پڑھنے کے بعد وہ اٹھ کھڑے ہوئے، اور عابد صاحب کے گھر سے نکل کر اپنی کار میں بیٹھ گئے۔ انھیں راشٹرپتی بھون میں ایک ڈنر میں شریک ہونا تھا۔

☆☆☆

جان کمپنی سے جمہوریہ تک

ممتاز مورخ پروفیسر مشیر الحسن نے اس کتاب میں جدید ہندستان کی تاریخ افسانوی طرز پر اور مکالماتی انداز میں پیش کی ہے۔ تاریخ یوں بھی دلچسپ موضوع ہے لیکن پروفیسر مشیر الحسن کے اختیار کردہ طریق کار نے کتاب کو مزید دلچسپ بنا دیا ہے اور تاریخی واقعات پر کرداروں کے نجی ردِ عمل نے جو مختلف طبقات کی نمائندگی کرتے ہیں، اسے ایک نئی جہت دے دی ہے۔

دوسرا ایڈیشن 104 صفحات قیمت: 21 روپے

رتن ناتھ سرشار ("فسانۂ آزاد" جلد اوّل سے اقتباس)

امیر زادوں کو فکرِ معاش اور نوکری کی تلاش

ساقیا مے ہلا کے ٹھلیا دے
سوندھی متّی کی بھر کے کلھیا دے
ساقیا تجھ سے التجا یہ ہے
سچ جو پوچھے تو مدّعا یہ ہے
گھول کر اک ذری پلا افیون
تاکہ پھر نشے میں گٹھے مضمون
حظ اُٹھایا بہت مسہری کا
اب تماشا دکھا کچہری کا

میاں آزاد صبح مُنہ اندھیرے تاروں کی چھاؤں میں بسترِ استراحت سے اٹھے، معادل میں ٹھان لی چلو بھائی ادھر ادھر کے تو خوب سیر سپاٹے کیے، اب ذری عدالت اور کچہری کی بھی دو گھڑی سیر کر آئیں۔ پہنچے تو دیکھتے کیا ہیں کہ ایک لق و دق باغ ہے اور سہانی چھاؤں میں میلا سا جمع ہے۔ کوئی حلوائی سے میٹھی میٹھی باتیں کرتا ہے، کہیں خوانچے والا بیٹھا ہے (گلابی حلوا سوہن)۔ مداریے حقے ایک سمت تازے کیے جاتے ہیں۔ دو تڑاخا کے واہ واہ۔ میں آتو آ۔ یہ آوہ آ۔ آدمیوں کا تانتا لگا ہوا ہے۔ جیسیوں منشی متصدی چٹائیوں پر بیٹھے عرضیاں لکھ رہے ہیں۔ مستغیث ہیں کہ ایک ایک کے پاس دس دس جھرمٹ کیے بیٹھے قانون چھانٹ رہے ہیں۔ (ارے منشی جی یو کا انٹ سنٹ چکھٹیاں سی کھچائے دیہو۔ ہم تو آپن مجمون بتاوت ہیں آؤ تم اپنے اڑھائی چاول الگے چوراوت ہو۔ لے مور منسی جی! تنک اُس سوچ بچار کر لکھو تاکہ پھر یک ثانی کیا، مکدمہ ڈھسمسائے جائے، توہار گوڑ دھرت ہے۔ دو ہی کچّا اور لے لیو)۔ یہ زبان سنتے ہی میاں آزاد ہنس پڑے۔ گواہ گھر کی طرف جو رخ کیا تو سبحان اللہ۔ سبز مندیلیں اور فوق البھڑک پھٹے ہی پھٹے نظر آتے ہیں۔ وکلا ادھر اُدھر بیٹھے مقدمے چکار رہے ہیں۔ ہیں تو میرزا منشی، لیکن یہ چکوتا کیسا؟ اِدھر اُدھر دیکھا۔ یار نہ غمگسار، نہ کوئی ہاں ہوں سے شریک، نہ کوئی پرسانِ حال، اکیلا باؤلا، مثل مشہور ہے۔ پیچھے پھر کر دیکھا کہ ایک دوست کھڑے گلوریاں بنوا رہے تھے۔ جان میں جان آئی۔ مارے خوشی کے باچھیں کھل گئیں۔ فرطِ ابتہاج سے بول اٹھے کہ اے حضرت! ہم بھی ہیں پانچویں سواروں میں، آخاہ آپ ہیں؟ آیئے۔ کہاں بھول پڑے۔ جی یوں ہی چلا آیا۔ دوست نے کہا آیئے کچہری کے اندر چلیے۔ دو قدم بڑھے تھے کہ چپراسی نے کڑک کر آواز لگائی۔ سیتا بیگ حاضر ہے! ایک ایمی کے پاؤں لڑکھڑائے۔ سیڑھیوں سے لڑھکتے ہوئے دھم سے نیچے۔ یا علیؑ ایک ٹھول نے کہا۔ واہ قبلہ دیکھیے یہ شرط نہ تھی۔ گرے تو، مگر بندہ درگاہ سے پوچھ نہ لیا۔ اٹھے تو یار لوگوں نے گرد جھاڑ دی۔ اتنے میں ایک اپرینٹس (امیدوار) اور آیا اور کرسی پر ڈٹ گیا۔

امیدوار: کہاں سے آنا ہوا۔

دوست: جی اسی شہر میں رہتا ہوں۔

امیدوار: کچہری میں کھڑے رہنے کا حکم نہیں ہے۔ ہمارے کمرے میں سے آپ جایئے۔ ورنہ چپراسی کو آواز دیتا ہوں۔

دوست: بگڑیے نہیں بس صرف یہ تو بتا دیجیے، کہ آپ کا عہدہ کیا ہے؟

امیدوار: ہم امیدواری کرتے ہیں۔ تین مہینے سے روز یہاں کام سیکھتے ہیں۔ اب فرّاٹے اڑاتا ہوں۔ آٹھوں گانٹھ کمیت، ڈاکٹ تڑ سے لکھ لوں۔ نقشہ چٹکیوں میں بناؤں۔ کسی کام میں بند نہیں۔ پندرہ روپیہ کی اسامی، ہمیں صبح و شام ملا ہی چاہتی ہے۔ مگر پہلے تو واللہ گھانس چھیلنا مشکل معلوم ہوتا تھا، اب بقراط بن گیا۔

آزاد: کیوں میاں صاحبزادے تمھارے والد کہاں نوکر ہیں۔

امیدوار: نوکر؟ توبہ توبہ کیجیے۔ وہ دس گاؤں کے زمیندار ہیں۔

آزاد: کیا تم کو گھر سے نکال دیا یا عاق کر دیا یا کچھ کھٹ پٹ ہے؟

امیدوار: ہم ہونہار لڑکے ہیں۔ اس سن میں نوکری کی فکر ہوئی۔

آزاد: حضرت جسے کھانے کو روٹیاں نہ ہوں وہ ستو باندھ کر نوکری کے پیچھے پڑے تو مضائقہ ندارد۔ تم خدا کے فضل سے خوش و خرم، مرفہ حال، فارغ البال، زمیندار روپے والے ہو۔ تم کو یہ کیا سوجھی کہ دس پانچ کی نوکری کے لیے ایڑیاں رگڑتے ہو۔ اسی سے تو ہندوستان خراب ہے۔ ہائے اسی سے ہندوستان خراب ہے۔ واہ رے ادبار۔ جسے دیکھو نوکری پر ہزار جان سے عاشق۔ میاں صاحبزادے کہا مانو اپنے گھر جاؤ، اپنا کام دیکھو۔ اس پھیر میں نہ پڑو۔ عمامہ باندھا اور کچہری میں جوتیاں چٹخاتے پھرتے ہیں۔ محرری پر لوٹ،

● فسانۂ آزاد کلاسیکی اہمیت کی حامل کتاب ہے۔ فنی اعتبار سے یہ داستان اور ناول کے درمیان کی صنف ہے۔ فسانۂ آزاد نہ صرف زبان و بیان اور معاشرے کی عکاسی کی وجہ سے بلکہ اپنے دلچسپ کرداروں کے اعتبار سے بھی پرکشش ہے۔ فسانۂ آزاد کا دوسرا ایڈیشن زیر طبع ہے۔

امانت پر اُدھار کھائے بیٹھے ہیں اور گھر میں سونے کی اینٹیں بھری ہیں۔ لاحول ولا قوۃ۔

دوسرے امیدوار کی نسبت معلوم ہوا کہ ایک مہاجن لکھ پتی کا لڑکا امیدواری کرتا ہے۔ باپ کی کوٹھی چلتی ہے۔ لاکھوں کا وار انیارا۔ بیٹا بارہ روپے کی نوکری کے لیے سو سو چکر لگاتا ہے۔ چوتھے درجے سے مدرسہ چھوڑا اور اپرینٹس ہوئے۔ کام خاک نہیں جانتے ہیں۔ ڈاکٹ میں لکھتے انڈر سر۔ باہر جاتے ہیں تو منصرم صاحب سے پوچھ کر۔ مولوی صاحب اگر اجازت باشد، آب خوردہ بیایم؟ اس وقت جب سب دفتر والے اپنے اپنے گھر جانے لگے تو حضرت پوچھتے کیا ہیں۔ کیوں جی یہ سب چلے جاتے ہیں، اور ابھی چھٹی کی گھنٹی تو بجی ہی نہیں۔ اسکول کی گھنٹی یاد آگئی۔

میاں آزاد دل ہی دل میں سوچنے لگے کہ کمسن لڑکے، مسیں بھیگتی ہوئی، نوجوان، امیروں کے لڑکے، ابھی کم عمر و، نامِ خدا پندرہ پندرہ، سولہ سولہ برس کا سن، پڑھنے لکھنے کے دن، مدرسہ چھوڑا، کالج سے منہ موڑا۔ امیدواروں کے زمرے میں شامل، اپرینٹسوں کی ٹکڑی میں داخل۔ الغرض ایف اے نگاڑا، علم و ہنر کو چنے کے کھیت میں پچھاڑا۔ ہائے ستم، وائے ستم! محنت کرنا وبال، درس و تدریس میں جی لگانا دشوار، دو چار برس جم کر پڑھنا محال۔ لاحول ولا۔ یہ سب ہندوستان کے ادبار پر وال ہے۔ یورپ میں دیکھیے کہ ایک ایک پیر زال تک تربیت یافتہ و بدیع الخیال ہے۔ افسوس اپنی تو یہ کیفیت کہ جہاں کسی کمسن مرفہ حال کو قبل تکمیل مدرسہ چھوڑتے دیکھا، سینہ پاش پاش ہو گیا۔ تو جواب یہی پایا کہ اقلیدس کی شکل سے نفرت ہے۔ جبر ومقابلہ سیکھنا طبیعت پر جبر کرنا تھا۔ تاریخ یاد کیے رہے۔ یہاں تو خدا جھوٹ نہ بلائے، گھر کے بچوں کا نام یاد نہیں آتا۔ لہٰذا پڑھنے کی ذم میں نمدا باندھا۔ ہم بھی سوچے کہ کہاں کی جھنجھٹ۔ بھئی الگ بھی کرو چلتا دھندا کرو۔ اور لطیفہ سنیے! مدرسہ چھوڑا، اور نوکری کی فکر ہوئی، عمامہ او نٹ پٹانگ باندھا اور کچہری میں غڑاپ موجود۔ اس لپٹی دستار کے قربان اور اس وحشت کے صدقے۔ زمیندار کے لڑکے کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ کھیتی کو یک قلم القط کرے اور کچہری میں گھس پیٹھ کر داخل ہووے۔ تاجوئے صاحبزادے کو جی سے لگی ہے کہ کالج سے چپت ہوں، اور کچہری کی کرسی پر جا ڈٹوں۔ متصدی محرر منشی اہل قلم کے صاحبزادوں کی تو گھٹی ہی میں نوکری ہے۔ علما، فضلا، عقلا، کملا، معزز حکام اور افسرانِ ذوی الاحترام کہتے کہتے تھک گئے کہ پڑھ لکھ کر اپنا اپنا پیشہ کرو اور اسی کو چمکاؤ، مگر بابو بننے کا شوق اور اہلِ دفتر کہلانے کا عشق ایسا چراتا ہے کہ عقل بالائے طاق، وحشت گلے کا ہار ہوتی ہے، مگر دیکھیے تو سہی رفتہ رفتہ سب سیدھے ڈھرّے پر آجائیں گے اور چار دانگ ہند میں تربیت یافتہ ہی تربیت یافتہ نظر آئیں گے۔

Learn Urdu Through Distance Education / Self Study Programme

Certificate course in Urdu for non-Urdu knowing learners has been launched w.e.f. 1 March, 2001. The following books are available :

English Medium

- Let's Learn Urdu
  Beginner's Manual for Urdu Script — *by Gopi Chand Narang*
- Work Book : Let's Learn Urdu — *by Gopi Chand Narang*
- Introductory Grammar of Urdu
- Work Book : Introductory Grammar of Urdu

Hindi Medium

- उर्दू कैसे लिखें (उर्दू लिपि सीखने की बुनियादी किताब) - *गोपी चन्द नारंग*
- अभ्यास पुस्तिका : उर्दू कैसे लिखें - *गोपी चन्द नारंग*
- प्रारंभिक उर्दू व्याकरण
- अभ्यास पुस्तिका : प्रारंभिक उर्दू व्याकरण

Books will be supplied free of cost to registered learners. For prospectus & application form write to :

Contact: Urdu Education Cell

NCPUL, West Block-8, Wing-7, R.K.Puram, New Delhi-110066

email : urdueducation@hclinfinet.com

سلمان عابد

کیرئیر گائیڈنس

ملازمت اور روزگار کے مواقع

ملازمت یا روزگار کی اہمیت سے انکار کرنا بالکل ایسے ہی ہے جیسے انسانی ڈھانچے میں ریڑھ کی ہڈی کے وجود اور اہمیت سے انکار کرنا۔ اس لیے کوئی بھی شخص اس کی اہمیت کا منکر نہیں ہو سکتا۔ جب یہ حقیقت تسلیم تو اب حقیقت سے بھی آگہی ضروری ہے کہ ہمیں آج کے اس دور میں روزگار اور ملازمتوں کا کوئی قحط نہیں مگر شرط یہی ہے کہ ہم اس کے تقاضوں کی تکمیل کے حامل بنیں۔ ملازمت کی ہر قسم اور روزگار کی ہر ایک نوع اپنے چند تقاضے ہوتے ہیں اور اگر ہم ان تقاضوں کی کسوٹی پر پورا اترتے ہیں تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ ملازمت یا روزگار ہم سے دور بھاگے یا ہمیں دھتکار دے۔

مگر ایسا ہو رہا ہے کہ ہم یا تو ان حقیقتوں سے ناواقف ہیں یا اپنے آپ کو تقاضوں سے ہم آہنگ نہیں کر پا رہے ہیں یا پھر تقاضوں سے ہم آہنگی کے بعد ان کی صحیح پیش کش اور اس صحیح پریزنٹیشن کے لیے صحیح طریق کار اختیار نہیں کر پا رہے ہیں۔ روزگار نہ ملنے یا ملازمت نہ حاصل ہونے کے کئی اسباب ہو سکتے ہیں۔ صرف ایک وجہ جانبداری، صرف ایک وجہ تعصب یا صرف ایک وجہ رشوت و رسوخ نہیں ہو سکتی۔ ہر ناکامی اپنے اندر ایک سبق رکھتی ہے۔ شرط ہے کہ ہم یہ سبق پڑھیں، اس سے سیکھیں اور اس کا آموختہ جاری رکھیں۔

روزگار اور ملازمتیں چار بڑے زمروں میں منقسم ہیں۔

(I) سرکاری روزگار (II) دفاعی شعبوں میں روزگار (III) خانگی روزگار (IV) خود روزگار

(I) سرکاری روزگار:

اس زمرے کو ہم مزید دو شاخوں میں بانٹ سکتے ہیں۔

قومی سرکاری روزگار اور ریاستی سرکاری روزگار

قومی سرکاری روزگار:

ملک کے تمام مرکزی محکموں میں نچلے درجے کے رتبوں سے اعلیٰ ترین مراتب تک کے لیے تقررات کرنے کے مجاز دو ادارے ہیں۔

(1) یونین پبلک سروس کمیشن (UPSC)

(2) اسٹاف سلیکشن کمیشن (SSC)

(1) یونین پبلک سروس کمیشن کی جانب سے منعقد کیے جانے والے امتحانات، تمام اعلیٰ ترین خدمات جیسے کلکٹر، پولیس، فارن آفیسر وغیرہ کے لیے ہوتے ہیں۔ یہ امتحان سال میں دو مرتبہ جون اور دسمبر میں منعقد کیے جاتے ہیں، اس کا مرکزی دفتر نئی دہلی میں قائم ہے۔ اس کے تحت منعقد کیے جانے والے امتحانات میں درج ذیل شامل ہیں:

1-کمبائنڈ ڈیفنس سروسز 2-کمبائنڈ میڈیکل سروسز 3-سول سروسز 4-این. ڈی. اے. 5-انجینئرنگ سروس 6-انڈین فارسٹ سروس 7-اسپیشل کلاس ریلوے اپرنٹس 8-انڈین اکنامک سروس 9-جیالوجسٹ امتحان 10-سیکشن آفسر، اسٹینو گرافر، ڈپارٹمنٹل امتحان وغیرہ وغیرہ

شرکت کی اہلیت: ان امتحانات میں شرکت کے لیے امیدوار کو کسی بھی میڈیم یا کسی بھی ڈسپلن میں بس گریجویٹ ہونا کافی ہے۔ البتہ حد عمر 25 اور 30 سال کے اندر ہے۔ ان میں سے اکثر امتحانات سال میں دو مرتبہ منعقد کیے جاتے ہیں۔ (اس سے قبل "اردو دنیا" کے اس کالم میں "روزگار کے مسابقتی امتحانات" کے عنوان سے مکمل تفصیل چھپ چکی ہے)

(2) اسٹاف سلیکشن کمیشن کی جانب سے درج ذیل امتحانات منعقد ہوتے ہیں اور اس کا مرکزی دفتر دہلی میں قائم ہے:

کلرکی گریڈ امتحان: کمبائنڈ پری گریجویٹ لیول امتحان۔ کمبائنڈ پری میٹرک لیول امتحان، جونیئر ہندی ٹرانسلیٹر، سیکشن آفیسر، وغیرہ وغیرہ۔

ریاستی سرکاری روزگار:

ریاستی سرکاری روزگار حاصل کرنے کے لیے ان ذرائع کا استعمال کیا جا سکتا ہے۔

(الف) پبلک سروس کمیشن (ب) کالج سروس کمیشن (ج) قومی و اہم اخبارات۔

ریاستی محکموں اور شعبوں میں روزگار حاصل کرنے کے لیے پبلک سروس کمیشن کے امتحانات میں کامیابی لازمی ہے۔ ہندستانی جامعات میں لیکچرر کی بھرتی کے لیے ایک یونی ورسٹی سروس کمیشن کی تجویز بھی تقریباً ایک دہے سے زیر تصفیہ ہے۔ اس کے علاوہ سرکاری و خانگی روزگار حاصل کرنے میں قومی و اہم اخبارات بڑے معاون ہیں۔ تقررات تحریری امتحان، انٹرویو اور گروپ ڈسکشن کے ذریعے عمل میں لائے جاتے ہیں۔

II- دفاعی شعبوں میں روزگار:

دفاعی شعبہ مرکزی خدمات میں آتا ہے۔ ان میں تقررات کے لیے یو پی ایس سی کے علاوہ قومی اخبارات اہم ذریعے ہیں۔ انٹرنیٹ کے ذریعے بھی معلومات حاصل کی جا سکتی ہیں اور اپلائی کیا جا سکتا ہے۔ ان میں سے اکثر تقررات کے لیے اسٹاف سلیکشن بورڈ (SSB) تشکیل دیا گیا ہے جس کے

لڑے امتحانات (مشق / پریکٹکل) سے گزر کر تقرر حاصل کیا جاسکتا ہے۔

وفاقی خدمات ان تین بڑے صیغوں میں منقسم ہیں۔ آرمی، نیوی، ایرفورس۔ ان شعبوں میں تقررات کے لیے یو پی ایس سی کے علاوہ آرمی رکروٹمنٹ بورڈ، ایرفورس رکروٹمنٹ بورڈ، اور نیوی رکروٹمنٹ بورڈ سلیکشن ٹسٹ منعقد کرتا ہے۔ یونین پبلک سروس کمیشن سال میں دو مرتبہ نیشنل ڈفینس اکادمی کے امتحانات منعقد کرتا ہے۔ وفاقی شعبے میں داخلے کے لیے مزید یہ راستے ہیں۔ NCC، Territorial Army، سینک اسکول، آرمڈ فورسس، میڈیکل کالج پونے، انڈین ملٹری کالج دہرہ دون وغیرہ۔

کالج یا اسکول کی عمر میں ان شعبوں میں داخلے حاصل کرنا ہو تو این سی سی یا پھر سینک اسکولس، یا انڈین ملٹری کالج میں چھٹی اور ساتویں جماعت سے داخلہ حاصل کیا جاسکتا ہے۔ کم از کم تعلیمی قابلیت دسویں جماعت ہے اور زیادہ سے زیادہ تعلیمی قابلیت پروفیشنل گریجویشن اور MPC، 10+2 گروپ کے ساتھ۔ صحت مند طلبہ مختلف حیثیت سے داخلے حاصل کر سکتے ہیں۔

III- خانگی روزگار:

ملک میں روزگار کے سب سے زیادہ مواقع اگر کسی شعبے میں فراہم ہیں تو وہ خانگی شعبہ ہے۔ معمولی دفاتر سے اعلیٰ ترین اور ملٹی نیشنل کمپنیوں کے دفاتر تک ان میں شامل ہیں۔ آج ناقابلِ یقین اور قابلِ رشک تنخواہوں کے حامل رتبے اور عہدے صرف خانگی شعبے میں حاصل کیے جاسکتے ہیں مگر شرط یہی ہے کہ مہارت ہو اور بلا کی مہارت ہو، کوئی اثر و رسوخ اور کوئی رشوت یہاں نہیں کام کرتی ہے اور مہارت کا مطلب وہ صلاحیت ہے جو علمی قابلیت اور کام کے تجربے کا نچوڑ ہے۔

داخلے کی اہلیت: اس شعبے میں آٹھویں جماعت سے پی ایچ ڈی تک اور تمام پروفیشنلس کے لیے داخلے کی گنجائشیں فراہم ہیں۔ ان تقررات تک اخبارات اور انٹرنیٹ کے راستے پہنچا جاسکتا ہے۔ اخبارات کا مطلب صرف اردو اخبارات نہیں بلکہ دیگر زبانوں، قومی، علاقائی اور ریاستی زبانوں کے بڑے اخبارات کا مطالعہ ہی کارگر ہوگا۔ ان کے علاوہ انٹرنیٹ کے ذریعے راست روزگار کے حصول کی کوشش کی جاسکتی ہے۔ چند کارآمد ویب سائٹس یہ ہیں:

www. Jobsindia.com, www. careers.com, www.naukri.com, www.yahoocareers.com

IV- خود روزگار:

خود روزگار کی خصوصیت یہ رہے گی کہ کسی غیر شخص کے دست نگر ہوئے بغیر آپ اپنے آپ روزگار پیدا کریں۔ اس ضمن میں تجارت، کاروبار اور مصنوعات بڑے زمرے تصور کیے جاسکتے ہیں۔ کوئی معمولی چیز بنانا ہو، تیار کرنا ہو یا تشکیل دینا ہو تو اس کے لیے سرمایے اور تربیت کی ضرورت ہوگی۔ یہ دونوں چیزیں طبقاتی، معاشی، اور لسانی بنیادوں پر حکومتوں اور حکومتی اداروں کے زیر اہتمام فراہم کی جاتی ہیں، اس ضمن میں مرکزی و ریاستی حکومتوں کی جانب سے مذکورہ دونوں زمروں میں سہولتیں فراہم کی جاتی ہیں۔ اور یہ سہولتیں درج ذیل اسکیمات کے ذریعے فراہم ہیں:

1- مولانا آزاد ایجوکیشنل فاؤنڈیشن

2- پرائم منسٹر روزگار یوجنا (PCRY)

3- جواہر گرام سمردھی یوجنا (JGSY)

4- سورن جینتی گرام سیوا روزگار یوجنا (SJGSRY)

5- جواہر روزگار یوجنا (JRY)

6- انٹگریٹڈ رورل ڈیولپمنٹ پروگرام (IRDP)

7- ایمپلائمنٹ اشیورنس اسکیم (EAS)

8- اندرا آواس یوجنا (IAY)

9- گنگا کلیان یوجنا (GKY)

10- ٹریننگ آف رورل یوتھ فار سلف ایمپلائمنٹ (TRYSEM)

11- اینٹی پاورٹی پروگرامس (APP)

12- سیلف ہیلپ گروپ (SHG)

13- ڈسٹرکٹ رورل ڈیولپمنٹ ایجنسیز (DRDA)

14- سمپورن گرامین روزگار یوجنا (SGRY)

15- کریڈٹ کم سبسڈی اسکیم (CCSC)

16- کھادی اینڈ گرام ادیوگ

یہ اسکیمات ایسی ہیں جو مرکزی و ریاستی حکومتوں کی جانب سے سارے ہندستان میں رائج ہیں۔ ان کے علاوہ کئی اسکیمیں ایسی ہیں جو مختلف ریاستوں نے اپنی آبادی کے مختلف پہلوؤں کے پیشِ نظر رائج کی ہیں۔ مثلاً آندھرا پردیش میں محکمہ اقلیتی بہبود، اقلیتوں کی فلاح و بہبود کے لیے ڈھیر ساری اسکیمیں چلاتا ہے۔ ایسے خاص محکمے یا شعبے یا اس جیسی اسکیمیں ہندستان کی کئی ریاستوں میں رائج ہیں۔ ان کی معلومات اپنی اپنی ریاست کے ڈپارٹمنٹ آف سوشیل ویلفیر، ڈپارٹمنٹ آف ویمن ویلفیر، ڈپارٹمنٹ آف مائنارٹیز ویلفیر، ڈپارٹمنٹ آف کلچر، ڈپارٹمنٹ آف سوشیل جسٹس اینڈ امپاورمنٹ (مرکزی وزارت کے تحت قائم) وغیرہ سے حاصل کی جاسکتی ہیں۔ اگر کچھ دشواری ہو تو اپنی اپنی ریاست کی اردو اکادمیوں یا اقلیتوں سے متعلق سرکاری یا رضاکارانہ اداروں کو بھی حصولِ معلومات و رہنمائی کے لیے زحمت دی جانی چاہیے اور بہ حیثیت مجموعی باوجود کوشش کے اخفا رمیشن نہ مل پائے تو مجھے لکھنے میں ہچکچاہٹ نہ کیجیے۔ ایک خط کے جواب میں یہ معلومات آپ تک پہنچا دی جائیں گی۔

عظیم صدیقی

مائکروسافٹ ورڈ

متن کے کالم بنانا (Making Columns)

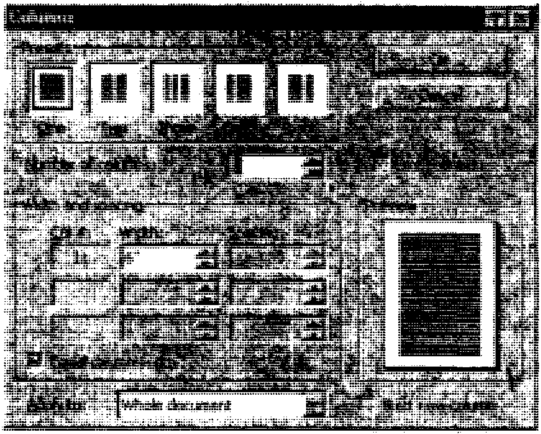

- متن کو کالموں میں تبدیل کرنے کے لیے اس متن کو منتخب (Select) کریں جس کو کالموں میں بدلنا ہے۔
- تزئین کاری (Format) کی فہرست میں جاکر کالم (Column) پر کلک کرنے سے یہ استفساریہ نکلے گا۔
- سب سے پہلے کالموں کی تعداد (Number of Columns) کا تعین کر کے کسی ایک پر کلک کریں یا لکھیں۔
- کالم کی چوڑائی (Width) اور دو کالموں کے درمیانی فاصلے (Spacing) کا تعین کیجیے۔
- Apply to : [Selected text] میں جاکر متبادلات میں جاکر کسی ایک کو منتخب کیجیے۔
- پیش منظر (Preview) میں دیکھ کر اور مطمئن ہو کر OK پر کلک کیجیے۔ کالم بن جائیں گے۔
- کس سطر سے دوسرا کالم شروع ہو اس کا بھی تعین ☐ Start New Column میں اندراج سے کیا جاسکتا ہے۔

وتد منزل (Tab)

- کبھی کبھی ایک فہرست نما یا جدول (Index/ Table) ٹائپ کرنے کے لیے کئی فاصلوں پر ٹائپ کرنا پڑتا ہے۔ اس کے لیے Tab کا استعمال کرنا پڑتا ہے۔ یوں تو MS Word میں ایک دفعہ Tab دبانے سے یہ عادتاً "0.5 بڑھ جاتا ہے۔ دو دفعہ دبائیں تو ایک انچ اور تین دفعہ تو ڈیڑھ انچ۔ لیکن اگر کوئی خاص کام کرنا ہو تو Tab کا یہ فاصلہ آپ خود متعین کر سکتے ہیں۔
- تزئین (Format) کی فہرست میں جاکر Tab پر کلک کیجیے۔
- سب سے پہلے عادتاً منزل (Default Tab Position) پر دھیان دیں۔ یہ حسبِ منشا بدلا بھی جاسکتا ہے۔ اس کے پیکانوں پر کلک کر کے یہ فاصلہ کم و بیش کیا جاسکتا ہے یا کرسر کو بکس کے اندر کلک کر کے مجوزہ فاصلہ ٹائپ کیا جاسکتا ہے۔

- اب Set پر کلک کر کے OK کرنے سے Tab دبانے پر یہی فاصلہ طے کرے گا۔ یہی اس کی عادتاً منزل ہوگی۔
- Tab کو مختلف جگہوں پر ٹھہرانے کے لیے یہ عمل کیجیے۔
- ملان (Alignment) کے خانے میں دائیں/وسط/بائیں (Left/ Centre/ Right) چال کا انتخاب کریں۔
- ٹائپ کے بعد اگر رہنما لائن (Leader) چاہتے ہیں تو اس کی طرز پر کلک کریں ورنہ نفی (None) پر کلک کریں۔
- منزل وتد (Tab Stop Position) کے خانے میں کرسر کلک کریں اور پہلی منزل کا اپنا مجوزہ فاصلہ ٹائپ کریں۔
- اب Set پر کلک کریں۔ یہ پہلی منزل وتد کا تعین ہوا۔
- وتد منزل کی دوسری تیسری اور چوتھی منزل کا تعین کرنے کے لیے Tab Position کے خانے میں منزل کی دوری کا ناپ ٹائپ کرنے کا عمل اور Set پر کلک کرنے کا عمل اتنی دفعہ دہرانا پڑے گا جتنی منزلیں آپ کو وتد کی چاہئیں۔
- سارے عمل مکمل ہونے پر OK کلک کریں۔ Tab دبانے سے کرسر ان منزلوں پر یکے بعد دیگرے ٹھہرے گا۔
- ٹائپ مکمل ہونے پر ان فاصلوں کو اسی استفساریہ سے رد (Clear) یا منسوخ (Clear All) کیا جاسکتا ہے۔

لوحِ تقطیع پر وتد کی منزلیں (Tab Stops at Ruler Bar)

وتد کی منزلوں کا تعین لوحِ تقطیع (Ruler Bar) پر زیادہ آسانی سے ہوسکتا ہے۔ یہ اس طرح ہوسکتا ہے۔

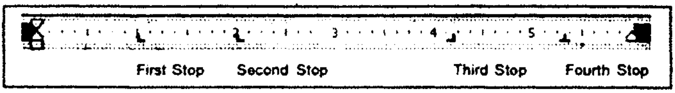

- بالکل بائیں جانب نشان پر کلک کیجیے، جب آجائے تو کرسر کے پیکان کو لے جاکر مطلوبہ جگہوں پر کلک کریں وہیں کا نشان آتا جائے گا۔ یہ وتد کی منزلیں ہیں۔ Tab پر انگلی مارنے سے کرسر ان ہی نشانات پر ٹھہرے گا اور ٹائپنگ بائیں طرف سے شروع ہوگی۔ اسی طرح دائیں جانب کے لیے نشان، مرکزی ٹائپ کے لیے نشان اور اعشاروی (Decimal) کے لیے نشان دائیں جانب کے خانے میں لاکر کلک کرنے سے وتد کی منزلیں (Tab Stop Positions) ضرورت کے مطابق اسی طرف کے لیے مقرر کی جاسکتی ہیں۔
- وتد معلق اس وتد (Indent) کو کہتے ہیں جو وتد در وتد ہوتا ہے۔

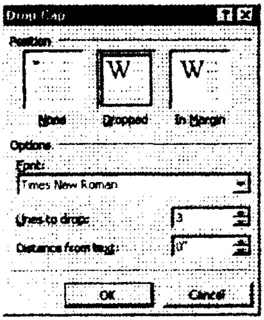

حرفِ مطلع (Drop Cap)

- حرفِ مطلع پیرے کا پہلا حرف تہجی ہوتا ہے۔ یہ متن کے دوسرے حرفوں سے کافی ممیز ہوتا ہے۔ متن میں یہ کیفیت پیدا کرنے کے لیے سب سے پہلے اس پیرے کو منتخب (Select) کریں۔
- پھر Format کی فہرست میں جاکر Drop Cap پر کلک کریں۔ یہ استفساریہ نکل آئے گا۔

- سب سے پہلے Position کا انتخاب کریں۔ منتخب ہوتے ہی اس کے گرد ایک امتیازی کالا حاشیہ آجائے گا۔
- پھر Drop Line کا انتخاب کریں یعنی کتنی لائنیں حرفِ مطلع کے لیے استعمال ہوں گی۔
- اس کے بعد متن اور حرفِ مطلع کی دوری (Distance From Text) کا تعین کریں۔ یہ سب پیمانوں کے نشانات پر کلک کر کے ہو سکتا ہے۔
- اب OK پر کلک کریں۔ حرفِ مطلع قائم ہو جائے گا۔

حرفِ مطلع کی سمت بدلنا (Changing Direction of Drop Cap)

- حرفِ مطلع جب وارد ہوتا ہے تو اس کے چاروں طرف ایک احاطہ ہوتا ہے جس کو کلک کر کے ہٹانا پڑتا ہے۔ پر اس کو ہٹانے کی بجائے آپ اس میں مزید تبدیلیاں لا سکتے ہیں جو ان میں سے کوئی بھی ایک ہو سکتی ہے۔ اس کے لیے Format کی فہرست میں جا کر تبدیلیِ سمت (Change of Direction) پر کلک کریں۔ استفساریہ نکل آئے گا۔
- اس میں دیے گئے متبادلات میں سے کسی ایک پر کلک کریں۔
- OK پر کلک کریں۔ حرفِ مطلع کی سمت بدل جائے گی۔ حرفِ مطلع کے احاطے میں کلک کریں وہاں کرسر نمودار ہو گا، اب آپ مزید ٹائپ کر کے حرفِ مطلع کو بڑھا سکتے ہیں۔
- اس کا صحیح منظر آپ منظرِ پیش طبع (Printers View) میں دیکھ سکتے ہیں اور عمومی منظر (Normal View) میں جا کر تدوین (Edit) کر سکتے ہیں۔

طرزِ تحریر میں تبدیلی (Change in Case)

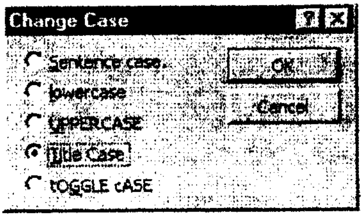

- کبھی کبھی کسی پیرے کو ممیز (Highlight) کرنے کے لیے اس کی طرزِ تحریر کو بھی بدلا جاتا ہے۔ اس کام کے لیے:
- پیرے کو منتخب (Select) کریں۔
- تزئین کاری (Format) پر کلک کر کے اس کی فہرست میں تبدیلیِ طرز (Change Case) پر کلک کریں۔ استفساریہ نکل آئے گا۔
- ہر نام کے سامنے اس طرزِ تحریر کی مثال موجود ہے۔ اس میں جو بھی طرز آپ کو پسند ہو اس کی بندی میں کلک کریں۔
- OK کرنے پر وہی طرزِ تحریر اس پیرا کے متن پر لاگو ہو جائے گی۔
- یہی کام تختۂ کلید پر Shift + F3 دبانے سے بھی ہو سکتا ہے۔

پس منظر (Background)

- اس کی مدد سے آپ اپنے دستاویز کا پس منظر رنگین بنا سکتے ہیں جو بہت خوشنما لگتا ہے۔ عام طور پر یہ انٹرنیٹ (Internet) کے لیے

استعمال ہوتا ہے لیکن اس کو کلر پرنٹر پر طبع کیا جاسکتا ہے۔

- Background پر کلک کرنے سے یہ استفساریہ نکل کر آئے گا۔ اس میں سے کوئی بھی رنگ منتخب کیا جاسکتا ہے۔
- مزید رنگوں کے لیے More Colors پر کلک کریں، ان میں بھی کئی متبادلات ہیں جو آپ خود دیکھ سکتے ہیں۔
- مختلف رنگوں کے امتزاج کے لیے Fill Effect پر کلک کریں۔
- یہ آپ کے دستاویز کا سرِ ورق بنانے میں مددگار ہو سکتا ہے۔

مرکزی خیال (Theme)

- مرکزی خیال کے لحاظ سے آپ کی دستاویز کے سرورق کی شباہت کیسی ہو، یہ اس بارے میں آپ کی رہنمائی کرسکتا ہے۔ Theme پر کلک کرنے پر ایک استفساریہ نکلتا ہے۔
- مختلف قسم کی مثالیں آپ پیکان کو انتخاب طرز (Choose a Theme) کے دریچے میں پیکان کے نشان کلک کر کے دیکھ سکتے ہیں۔
- ان مثالوں کو مدِ نظر رکھ کر آپ اپنا سرورق بنا سکتے ہیں۔
- ... Set Deault پر کلک کرنے سے آپ کا ٹائپ شدہ مواد وہی طرز اختیار کرلے گا جو منتخب کیا گیا ہے۔
- Style Gallery پر کلک کرنے سے مثالوں کا دوسرا استفساریہ نکل آئے گا جو آپ اگلے صفحے پر دیکھ سکتے ہیں۔
- اس میں نہ صرف مثالیں اور سانچے (Templates) ہیں بلکہ ان مثالوں کو اپنے متن میں استعمال کرنے کی ہدایتیں بھی موجود ہیں۔ مثال منتخب ہوتے ہی اس کی ہدایت سامنے دریچے میں دکھائی دیتی ہے۔

خودکار تصحیح (Auto Correct)

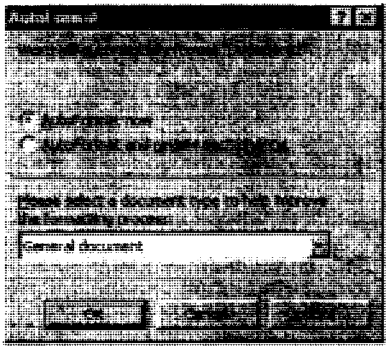

- خودکار تبدیلیِ متن کا مطلب ہے کہ جو بھی تبدیلیاں آپ اپنے متن میں چاہتے ہیں وہ خود بخود ہو جایا کریں۔ اس سے وقت کی کافی بچت ہو جاتی ہے۔ لیکن اس کام کے لیے آپ کو اپنا پروگرام کمپیوٹر میں ڈالنا پڑے گا۔
- Format میں جاکر Auto Format پر کلک کریں گے تو یہ استفساریہ نکل آئے گا۔ آپ اسے چھوٹا نہ سمجھیں۔ اس میں کئی استفساریہ پنہاں ہیں۔
- جو پیکان پر کلک کر کے نمودار ہوتے ہیں وہ General Documents, E-mail & letters ہیں۔ آپ جس متبادلہ پر کلک کریں گے اس میں ہی آپ کا مجوزہ پروگرام کام کرے گا۔ اس کے متبادلات (Options) پر بھی غور کریں۔ اس پر لکھا پیغام غور سے پڑھیں اور کسی ایک متبادلہ (Option) پر کلک کریں۔
- اس دفعہ جو استفساریہ نکل کر آئے گا اس میں چار استفساریے پنہاں ہیں۔ Auto Text, Auto Correct, Auto Format as you type اور Auto Format جن کو یکے بعد دیگرے دیکھیں گے۔

(جاری)

عتیق احمد صدیقی

کوئز

اردو زبان و قواعد

اردو نصابات میں خواہ ان کا تعلق یونی ورسٹی کی تدریس و تعلیم سے ہے یا مقابلہ جاتی امتحانات سے، ادب کے ساتھ ساتھ زبان کے مطالعہ کو بھی شامل کیا گیا ہے۔ اس میں زیادہ حصہ تاریخ زبان اردو سے متعلق ہوتا ہے۔ اس حصے کے پیش نظر ذیل میں کچھ معروضی سوال پیش کیے جارہے ہیں۔ آپ بھی اپنی معلومات آزمائیے۔

ہر سوال کے بعد چار چار جوابات درج ہیں۔ صحیح جواب کا نمبر لکھیے۔

(1) زبان کی تعمیر میں سب سے پہلا درجہ کس کو حاصل ہے؟
(الف) نحویات (ب) صرفیات
(ج) صوتیات (د) معنیات

(2) زبان کی تعریف سے کون سی چیز غیر متعلق ہے؟
(الف) سانس (ب) صدائے جرس
(ج) معاشرہ (د) ترسیل

(3) زبان کی اکائیوں میں مندرجہ ذیل میں سے کیا شامل نہیں ہے؟
(الف) لفظ (ب) تجصوتیہ
(ج) صرفیہ (تشکیلیہ) (د) صوتیہ

(4) اردو میں معکوسی آواز کے لیے استعمال ہونے والی کون سی علامت ہے؟
(الف) ج (ب) ز
(ج) چ (د) ل

(5) اردو میں بسی آواز کے لیے مستعمل علامت کون سی ہے؟
(الف) ک (ب) د
(ج) ل (د) ب

(6) مسموعی آواز ذیل کی کون سی علامت سے ظاہر کی جاتی ہے؟
(الف) پ (ب) ت
(ج) ک (د) ب

(7) ذیل کی علامتوں میں سے کون سی بندشی آواز کے لیے استعمال ہوتی ہے؟
(الف) س (ب) خ
(ج) پ (د) ف

(8) اشباع کا تعلق
(الف) مصمتوں کی تشدید سے ہے
(ب) مصوتوں کی تطویل سے ہے
(ج) مصوتوں کی تقصیر سے ہے
(د) مصمتوں کی تحذیف سے ہے

(9) مصمتی خوشے
(الف) دو مصمتوں پر مشتمل ہوتے ہیں
(ب) دو مصمتوں اور ایک مصوتہ پر مشتمل ہوتے ہیں
(ج) ایک مصمتہ اور دو مصوتوں پر مشتمل ہوتے ہیں
(د) دو مصمتوں کے درمیان ایک مصوتہ پر مشتمل ہوتے ہیں

(10) مدوّر مصوتہ ذیل کے کس لفظ میں استعمال ہوا ہے؟
(الف) خون (ب) گال
(ج) کھیت (د) دس

(11) انفی آواز کے لیے اردو میں کون سی علامت مستعمل ہے؟
(الف) ل (ب) ن
(ج) ک (د) ت

(12) اردو میں بنیادی
(الف) مصوتوں کی تعداد مصمتوں سے زیادہ ہے
(ب) مصمتوں کی تعداد مصوتوں کے برابر ہے
(ج) مصمتوں کی تعداد مصوتوں سے زیادہ ہے
(د) مصمتوں کی تعداد مصوتوں سے کم ہے

(13) اردو میں تجصوتیوں (فونیم) کی تعداد کتنی ہے؟
(الف) 35 (ب) 38
(ج) 46 (د) 52

(14) تشکیلیہ (مارفیم) کسی زبان کی
(الف) سب سے چھوٹی بامعنی اکائی ہے
(ب) سب سے چھوٹی اکائی ہے
(ج) بامعنی اکائی ہے
(د) ناقابلِ تقسیم اکائی ہے

(15) نحو کسے کہتے ہیں؟

(الف) لفظوں کی ترتیب کا مطالعہ

(ب) لفظوں اور حرفوں کا مطالعہ

(ج) لفظوں کے بڑی ساختوں میں مرتب کرنے کے اصول

(د) لفظوں کے مجموعی مطالعے کے اصول

(16) اردو کے لسانی سرمایے کا کثیر حصہ

(الف) عربی الفاظ پر مشتمل ہے

(ب) فارسی الفاظ پر مشتمل ہے

(ج) دیسی الفاظ پر مشتمل ہے

(د) عربی + فارسی الفاظ پر مشتمل ہے

(17) اردو اور ہندی کی سب سے زیادہ مماثلت ان کے

(الف) مصمتی نظام میں ہے (ب) مصوتی نظام میں ہے

(ج) صرفی نظام میں ہے (د) نحوی نظام میں ہے

(18) اردو میں عام طور پر جملے کی ترتیب کون سی ہوتی ہے؟

(الف) فاعل + مفعول + امدادی فعل + فعل

(ب) فاعل + فعل + امدادی فعل + مفعول

(ج) فاعل + مفعول + فعل + امدادی فعل

(د) فاعل + فعل + مفعول + امدادی فعل

(19) سابقہ کیا ہوتا ہے؟

(الف) کسی لفظ کے شروع میں آنے والا دوسرا لفظ

(ب) الفاظ کے شروع میں استعمال ہونے والے چھوٹے چھوٹے جز

(ج) الفاظ کے آخر میں استعمال ہونے والے چھوٹے چھوٹے جز

(د) کسی لفظ کے شروع یا آخر میں جوڑے جانے والے جز

(20) محققین اب اس بات پر اتفاق کرنے لگے ہیں کہ آریاؤں کا وطن

(الف) تبت تھا (ب) وسط ایشیا تھا

(ج) ہندستان تھا (د) چین تھا

(21) "ر" کو "ل" سے بدلنے کا رجحان آریائی کی کس بولی میں پیدا ہوا؟

(الف) مغربی بولی میں (ب) شمالی مغربی بولی میں

(ج) وسطی بولی میں (د) مشرقی بولی میں

(22) آریائی شاخ کی "اودیچہ" بولی کا تعلق کس علاقے سے ہے؟

(الف) شمال سے (ب) شمال مغرب سے

(ج) مشرق سے (د) جنوب مشرق سے

(23) قدیم آریائی کی معیار بندی کے اصول کس نے بنائے؟

(الف) کاتیاین (ب) پتنجلی

(ج) پانِنی (د) ویاس

(24) ہندستان میں باہر سے آنے والی قوموں کی عہد وار کون سی ترتیب درست ہے؟

(الف) نگریٹو — آسٹرک — آریا — دراوڑ

(ب) دراوڑ — نگریٹو — آسٹرک — آریا

(ج) نگریٹو — آسٹرک — دراوڑ — آریا

(د) نگریٹو — دراوڑ — آریا — آسٹرک

(25) آریا ہندستان میں جو زبان بولتے ہوئے آئے اسے کس نام سے یاد کیا جاتا ہے؟

(الف) سنسکرت (ب) ہند ایرانی

(ج) ہند آریائی (د) ایرانی

(26) ہندستان میں ہند آریائی کے ارتقا کی کون سی ترتیب درست ہے؟

(الف) سنسکرت — اپ بھرنش — پراکرت — جدید آریائی

(ب) جدید آریائی — پراکرت — اپ بھرنش — سنسکرت

(ج) سنسکرت — پراکرت — اپ بھرنش — جدید آریائی

(د) اپ بھرنش — پراکرت — سنسکرت — جدید آریائی

(27) پراکرتوں کا زمانہ کون سا ہے؟

(الف) 1500ق م تا 1000ق م

(ب) 1500ق م تا 600ق م

(ج) 600ق م تا 200ق م

(د) 600ق م تا 1000ء

(28) پانِنی نے کس زبان کی قواعد مرتب کی؟

(الف) اودیچہ (ب) سنسکرت

(ج) پشاچی (د) پراکرت

(29) پراچیہ کا تعلق ہندستان کے کس علاقے سے تھا؟

(الف) وسطی (ب) شمال مغربی

(ج) مشرقی (د) جنوب مغربی

(30) قریب ترین تعلق کن دو پراکرتوں میں ہے؟

(الف) پشاچی / شورسینی (ب) مہاراشٹری / شورسینی

(ج) پشاچی / مہاراشٹری (د) مہاراشٹری / ماگدھی

(31) آریائی کی تاریخ میں اپ بھرنش کسے کہا گیا؟

(الف) شمال مشرق کی بولی کو

(ب) خواص کے مقابلے میں عوام کی بولی کو

(ج) شورسینی کی بگڑی ہوئی شکل کو

(د) دوآبے کی بولی کو

(32) دکنی اردو کی کلیدی شناخت کسے قرار دیا جاتا ہے؟
(الف) ں (ب) چ
(ج) ڑ (د) ڈ

(33) جدید ہندستانی زبانوں کا تعلق براہ راست کس سے ہے؟
(الف) اپ بھرنشوں سے (ب) پراکرتوں سے
(ج) قدیم ہند آریائی سے (د) ویدی آریائی سے

(34) مدھیہ دیش کی زبان کسے قرار دیا جاتا ہے؟
(الف) لہندا (ب) مغربی ہندی
(ج) مشرقی ہندی (د) بہاری

(35) مرہٹی کا آریائی زبانوں کی کس شق سے تعلق ہے؟
(الف) جنوبی آریائی (ب) شورسینی اپ بھرنش
(ج) مغربی آریائی (د) وسطی آریائی

(36) مشرقی ہندی سے تعلق رکھنے والی کون سی زبان ہے؟
(الف) برج بھاشا (ب) میتھلی
(ج) اودھی (د) بھوج پوری

(37) ہندستانی (کھڑی) کی ایک ممتاز خصوصیت کس پر مبنی ہے؟
(الف) اسم (ب) صفت
(ج) فعل (د) حرف ربط

(38) جمع بنانے کے لیے قدیم اردو کون سا لاحقہ بالالتزام استعمال کرتی تھی؟
(الف) وں (ب) اں
(ج) یں (د) ن

(39) تاریخی ارتقائی سفر میں اردو کے لیے کون سا نام استعمال نہیں ہوا؟
(الف) گجری (ب) دہلوی
(ج) ہندوی (د) گجراتی

(40) "نواح دہلی کی بولیاں اردو کا اصل منبع اور سرچشمہ ہیں اور حضرت دہلی اس کا صحیح مولد ومنشا" یہ کس کا قول ہے؟
(الف) شوکت سبزواری (ب) محمود شیرانی
(ج) مسعود حسین خاں (د) محمد حسین آزاد

(41) مندرجہ ذیل میں سے شوکت سبزواری کس خیال کے حامی ہیں؟
(الف) اردو کی بنیاد شمالی ہند کی بولیوں پر ہے
(ب) اردو دوآبے کی کھڑی بولی کا ارتقائی روپ ہے
(ج) پنجاب کی زبان ہریانی کی منزل سے گزر کر اردو بنی
(د) برج بھاشا میں کچھ تبدیلیاں ہوئیں تو اردو وجود میں آئی

(42) برج بھاشا سے اردو کے راست تعلق کا داعی کون ہے؟
(الف) محمد حسین آزاد (ب) شوکت سبزواری
(ج) محمود شیرانی (د) گریرسن

(43) "اردو کھڑی بولی کی ارتقائی شکل ہے" کے نظریے کا حامی کون ہے؟
(الف) محمد حسین آزاد (ب) شوکت سبزواری
(ج) محی الدین قادری زور (د) مسعود حسین خاں

(44) اردو کی لسانی تاریخ سے غیر متعلق کون سی کتاب ہے؟
(الف) داستان تاریخ اردو (ب) مقدمہ تاریخ زبان اردو
(ج) داستان اردو (د) پنجاب میں اردو

(45) اردو کے قدیم ترین نمونے کس سرزمین سے متعلق ہیں؟
(الف) دہلی (ب) پنجاب
(ج) گجرات (د) دوآبہ

(46) اردو کے آغاز سے متعلق محمود شیرانی کے نظریے کی تائید کس کے بیانات سے ہوتی ہے؟
(الف) محمد حسین آزاد (ب) شوکت سبزواری
(ج) مسعود حسین خاں (د) سنیتی کمار چٹرجی

(47) اردو کے آغاز کے سلسلے میں ابتدائی نمونوں کا درجہ کس کو حاصل ہے؟
(الف) داستان (ب) ملفوظات
(ج) تصوف (د) مثنوی

(48) اردو کے ارتقا میں معاون وقوعہ کا سنہ کون سا ہے؟
(الف) 1757 (ب) 1800
(ج) 1803 (د) 1820

(49) "و" اختتامیہ کے مقابلے میں "ا" کو ترجیح دینے والی بولی کون سی ہے؟
(الف) برج بھاشا (ب) کھڑی بولی
(ج) بندیلی (د) قنوجی

(50) اصلاح زبان اردو سے غیر متعلق کون سا نام ہے؟
(الف) شاہ حاتم (ب) ناسخ
(ج) انشا (د) غالب

□□□

1170, Sir Syed Nagar, Aligarh-202001 (U.P.)

کتابوں کی موبائل وین آپ کے شہر، آپ کے گاؤں میں

اپنے سفر کے پہلے اور دوسرے مرحلے میں قومی اردو کونسل کی موبائل وین نے نمائش و فروخت کے لیے کتابیں لے کر مغربی یوپی کے سہارن پور، مظفر نگر، میرٹھ، امروہہ اور مراد آباد کے بعد مشرقی یوپی کے سیتاپور، بہرائچ، گونڈا، فیض آباد، بستی، ٹانڈا، اکبرپور، سلطان پور، اعظم گڑھ، مئو، غازی پور اور جونپور کا دورہ کیا۔ تیسرے مرحلے میں وین نے لکھنؤ، بارہ بنکی، وارانسی، الٰہ آباد، رائے بریلی، کان پور، فرخ آباد، آگرہ، علی گڑھ، بلند شہر اور ہاپوڑ کا دورہ کیا۔ ہر شہر میں شائقین کتب نے جوش و خروش کے ساتھ کونسل کے اس اقدام کا خیر مقدم کیا اور کتابیں خریدیں۔ مختلف شہروں کے حوالے سے علاقائی اور قومی اخبارات میں شائع ہونے والی اس سلسلے کی چند خبریں ان سطور میں پیش ہیں:

● لکھنؤ، 19 رجولائی۔ قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کے زیر اہتمام اردو کتابوں کو ملک کے گوشے گوشے تک پہنچانے کی مہم کے تحت ایک انوکھا اور کامیاب طریقۂ فروخت کتب اختیار کیا گیا ہے۔ ایک خوب صورت اور دیدہ زیب گاڑی تقریباً 20 ہزار مختلف النوع موضوعات کی کتابوں سے مزین اور آراستہ ہے۔ اس موبائل وین میں ہر عمر اور شغل، ہر شعبۂ حیات سے تعلق رکھنے والوں کی دلچسپی اور پسند کے مطابق کتابوں کو جمع کیا گیا ہے اور مناسب قیمت پر شائقین کو مہیا کرایا جارہا ہے۔

پوربی اترپردیش کے مختلف اضلاع کے کامیاب سفر سے لوٹنے کے بعد اس موبائل وین کا چار روز تک لکھنؤ میں قیام رہا۔ اگرچہ طے شدہ پروگرام کے مطابق اس موبائل وین کو 15 سے 18 جولائی تک ہی لکھنؤ میں قیام کرنا تھا لیکن شائقین اور صاحبانِ ذوق کی پذیرائی اور حوصلہ افزائی کے سبب منتظمین نے وقت کی قلت کے باوجود مزید ایک روز کی توسیع کی۔

موبائل وین کے پاس سب سے زیادہ رونق پہلے دن پرانے لکھنؤ کے شیعہ کالج کے سامنے اور آخری دن ندوۃ العلماء میں نظر آئی جہاں جھلسا دینے والی گرمی کے باوجود شائقین کا جم غفیر نظر آیا۔

موبائل وین کے انچارج وی. صدیق کا کہنا ہے کہ شیعہ کالج کے سامنے قیام کے دوران دیگر کتابوں کے علاوہ مرثیے اور عزاداری سے متعلق کتابوں کو سب سے زیادہ طلب کیا گیا۔ مراثی کی تقریباً پچاس جلدیں پلک جھپکتے ہاتھوں ہاتھ بک گئیں۔ اس کے علاوہ امین آباد، کھدرا، اور ندوہ میں تمام اصناف کی کتابوں کی فروخت ہوئی۔

موبائل وین کے انچارج وی صدیق نے کتابوں کی ترسیل کے اس کامیاب اور بار آور طریقۂ کار کو کونسل کے ڈائرکٹر محمد حمید اللہ بھٹ کی کاوشوں اور محنتوں کا ثمرہ قرار دیا۔

انھوں نے بتایا کہ پہلے اردو کتابیں دیگر زبانوں کی کتابوں کے ساتھ موبائل وین میں رکھی جاتی تھیں۔ دوسری زبانوں کے اکثریتی علاقوں میں گاڑیوں کے کھڑے ہونے کے سبب اگر دوسری زبان کی کتابیں ایک لاکھ روپے کی فروخت ہوتی تھیں تو اردو کی کتابیں محض چار پانچ سو روپے کی۔ جس کے سبب اردو کتابوں کی فروخت سے متعلق منفی رپورٹ حکومت کے پاس پہنچ جاتی تھی۔ اب اس نئے طریقۂ کار سے ہم دوسری زبانوں سے بہتر پوزیشن میں آرہے ہیں۔

شدید گرمی اور خشک سالی سے متاثر ریاست کے تقریباً 22 اضلاع میں یہ موبائل وین اردو کی باد بہاری سے شائقین کی روح افزائی کرتی ہوئی دوبارہ آنے کا وعدہ کر کے بارہ بنکی، کانپور، آگرہ، علی گڑھ کے تشنگانِ اردو کو سیر کرنے کے لیے رواں دواں ہے۔ (روزنامہ "ان دنوں"، لکھنؤ)

● الٰہ آباد، 28 رجولائی۔ قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کے زیر اہتمام اردو کتابوں کی موبائل وین کی الٰہ آباد میں آمد پر اردو داں طبقے کی جانب سے پر جوش خیر مقدم کیا گیا ہے۔ موبائل وین لکھنؤ، بارہ بنکی اور بنارس ہوتی ہوئی آئی ہے اور اب شہر کے مختلف علاقوں میں اردو کتابوں کی نمائش اور فروخت کا سلسلہ جاری ہے۔ شہر کے کریلی، ہمت گنج، اٹالہ اور دریا باد میں اردو قارئین کی جانب سے بڑے پیمانے پر قومی کونسل کی مطبوعات خریدی گئیں۔ موبائل وین کے انچارج وی صدیق نے اردو داں طبقے کی جانب سے مل رہے تعاون پر خوشی کا اظہار کرتے ہوئے بتایا کہ موبائل وین میں 20 ہزار کتابیں موجود ہیں جس میں ادب، تاریخ، طب، سائنس بچوں کی کتابیں، قانون، لغت، لسانیت، مذہب سیاسیات اور کمپیوٹر سائنس وغیرہ موضوعات پر کتابیں ہیں۔ انھوں نے بتایا کہ تیسرے مرحلے کی فروخت میں اردو داں طبقے کی جانب سے جوش و خروش کا مظاہرہ کیا گیا۔ انھوں نے یہ بھی بتایا کہ جہاں بھی موبائل وین گئی مقامی لوگوں نے کتابیں خریدنے میں اپنی غیر معمولی دلچسپی کا مظاہرہ کیا۔

ڈی صدیق نے اظہار افسوس کرتے ہوئے کہا کہ اردو داں طبقے میں قوت خرید کم ہونے کی وجہ سے بہت سے لوگوں تک ہماری کتابیں نہیں پہنچ پاتیں اسی لیے قومی کونسل نے 40فی صد تک کتابوں پر رعایت دی ہے جس کا لوگوں نے فائدہ اٹھایا ہے۔ (اردو قوم، کانپور)

●الہ آباد، 31/جولائی۔ قومی کونسل برائے فروغ اردو کی جانب سے اردو کتابوں کی موبائیل وین کے آخری روز آج شہر میں موبائل وین سے بڑی تعداد میں اردو کی کتب خریدی گئیں۔

اردو کتاب کی وین جب نخاس پہنچی تو وہاں کتابوں کی خاصی خریداری ہوئی۔ کتابوں کی خریداری میں یونی ورسٹی کے اساتذہ، طلبہ، دینی مدارس کے طلبہ و اساتذہ سب ہی شامل تھے۔ موبائل وین کا معائنہ کرنے والوں میں ممتاز ناقد شمس الرحمن فاروقی، شعبۂ اردو کے سابق صدر پروفیسر سید محمد عقیل رضوی، پروفیسر جعفر رضا، شعبۂ اردو کے ڈاکٹر علی احمد فاطمی، ڈاکٹر اشفاق حسین، افسانہ نگار اسرار گاندھی کے نام شامل ہیں۔

وین کے انچارج نے کہا کہ الہ آباد کے اردو داں طبقے نے ہماری بے حد حوصلہ افزائی کی ہے۔ انھوں نے ثابت کر دیا ہے کہ اردو قارئین کی تعداد قطعاً کم نہیں ہے۔ ڈی صدیق اگرچہ ویلور ضلع کے رہنے والے ہیں لیکن ان کی مادری زبان اردو ہے۔ وہ ہر آنے والے قاری کی رہنمائی کر رہے تھے۔

(قومی آواز، دہلی)

●رائے بریلی، 31/جولائی۔ آج صبح قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان دہلی کی جانب سے روانہ کی گئی موبائل وین شہر رائے بریلی میں کمپیوٹر پوائنٹ کیلی گرافی سینٹر جو قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کی طرف سے چلایا جا رہا ہے، پہنچی۔ قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کے ڈائرکٹر ڈاکٹر محمد حمید اللہ بھٹ کی سربراہی میں اردو کے فروغ کی جو کوششیں کی جا رہی ہیں ان میں سے یہ بڑی اہم اور مفید کوشش ہے کہ قریہ قریہ شہر شہر جا کر اردو زبان کی اہمیت اور اردو کتابوں کی اشاعت کی کوشش جائے اور نئی نسل کو اردو زبان سے ناواقف ہونے سے بچایا جا سکے۔ خریداروں کو معقول رعایت کے ساتھ کتابیں فراہم کیے جانے پر وین کا شائقین علم کی جانب سے شہر میں اچھا خیر مقدم کیا گیا۔ کمپیوٹر پوائنٹ سینٹر ٹاؤن ہال رائے بریلی کے طلبہ و طالبات اور سینٹر کے انچارج سید سہیل حسنی نے بھرپور تعاون دیا۔ مدرسہ ضیاء العلوم میدان پور کے طلبہ و اساتذہ اور شہر رائے بریلی کے دوسرے تعلیمی اداروں کے لوگوں نے بھی دلچسپی دکھائی۔

●آگرہ، 6/اگست۔ قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کی اردو کتابوں کی نمائشی بس کے آگرہ پہنچنے پر شاندار خیر مقدم کیا گیا۔ آج موبائل وین نے چوراہا ڈھاکرتائی کی منڈی اور تاج گنج میں کیمپ کیا۔ بڑی تعداد میں شائقین اردو نے کتابیں دیکھیں۔ خیر مقدم کرنے والوں میں مرزا شمیم بیگ ایڈووکیٹ، ڈاکٹر ایس اے اشرفی صدر شعبۂ اردو سینٹ جانسن کالج، حاجی جمیل الدین قریشی پرنسپل شعبۂ کالج اور حاجی محمد اکرام قریشی ایڈووکیٹ قابل ذکر ہیں۔ موبائل وین کے انچارج ڈی صدیق نے بتایا کہ موبائل وین میں دنیا کے ہر موضوع پر اردو زبان میں کتابیں دستیاب ہیں۔ طلبہ و اساتذہ کے لیے اپنا کارڈ دکھانے پر 40فی صد چھوٹ دی جائے گی۔ انھوں نے بتایا کہ قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان نے تاریخ، سیاست، معیشت، لغت، تاریخ ہندستان، تاریخ عالم، قانون، میڈیکل سائنس اور درسیات، غرض ہر موضوع پر کتابیں شائع کی ہیں۔ ٹیپو سلطان، مغل بادشاہ شاہ جہاں، جہانگیر، اورنگ زیب، بہادر شاہ ظفر، آگرہ کی تاریخ، جغرافیہ وغیرہ سے متعلق کتابیں بھی موجود ہیں۔ 7/اگست کو صبح 8 بجے سے ایک بجے تک شعبۂ کالج کے گیٹ پر، شام 2 بجے سے بڑی مسجد شہید نگر پر کتابوں کی نمائش کی گئی۔

● علی گڑھ، 11/اگست۔ قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان اور نیشنل بک ٹرسٹ کے زیر اہتمام موبائل بس کے ذریعے اردو کتابوں کی نمائش کا پچھلے تین ماہ سے اتر پردیش کے 25اضلاع میں کامیابی کے بعد علی گڑھ کے اردو شائقین نے زبردست خیر مقدم کیا۔ موبائل بس کے انچارج ڈی صدیق نے بتایا کہ لکھنؤ، اعظم گڑھ، مئو، الہ آباد، آگرہ، غازی پور، دیوبند اور بریلی وغیرہ میں انھیں اردو شائقین کا توقع سے زیادہ تعاون ملا۔ ہر جگہ اردو کے بہی خواہوں، اساتذۂ کرام، علما، شعرا، ادبا اور طلبہ نے خاص دلچسپی دکھائی۔ ڈی صدیق نے ڈاکٹر محمد حمید اللہ بھٹ کے حوالے سے بتایا کہ قومی کونسل ملک گیر سطح پر منعقد ہونے والے کتاب میلوں میں شرکت کر کے ملک کے ہر علاقے میں اردو کتب کی فراہمی کی کوشش کرتی ہے۔ کافی سالوں سے اس بات کی کمی محسوس کی جا رہی تھی کہ دور دراز علاقوں میں کتابیں مہیا نہیں ہو پاتی ہیں۔ اس لیے کونسل نے کتاب میلے کے ساتھ موبائل وین کا اہتمام کیا ہے تاکہ ملک کے کونے کونے میں اردو کی کتابیں آسانی سے مہیا ہوں اور نئی نسل کو اردو زبان سے ناواقف ہونے سے بچایا جا سکے۔ مذکورہ موبائل نمائش دن بھر مسلم یونی ورسٹی کی مولانا آزاد لائبریری کے طلبہ کی توجہ کا مرکز بنی رہی۔ اتوار کو پرانے شہر کے مرکزی مقام جامع مسجد لطفیہ انٹر کالج کے قریب اور شام میں شمشاد مارکیٹ پر اردو کے شائقین کی کافی بھیڑ جمع تھی۔ پیر کے دن اجمل خاں طبیہ کالج پر اس نمائش کا اہتمام کیا۔

(راشٹریہ سہارا، دہلی)

□□□

اردو خبر نامہ

کلیاتِ پریم چند کی رسم اجرا کے موقع پر سمپوزیم

● نئی دہلی، 31/ جولائی 2002۔ "آج بھارت کو کئی طرح کے مسائل کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے جن کے بیچ اقتصادی اور سماجی ترقی کے لیے دیش اپنی سی کوششیں کر رہا ہے۔ ویسے بھی معاشی عالم کاری کے اس دور میں سماجی اور تہذیبی فاصلے بہت سمٹے ہیں، آئی ٹی اور سائنسی ترقیات نے فاصلوں کو اور بھی کم کر دیا ہے۔ معاشی سطح پر بھی ہندستان ایسے دور سے گزر رہا ہے جس میں ہر طرف گہما گہمی ہے، ترقی کی دوڑ میں شمولیت ہے اور بلندی حاصل کرنے کے خواب ہیں۔ نئی زندگی کی یہ ساری گہما گہمی اور روشن مستقبل کی تلاش ادھوری رہ جاتی ہے اگر اس میں اپنی تاریخ کی پہچان اور اپنی جڑوں کی بازیافت شامل نہ ہو۔ تاریخ اور ماضی سے یہی رشتہ ہمیں وہ روپ عطا کرتا ہے جسے دنیا ہماری اسمتا یا پہچان کہتی ہے۔ پریم چند ہمیں اپنی اسی پہچان کی جانب موڑتے ہیں۔ ...نئے نئے تصورات اور ایجادات کے اس ہنگامہ خیز دور میں اپنی پہچان کو قائم اور برقرار رکھنے میں اور تہذیبی دھاروں کو مضبوط کرنے میں ہماری سنسکرتی، ہماری زبانیں اور ان کا ثروت مند ادب سب سے بڑا رول ادا کرتے ہیں۔ مغربی تہذیب کی یلغار کو روکنے کے لیے بھی ہمیں اپنی ماضی کی عظمتوں کا سہارا لینا ہوگا، اپنی زمینی سچائیوں کو پہچاننا ہوگا۔"

ان خیالات کا اظہار مرکزی وزیر برائے فروغ انسانی وسائل ڈاکٹر مرلی منوہر جوشی نے پریم چند کے 122ویں یوم پیدائش پر منعقدہ تقریب میں کتابوں کا اجرا کرتے ہوئے کیا۔ رسم اجرا کی یہ تقریب 31/ جولائی کو انڈیا انٹرنیشنل سینٹر میں سہ پہر تین بجے قومی اردو کونسل نے منعقد کی۔ تقریب کے مہمان خصوصی معروف ہدایت کار اور نغمہ نگار جناب گلزار تھے۔

کلیاتِ پریم چند کی چار جلدوں "زمانہ" کا پریم چند نمبر، پریم چند کی باتصویر سوانح، اور پروفیسر شکیل الرحمن کی کتاب "ہندستان کا نظامِ جمال" کا اجرا کرنے کے بعد اپنی تقریر میں ڈاکٹر جوشی نے یہ بھی کہا کہ "جدید کاری کا عمل ہماری زبانوں کو ایک دوسرے کے قریب لائے گا۔ ٹیکنالوجی اس عمل کو تیز کرے گی اور زبانوں کے بیچ جو فاصلے آج دکھائی دیتے ہیں وہ کم ہو جائیں گے۔ ویسے بھی ہندستانی زبانوں کے باہمی رشتوں کو مضبوط کرنا آج بہت ضروری ہو گیا ہے۔"

قومی اردو کونسل نے، جو وزارت ترقی انسانی وسائل کے تحت فروغ اردو کے لیے حکومتِ ہند کا مقتدر ادارہ ہے، پریم چند کی تمام تحریروں کی اشاعت کا منصوبہ اب سے تقریباً دو سال قبل تیار کیا تھا۔ 22 جلدوں پر مشتمل کلیاتِ پریم چند کو جناب مدن گوپال مرتب کر رہے ہیں۔ کلیات میں پریم چند کے تمام افسانے، ناول، مضامین اور خطوط شامل ہیں۔ ان میں سے کچھ تحریریں پہلی بار منظر عام پر آ رہی ہیں۔ پریم چند جو بنیادی طور پر اردو کے تخلیق کار تھے، بعد میں ہندی میں بھی لکھنے لگے تھے۔ پریم چند نے تقریباً 70 کہانیاں ہندی میں لکھیں جو اردو میں پہلی بار شائع ہو رہی ہیں، اس پروجیکٹ کے تحت کونسل نے پریم چند کی تحریروں کو ان کی اصل شکل میں یعنی ہندی الفاظ کا ترجمہ کیے بغیر اردو میں پیش کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ 22 جلدوں میں سے اب تک 14 جلدیں شائع ہو چکی ہیں جن میں سے آخری چار جلدوں کا اجرا آج کیا گیا۔ منشی دیا نرائن نگم کے رسالے "زمانہ" کا پریم چند نمبر جس کو جناب مانک ٹالا نے اپنے مبسوط مقدمے اور ضمیموں کے ساتھ پھر سے پیش کیا ہے، اور پروفیسر کے. کے. گوئنکا کی تحریر کردہ منشی پریم چند کی باتصویر سوانح کی رسم اجرا بھی ڈاکٹر جوشی نے انجام دی۔ ان کے علاوہ پروفیسر شکیل الرحمن کی تازہ تصنیف 'ہندستان کا نظامِ جمال— بدھ جمالیات سے جمالیاتِ غالب تک' کی رسم اجرا بھی عمل میں آئی۔

ابتدا میں اپنے استقبالیہ کلمات میں ڈاکٹر محمد حمید اللہ بھٹ نے ہندستان کی مشترکہ اقدار اور اردو کی خالص ہندستانی جڑوں پر گفتگو کرتے ہوئے قومی اردو کونسل سے شائع شدہ سنسکرت اور ہندو روایت کی مذہبی کتب کے اردو تراجم کا ذکر کیا اور آئندہ کے منصوبوں پر روشنی ڈالی۔ انھوں نے بتایا کہ دراصل یہ منصوبہ ہندی اور اردو زبانوں کے مشترکہ عناصر کا سنگم ہے اور ہندستان کے کثیر لسانی منظرنامے کی تفہیم کا یہ عملی ادراک بھی کراتا ہے کہ کثیر لسانی ہندستان میں یک لسانیت کا نظریہ زندہ نہیں رہ سکتا۔ ترسیل کے لیے ہر لسانی اقلیت کو ایک سے زیادہ زبانیں اختیار کرنی ہوں گی۔ یہ خوشی کی بات ہے کہ اردو آبادی نے جس کا بیشتر حصہ شمالی ہندستان میں آباد ہے، علاقائی زبانوں اور ہندی کے ساتھ بہتر لسانی رشتے استوار کیے ہیں۔ قومی اردو کونسل کے مختلف پروجیکٹوں اور منصوبوں کا ذکر کرتے ہوئے ڈاکٹر بھٹ نے یہ بھی کہا کہ گزشتہ پانچ سال میں فروغ اردو کی جو کوششیں قومی اردو کونسل نے کی ہیں ان سے اردو داں آبادی مطمئن ہے اور

ان کوششوں کی ستائش سبھی نے کی ہے، جس کے لیے کونسل ان کی ممنون ہے۔ ڈاکٹر بھٹ نے مزید کہا کہ درحقیقت ہندستانی تشخص کا بہتر اظہار اردو زبان ہی میں ممکن ہے۔ پریم چند پر کونسل کا یہ پروجیکٹ اس سارے سرمائے کو سامنے لائے گا جو پریم چند نے ہندستانی تہذیب کو دیا ہے۔ منشی پریم چند مشترکہ تہذیب کے علم بردار تھے اور انھوں نے اس "ہندستانی" کی وکالت کی جو اردو اور ہندی کا ملا جلا روپ ہے۔ مجھے یقین ہے کہ یہ پروجیکٹ ہندستان کے اس مشترکہ تشخص کی بازیافت میں معاون ہوگا جو گذشتہ تین سو سال میں اردو زبان نے ہندستان کو دیا ہے۔

تقریب کے مہمانِ خصوصی جناب گلزار نے پریم چند کے افسانوں کی عظمت اور ان کی اثرانگیزی پر گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ ان کی کہانیاں ہر عمر کے لوگوں کو متاثر کرتی ہیں اور انسانی رشتوں اور ارفع تر انسانی جذبوں کو مہمیز کرتی ہیں۔ انھوں نے کہا کہ ہندستان میں غریبوں کے حالات بدتر ہوئے ہیں۔ ہمیں پھر کسی ایسے منشی پریم چند کی ضرورت ہے جو اس دور کو سنبھالے اور اس کے بارے میں لکھے۔

سمپوزیم کے دوسرے دور میں مقالات پڑھے گئے اور ماہرینِ پریم چند نے جلسے کو خطاب کیا۔ قبل ازیں پروفیسر سید جعفر رضا نے اردو والوں کی جانب سے حکومت کے مثبت اقدامات کی ستائش کرتے ہوئے اردو کے فروغ کے تئیں ڈاکٹر مرلی منوہر جوشی کی سنجیدہ کوششوں کا شکریہ ادا کیا۔ بعد میں انھوں نے پریم چند پر گفتگو کرتے ہوئے اردو اور ہندی میں لکھے گئے ان کے افسانوں اور ناولوں پر تحقیقی نقطہ نظر سے گفتگو کی۔ ہندی میں پریم چند کے ماہر ڈاکٹر کے کے گوینکا نے جن کے پاس پریم چند سے متعلق بے شمار تحقیقی مواد موجود ہے اور جنھیں پریم چند کی چلتی پھرتی انسائیکلوپیڈیا سے تعبیر کیا جاتا ہے، اپنی تقریر میں دل چسپ واقعات کا احاطہ کیا اور کہا کہ عام طور پر پریم چند کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ انھوں نے کسمپرسی کے دن گزارے، یہ بات درست نہیں ہے۔ انھوں نے دستاویزی حوالے دے کر بتایا کہ ان کی وفات کے وقت پریم چند کے بنک کے کھاتے میں پانچ ہزار روپے سے زیادہ کی رقم پس انداز تھی اور انھیں مالی دشواریوں کا کوئی سامنا نہیں تھا۔

پروفیسر قمر رئیس نے اپنی تقریر میں اس بات کا اعتراف کرتے ہوئے کہ انھوں نے 1972 کے بعد پریم چند پر کوئی کام نہیں کیا ہے، کہا کہ اگر پریم چند کے حالات کا مقابلہ دیگر ممالک کے ادیبوں اور شاعروں سے کیا جائے تو اس کی روشنی میں اندازہ ہوگا کہ پریم چند واقعی کوئی بہت اچھے حالات سے نہیں گزرے۔ انھوں نے بین الاقوامی سطح کے بڑے بڑے تخلیق کاروں کے حوالے سے بتایا کہ ان سب کے شاندار میوزیم اپنے اپنے ملک کے تمام بڑے شہروں میں بنائے گئے ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم بھی اپنے تخلیق کاروں کی قدر کرنا سیکھیں اور تمام بڑے شہروں میں پریم چند کے میوزیم بنائیں۔

اس موقعے پر کلیاتِ پریم چند کے مرتب جناب مدن گوپال نے اپنی زندگی کے تمام سرمایے، یعنی پریم پر جمع کی گئی دستاویزات، ان کی تخلیقات اور خطوط کی اشاعت کی شکل میں اپنے خواب کی تعبیر میں قومی اردو کونسل کے ڈائرکٹر ڈاکٹر محمد حمید اللہ بھٹ کی فراخ دلی، دوراندیشی اور عملی تعاون کا دل چسپ انداز میں ذکر کرتے ہوئے شکریہ ادا کیا۔ انھوں نے اس بات کا خصوصی طور پر ذکر کیا کہ حکومتِ ہند کی جانب سے اس سے قبل صرف گاندھی جی اور پنڈت نہرو ہی کے کلیات کی اشاعت ممکن ہو سکی ہے۔ پریم چند کی کلیات کو شائع کرنے کا فیصلہ کر کے قومی اردو کونسل نے ہمارے ادب کے عظیم تخلیق کار کی صحیح قدرشناسی کی ہے۔

اس موقعے پر ماہر سماجیات اور ہندی کے شاعر پروفیسر شیام سنگھ ششی (جنھوں نے ماہر پریم چند جناب مدن گوپال پر ایک کتاب مرتب کی ہے) نے اپنی تصنیف کے حوالے سے مدن گوپال صاحب کا تعارف پیش کیا۔ جناب جی ڈی چندن نے مانک ٹالا کا مقالہ پڑھ کر سنایا، وہ اپنی علالت کے سبب ممبئی سے تشریف نہ لا سکے تھے۔

اپنے صدارتی خطبے میں پروفیسر شکیل الرحمان نے پریم چند کی جمالیات کی بازیافت پر زور دیا اور کہا کہ تمام تخلیق کاروں کو جو شے ایک مخصوص رشتے سے وابستہ کرتی ہے وہ کائناتی آہنگ ہے جس کی گونج عمر خیام، مولانا رومی اور کبیر سے لے کر پریم چند تک سب میں سنائی دیتی ہے۔ کائنات کی یہ گونج ہماری شعری اور ادبی روایت میں مسلسل موجود ہے۔ ہمیں اپنے تخلیق کاروں کے اس جمالیاتی پہلو کی قدرشناسی کرنی چاہیے۔

جلسے کی کارروائی قومی اردو کونسل میں اسسٹنٹ ایجوکیشن آفیسر محترمہ تبسم نقی نے چلائی۔

قومی اردو کونسل کی کتب کی رسم اجرا

انیس (سوانح)

● لکھنؤ، 18 رجولائی۔ میر انیس کے سوانح حیات پر اردو کے نامور محقق اور ادیب پروفیسر نیر مسعود کی کتاب "انیس (سوانح)" کے اجرا کے سلسلے میں کل شام یہاں اردو اکادمی قیصر باغ میں مرکزی وزارت ترقی انسانی وسائل کے ادارے قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کے زیر اہتمام ایک باوقار ادبی تقریب کا انعقاد اردو اکادمی اترپردیش کی بانی اور سابق صدر بیگم

حامدہ حبیب اللہ کی صدارت میں ہوا۔ کتاب کی رسم اجرا بزرگ شاعر جناب عمر انصاری کے ہاتھوں ادا کی گئی۔ تقریب کی نظامت کے فرائض نوجوان ادیب اور خطیب مرزا شفیق حسین شفق نے انجام دیے۔

اس موقعے پر شریکِ تقریب اردو ادیبوں اور دانشوروں نے پروفیسر نیر مسعود کے اس مستند اور معتبر تحقیقی کارنامے پر اظہار تحسین کیا اور اس کتاب کو انیسیات کے شعبے میں ایک بہت وقیع اور بنیادی اہمیت کا کام قرار دیتے ہوئے اس کا خیر مقدم کیا گیا۔ شرکا نے اس اہم کتاب کی تصنیف کے لیے پروفیسر نیر مسعود کو دلی مبارکباد پیش کی اور قومی کونسل کی ستائش کی۔

اپنے اظہار خیال میں جناب عرفان صدیقی نے "انیس (سوانح)" کو نیر مسعود کے ایک بڑے تحقیقی کارنامے سے تعبیر کرتے ہوئے کہا کہ اردو کے عظیم ترین شاعروں میں سے ایک، میر انیس کی سوانح حیات پر یہ کتاب ہمارے اہم ادیبوں پر مستند و معتبر سوانحی کتب کی کمی پورا کرنے کی سمت میں ایک اہم پیش رفت ہے اور اس وقیع کام کی تکمیل میں پروفیسر نیر مسعود صاحب نے کم و بیش پچیس سال پوری علمی لگن اور تحقیقی عرق ریزی کے ساتھ صرف کیے ہیں جس کے لیے وہ پوری اردو دنیا کی طرف سے شکریے اور مبارکباد کے مستحق ہیں۔ انھوں نے انیسیات کے شعبے سے وابستہ اپنے والد محترم پروفیسر مسعود حسن رضوی ادیب کی اعلیٰ روایات کی پاسداری کی ہے اور شدید بیماری کے باوجود اس تحقیقی کام کو تکمیل تک پہنچایا۔

لکھنؤ یونی ورسٹی کے صدر شعبۂ اردو ڈاکٹر انیس اشفاق نے کتاب کو ایک مثالی تحقیقی کارنامہ قرار دیتے ہوئے کہا کہ اس سے انیس شناسی کی راہیں روشن ہوں گی۔ پروفیسر انیس اشفاق نے پروفیسر نیر مسعود کے علمی خانوادے کی تحقیقی، علمی اور ادبی خدمات کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ نیر مسعود صاحب کی کثیر جہت شخصیت نے علم و ادب کے مختلف شعبوں میں جو کارنامے انجام دیے ہیں یہ مستند تحقیقی کتاب ان میں ایک درخشندہ کارنامہ ہے اور ان کے اس کام کی اہمیت اس حقیقت کے پیش نظر اور بھی بڑھ جاتی ہے کہ اس کی تکمیل کے سلسلے میں انھوں نے اپنی شدید بیماری کی بھی پروا نہیں کی۔

مہمان خصوصی اردو کے بزرگ اور معتبر شاعر جناب عمر انصاری نے جذبات محبت سے بھری اپنی تقریر میں کہا کہ میں خود اسے اپنے لیے ایک اعزاز سمجھتا ہوں کہ میں پروفیسر نیر مسعود کی اس اہم کتاب انیس (سوانح) کی رسم اجرا انجام دے رہا ہوں۔ انھوں نے کہا کہ انیس ابھی تک نامکمل تھے، اب نیر مسعود صاحب نے اس کتاب کے ذریعے انھیں مکمل کیا ہے اور پروفیسر نیر مسعود کے گھرانے نے انیس پر جتنی تحقیق کی ہے، اتنی مجموعی طور پر تمام محققوں نے نہیں کی ہوگی۔ انھوں نے پروفیسر نیر مسعود کو کتاب کی تصنیف اور قومی کونسل کو اس کی اشاعت پر دلی مبارکباد پیش کی۔

لکھنؤ یونی ورسٹی کی سابق صدر شعبۂ فارسی بیگم آصفہ زمانی نے کتاب کے لیے پروفیسر نیر مسعود کو مبارکباد دیتے ہوئے ان کی علمی، تحقیقی اور ادبی خدمات پر انھیں خراج تحسین پیش کیا اور کہا کہ شعبۂ فارسی میں پروفیسر نیر مسعود کی رفاقت اور ہم کاری سے انھوں نے بہت استفادہ کیا ہے۔

پروفیسر نیر مسعود نے اس کتاب کی تکمیل کے مختلف مرحلوں کا اجمالی ذکر کرتے ہوئے کہا کہ اس کتاب کے منظر عام پر آنے میں تاخیر ہوئی ہے اور اردو کے بہت سے ایسے اہم اور معتبر ادیب اور شاعر جو اس کتاب کا اشتیاق کے ساتھ انتظار کر رہے تھے، مثلاً پروفیسر آل احمد سرور، علی سردار جعفری، کیفی اعظمی، محمد خالد اختر وغیرہ اب ہمارے درمیان نہیں رہے۔ انھوں نے کہا کہ بہر حال ان کے ذمے یہ بڑا تحقیقی کام تھا اور انھوں نے اسے پورا کر دیا ہے اب اس کے بارے میں رائے قائم کرنا اردو کے اہل نظر کا کام ہے۔

صدر تقریب بیگم حامدہ حبیب اللہ صاحبہ نے اپنی تقریر میں پروفیسر نیر مسعود اور ان کے والد محترم پروفیسر مسعود حسن رضوی ادیب مرحوم سے اپنے قدیم خاندانی تعلقات کا ذکر کرتے ہوئے نیر مسعود صاحب کو دلی مبارکباد دی۔

تقریب کے اختتام پر قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کی اسسٹنٹ ایجوکیشن افسر تبسم نقی نے سبھی شرکا کا اور اتر پردیش اردو اکادمی اور خصوصاً اس کے سرگرم کارکن محسن خاں کا تقریب کے کامیاب انعقاد کے لیے شکریہ ادا کیا اور قومی کونسل کے ڈائرکٹر کی طرف سے یہ اعلان کیا کہ اردو کے فروغ کے لیے قومی کونسل تکنیکی پروگرام چلائے گی۔ اس پروقار ادبی تقریب میں شہر اور بیرونِ شہر سے آئے ہوئے ادیبوں، شاعروں، صحافیوں اور دانشوروں صحافیوں اور دانشوروں کی بڑی تعداد نے شریک تھی۔

(روزنامہ صحافت، لکھنؤ)

تحریکِ آزادی

● الہ آباد، 29 جولائی۔ ممتاز ناقد شمس الرحمان فاروقی نے اردو زبان کے گرتے ہوئے معیار پر اپنی تشویش کا اظہار کرتے ہوئے اس بات پر افسوس ظاہر کیا کہ آج غلط اردو وہ لوگ لکھ رہے ہیں جن کا شمار ادبا میں کیا جاتا ہے۔ انھوں نے کسی کا نام لیے بغیر غلط اردو کے بے کثرت استعمال کی مثالیں پیش کیں۔ ریاست میں اردو کی زبوں حالی کا تذکرہ کرتے ہوئے انھوں نے کہا کہ انھیں موجودہ حکومت سے کوئی توقع نہیں ہے۔

شمس الرحمان فاروقی نے یہ بات آج یہاں پالکی گیسٹ ہاؤس میں مشہور

مورخ ڈاکٹر تاراچند کی اہم کتاب تحریکِ آزادیِ ہند کے چوتھے حصے کے اردو ترجمے کی رسم اجرا کی تقریب سے خطاب کرتے ہوئے کہی۔ انھوں نے ڈاکٹر تاراچند کی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے کہا کہ ڈاکٹر تاراچند نے اردو ہندی کے درمیان اختلافات کو فروغ دینے کی انگریزوں کی سازش کو جس طرح سے اپنی ایک کتاب میں بے نقاب کیا ہے وہ کتاب دراصل ایک سند کی حیثیت رکھتی ہے۔ ڈاکٹر تاراچند کی نئی کتاب کے اردو ترجمے کی پذیرائی کرتے ہوئے انھوں نے کہا کہ اس کا ترجمہ سلیس اور رواں ہے۔

اس تقریب کا اہتمام قومی کونسل برائے فروغِ اردو نے کیا تھا۔ کتاب کی رسم اجرا ہائی کورٹ کے ریٹائرڈ جج شمس الاسلام جعفری نے کی۔ اس موقعے پر شعبۂ اردو کے دو سابق صدور پروفیسر عقیل رضوی اور پروفیسر جعفر رضا نے بھی ڈاکٹر تاراچند کی علمی خدمات پر تفصیل سے روشنی ڈالی۔ نظامت الٰہ آباد یونی ورسٹی کے شعبۂ اردو کے ریڈر ڈاکٹر علی احمد فاطمی نے کی۔ پروفیسر عقیل رضوی نے ڈاکٹر تاراچند کی خدمات کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا کہ ڈاکٹر تاراچند کا تقرر اس یونی ورسٹی کے شعبۂ اردو کے استاد کے طور پر ہوا تھا، انھوں نے مجھے بی اے میں انگریزی پڑھائی تھی۔ جسٹس شمس الاسلام جعفری نے کہا کہ ڈاکٹر تاراچند کی یہ کتاب آزادی کی تحریک پر ایک دستاویز ہے۔ قومی کونسل اردو کی افسر تبسم نے شکریہ ادا کیا۔ تقریب میں شرکت کرنے والوں میں ایم اے قدیر، ڈاکٹر مظہر نسیم، خورشید نقوی، ڈاکٹر فخر الکریم، عبدالقادر جعفری، نعیم الرحمان فاروقی، کرنل ایس ایم اختر، ایم جمال الدین خاں، وسیم احمد صدیقی کامران ناظم کے نام شامل ہیں۔

(راشٹریہ سہارا، دہلی)

اردو کمپیوٹر پوائنٹ کا افتتاح

● رائے بریلی، یکم جولائی۔ مسلم پرسنل لا بورڈ کے صدر مولانا رابع حسنی ندوی نے آج ٹاؤن ہال میں واقع اردو کمپیوٹر پوائنٹ کا افتتاح کیا۔ یہ کمپیوٹر سینٹر قومی اردو کونسل کے تعاون کھولا گیا ہے جس میں ایک سالہ "ڈپلوما ان کمپوٹر ایپلی کیشن اینڈ ملٹی لنگول ڈی ٹی پی" کی تعلیم اردو بولنے والی اقلیت کے طلبہ کو دی جائے گی۔ اس موقعے پر مولانا رابع صاحب نے سینٹر کی کامیابی کے لیے دعا بھی کی۔

مرکز کے انچارج سیّد سہیل حسنی نے مولانا رابع مولانا کا استقبال کرتے ہوئے سینٹر کے متعلق معلومات فراہم کیں۔ انھوں نے بتایا کہ یہ سینٹر وزارتِ ترقیِ انسانی وسائل کی جانب سے شروع کیا گیا ہے جس میں طلبہ کو سرٹیفکیٹ کورس کی تعلیم دی جائے گی۔ اس مرکز میں طلبہ کو ڈی ٹی پی اور ڈی سی اے کی تربیت بھی دی جائے گی۔

(امر اجالا، کان پور)

حیدر آباد میں اردو کانفرنس

● حیدر آباد، 19 رجولائی۔ آل انڈیا اردو تعلیمی کمیٹی کے زیرِ اہتمام جوبلی ہال میں منعقد ہونے والی دو روزہ اردو کانفرنس میں ساری ریاست میں اردو کو دوسری سرکاری زبان قرار دینے اور اردو میڈیم سے تعلیم حاصل کرنے والے پرائمری اسکول اور کالج سطح کے طلبہ کو اسکالر شپس دینے کا مطالبہ کرتے ہوئے 34 قرار دادیں منظور کی گئیں۔ ریاستی وزیر پنچایت راج اور دیہی ترقیات مسٹر پی سرینواس ریڈی نے اردو کو میٹھی زبان قرار دیتے ہوئے کانفرنس میں منظور کیے جانے والی قرار دادوں کو چیف منسٹر کے علم میں لاتے ہوئے اردو کا مسئلہ حل کرانے کا تیقن دیا۔ دو روزہ اجلاس کا افتتاح راجیہ سبھا کے رکن ڈاکٹر سی نارائن ریڈی نے کیا۔ مسٹر محمد جلیل پاشاہ نے صدارت کی۔ اس موقعے پر کلکٹر حیدر آباد مسٹر راجیشور تیواری پرنسپل سکریٹری اعلیٰ تعلیم مسٹر جی سدھیر، سکریٹری فائنس مسٹر آر پی ونل، پرنسپل نظامیہ طبی کالج ڈاکٹر افتخار جہاں بیگم، صدر شعبۂ اردو نظام کالج مسٹر ایس اے شکور کے علاوہ ملک کی مختلف یونی ورسٹیوں اور کالجوں اور ریاست کے مختلف اضلاع سے کثیر تعداد میں اساتذہ نے شرکت کی۔ ریاستی وزیر پنچایت راج مسٹر پی سرینواس ریڈی نے اردو کو ملک کی تمام زبانوں میں میٹھی زبان قرار دیتے ہوئے کہا کہ اردو کو صرف مسلمانوں تک محدود کر دینا سراسر غلط ہے جب کہ یہ تمام ہندستان میں بولی جانے والی زبان ہے۔ انھوں نے کہا کہ اردو کی ترقی کے لیے صرف اعلانات کرنے کے بجائے ریاستی حکومت بنیادی طور پر اردو کو فروغ دینے کے لیے ابتدائی تعلیم کو مستحکم کر رہی ہے۔ حکومت نے گذشتہ سال 7500 نئے پرائمری اسکول قائم کیے جن میں اردو میڈیم کے 1047 اسکول شامل ہیں۔ اردو میڈیم اسکولوں میں زیرِ تعلیم طلبہ کو پڑھانے کے لیے بڑے پیانے پر اساتذہ موجود ہیں۔ ریاستی حکومت نے ریاست کے 13 اضلاع میں اردو کو دوسری سرکاری زبان قرار دیا ہے۔ گذشتہ دو سال کے دوران ایک لاکھ اساتذہ کے تقررات کیے گئے ہیں۔ ڈی ایس سی کے ذریعے مزید 400 اردو اساتذہ کے تقررات کیے جا رہے ہیں۔ شہر میں 583 نئے اسکول قائم کیے گئے ہیں جس میں 210 اردو میڈیم اسکول شامل ہیں۔ پرنسپل سکریٹری اعلیٰ تعلیم مسٹر جی سدھیر نے کہا کہ اردو تعلیم کو ترقی دینے کے لیے کانفرنس سے جو بھی تجاویز وصول ہوں گی وہ ان پر غور کرنے اور عمل آوری کرنے کے لیے تیار ہیں۔ انھوں نے کہا کہ گورنمنٹ جونیر اردو میڈیم کالجز میں 11 ہزار طلبہ زیرِ تعلیم ہیں۔ بورڈ آف انٹرمیڈیٹ کی اسکیم کے تحت

طلبہ کو اسکالر شپس بھی فراہم کیے جارہے ہیں۔ اس کے علاوہ بورڈ اور تلگو اکیڈمی سے اردو میڈیم کی درسی کتابیں شائع ہو رہی ہیں۔ 11 اردو میڈیم ڈگری کالج ہیں، 36 ڈگری کالج ہیں، جن میں بحیثیت سیکنڈ لینگویج اردو تعلیم دی جارہی ہے۔ صدر نشین اردو تعلیمی کمیٹی مسٹر محمد جلیل پاشاہ نے کہا کہ وہ اردو کو ترقی و فروغ دینے کے لیے ہر سال بڑے پیانے پر کانفرنس منعقد کرتے ہیں جس میں ملک و بیرونی ممالک کے نمائندے شرکت کرتے ہیں۔ فینانس سکریٹری مسٹر آرپی وٹل نے اردو میں علاحدہ اور نئی معلومات پر مبنی درسی کتابیں فراہم کرتے ہوئے طلبہ کو حوصلہ افزائی کرنے کا مشورہ دیا۔ ڈاکٹر مہ جبین انجم نے قرار دادیں پیش کیں جو درج ذیل ہیں:

● کانفرنس مرکزی حکومت سے مطالبہ کرتی ہے کہ وہ آزاد ہند کے پہلے وزیرِ تعلیم امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد کے یومِ پیدائش کو قومی تعلیمی دن قرار دیتے ہوئے سرکاری طور پر اس کا اعلان کرے۔ ● کانفرنس پلاننگ کمیشن سے سفارش کرتی ہے کہ وہ ملک میں اردو زبان کی ترقی کے لیے ایک سو کروز روپے مختص کرے۔ آندھرا پردیش اور ریاست میں اردو سرکاری زبان کمیشن قائم کیا جائے تاکہ تمام سرکاری احکامات اور پالیسیوں کی عمل آوری کو یقینی بنایا جاسکے۔ ● کانفرنس کا مطالبہ ہے کہ ریاست کے تمام اضلاع میں اردو زبان کو دوسری سرکاری زبان کا اعلان کرے اور جن 13 اضلاع میں اردو کو دوسری سرکاری زبان کا درجہ دیا گیا ہے وہاں سخت عمل آوری کے لیے موثر اقدامات کرے۔ ● کانفرنس سہ لسانی فار مولے میں اردو کو لازمی زبان کی حیثیت سے شامل کرتے ہوئے لسانی ہم آہنگی اور قومی یکجہتی کو پروان چڑھانے پر زور دیتی ہے۔ کانفرنس کا مطالبہ ہے کہ حکومت پرائمری، اپر پرائمری، ہائی اسکول، جونیر و ڈگری و پوسٹ گریجویٹ کورسوں میں اردو زیرِ تعلیم طلبہ طالبات کے لیے لازمی طور پر اسکالر شپس منظور کرے۔
● کانفرنس نے مولانا آزاد قومی اردو یونی ورسٹی کے حیدر آباد میں قیام کے لیے حکومت ہند سے اظہار تشکر کرتے ہوئے مطالبہ کیا ہے کہ شمالی ہند میں بھی ایک مرکزی اردو یونی ورسٹی قائم کی جائے تاکہ شمالی ہند کے اردو داں عوام کے احساسات کی پذیرائی ہو سکے۔ ● کانفرنس کا مطالبہ ہے کہ موجودہ حالات میں اردو ٹیچر ز اور لکچرر ز کے تقررات کے سلسلے میں روسٹر سسٹم کو برخاست کیا جائے۔ یہ اقدام مرکزی اور ریاستی محکموں میں تقررات کے لیے لاگو کیا جانا چاہیے۔ مرکزی حکومت کے کیندریہ ودیالیہ اور نوودیالیہ اسکولوں میں اردو کو درج فہرست زبان کے طور پر رائج کیا جانا چاہیے۔ اس کے لیے 20 کے بجائے 10 طلبہ کی شرط کو پیشِ نظر رکھنا چاہیے۔ کانفرنس مہاراشٹرا، کرناٹک، اتر پردیش، مدھیہ پردیش، مغربی بنگال اور دوسری ریاستوں میں اردو کو دوسری سرکاری زبان بنانے کی بھرپور حمایت کرتی ہے۔
● کانفرنس کا مطالبہ ہے کہ دوردرشن کے قومی اور ریاستی سطح پر علاحدہ اردو چینل کا آغاز کیا جائے تاکہ اردو داں عوام کو قومی دھارے میں شامل رکھنے اور رائے عامہ کو ہموار کرنے میں مدد مل سکے جو جمہوریت اور سیکولرزم کے استحکام کا باعث ہوگا۔ ● کانفرنس حیدر آباد میں دکنی ادب، کلچر اور دکنی زبان پر ایک تحقیقاتی مرکز قائم کرنے کا مرکز سے مطالبہ کرتی ہے۔ ● 8ر فروری 1988 کو اردو تعلیمی کمیٹی کی نمائندگی پر فروغ اردو کونسل کا حیدر آباد میں قیام عمل میں لایا گیا تھا لیکن جنوبی ہند کے عوام اس کی کارکردگی سے مطمئن نہیں ہیں۔ کانفرنس مطالبہ کرتی ہے کہ اس برانچ کو کونسل کے بجٹ کا 40 فی صد حصہ تفویض کیا جائے تاکہ کتابوں کی تیاری و دیگر علمی و ادبی سرگرمیوں کو جاری رکھا جاسکے ● کانفرنس کا مرکزی سرکار سے مطالبہ ہے کہ وزیرِ اعظم کے پندرہ نکاتی پروگرام کو سختی کے ساتھ تمام ریاستوں میں روبہ عمل لایا جائے۔ ● کانفرنس نے مرکزی سرکار و ریاستی سرکاروں سے مطالبہ کیا ہے کہ تمام انگریزی، ہندی اور علاقائی ذریعہ تعلیم کے تعلیمی اداروں میں لازمی طور پر اردو زبان کو زبانِ اوّل کی حیثیت سے رائج کیا جائے۔ ● کانفرنس نے مرکزی اور ریاستی سرکاروں سے خواہش کی کہ تمام اردو ذریعہ تعلیم کے اداروں میں جلد سے جلد کمپیوٹر کی تعلیم لازمی کردی جائے۔

(سیاست، حیدر آباد)

اندور میں غریب نواز فاؤنڈیشن کا قیام

● کسی بھی ملک کی سماجی اور اقتصادی ترقی کا انحصار اُس کی تعلیمی پیش رفت پر ہوتا ہے۔ ملک کی آبادی کا ایک بڑا حصہ لکھنے پڑھنے کے اہل ہو گیا ہے۔ لیکن ملک کی آبادی کا اقلیتی طبقہ، مسلم سماج تعلیم اور روزگار میں پچھڑا ہوا ہے۔ حالانکہ ملک کی بعض ریاستوں میں جیسے کیرالہ، ہماچل پردیش، مہاراشٹر، وغیرہ بھی تعلیم کا کافی پھیلاؤ ہو چکا ہے لیکن ملک کے دیگر صوبوں جیسے اتر پردیش، راجستھان، بہار اور مدھیہ پردیش میں تعلیم کا پھیلاؤ کم اوسط میں ہوا ہے۔ اس کے باوجود بھی مدھیہ پردیش میں وزیرِ اعلیٰ جناب دِگ وجے سنگھ کی قیادت میں گذشتہ پانچ چھ برسوں میں تقریباً 22 فی صد تعلیم کا اضافہ ہوا ہے۔ تعلیم اور روزگار کے سلسلے میں، خاص طور سے مسلم سماج کے تعلیمی فروغ کے لیے حکومت نے پختہ عزم کر رکھا ہے۔ اسی فکر کے ساتھ شاہد حسین خاں، ریٹائرڈ آئی پی ایس، ممبر مدھیہ پردیش پبلک سروس کمیشن اندور نے وزیرِ اعلیٰ کے جناب دِگ وجے سنگھ کے مشورے سے مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے لیے، اُن کی تعلیمی ترقی اور روزگار سے وابستہ تمام تر کوششوں کے

لیے "غریب نواز فاؤنڈیشن فار ایجوکیشن آف مسلم سوسائٹی" کی تشکیل کی ہے۔ اس سوسائٹی کی صدارت کی ذمے داری مشہور ایکونامسٹ ڈاکٹر اے ایم خسرو راجیہ سبھا کے ممبر جناب دلیپ کمار اور شاہد حسین خاں ممبر سکریٹری کو سونپی گئی ہے۔ اس کے علاوہ ملک کی چھ سات یونی ورسٹی کے سابق وائس چانسلر اور چند دانشمند حضرات کو شامل کیا گیا ہے۔ غریب نواز فاؤنڈیشن کی اب تک تین میٹنگیں منعقد ہو چکی ہیں، دو دہلی میں اور ایک بھوپال میں۔ تبادلہ خیال کے بعد ڈاکٹر اے ایم خسرو صاحب کو مسلمانوں کے تعلیمی اور روزگار کی ترقی کے لیے ایک ٹاسک فورس (Task Force) بنانے کی ذمے داری دی گئی۔ جن امور پر رپورٹ تیار ہوئی وہ مندرجہ ذیل ہیں:

1- مسلم بچوں کی تعلیم و تربیت کے لیے ایک منصوبہ بنایا جائے۔

2- ذہین طلبہ اور طالبات کے لیے ایک Institute of Excellence قائم کیا جائے۔

3- مدرسہ بورڈ کے ماتحت چل رہے مدرسوں میں دین کی تعلیم کے ساتھ ساتھ دنیاوی تعلیم بھی دی جائے۔

ان خطوط پر ڈاکٹر اے ایم خسرو نے ایک رپورٹ تیار کی۔ جس کے مطابق مسلمانوں کو چار گروپوں میں تقسیم کر دیا گیا ـــ پسماندہ مسلم طبقہ، مڈل اور لوور مڈل طبقہ، اعلیٰ درجے کا تعلیم یافتہ اور مدرسہ تعلیم سے وابستہ طبقہ۔

سرکاری اعداد و شمار کے مطابق ملک میں مسلمانوں کی آبادی تقریباً 15 یا 16 کروڑ ہے۔ اس میں تقریباً 10 کروڑ کی آبادی کا مسلم طبقہ ٹاسک فورس کی رپورٹ کے مطابق تعلیمی اقتصادی طور پر کافی پچھڑا ہوا ہے۔ اس طبقے کی طرف سب سے زیادہ توجہ دینے کی ضرورت ہے۔

مڈل لوور مڈل گروپ، مسلم آبادی کا ایک فی صد تعلیم پر اپنے بچوں کے لیے اخراجات برداشت کر سکتا ہے اور اس کی اقتصادی حالت اچھی ہے لیکن ان کے بچوں کو رہنمائی کی ضرورت ہے۔ رپورٹ میں اس بات پر زور دیا گیا ہے اس طبقے میں سے ہونہار بچوں کو منتخب کیا جائے۔ اُن کے وظیفے بھی مقرر کیے جائیں۔ ذہین بچوں کو Institute of Excellence میں تربیت دی جائے تاکہ وہ ان سے نکل کر ملک میں ہونے والے امتحانات اور جدید ترین تعلیم جیسے MBA/MCA وغیرہ میں بیٹھ کر کامیابی حاصل کریں۔ تیسرا گروپ جو تعداد میں بہت کم ہے، اعلیٰ تعلیم پر خرچ کرنے کا اہل ہے۔ اس لیے ان کی طرف توجہ دینا ضروری نہیں ہے۔

ملک میں اس وقت اندازاً ایک لاکھ مدرسے قائم ہیں جن میں تقریباً 50 لاکھ بچے دینی تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ اس ضرورت پر زور اب دیا جا رہا ہے کہ ان بچوں کو دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ دنیاوی تعلیم بھی دی جائے جس میں حساب، سائنس، سوشل سائنس اور انگریزی کے ساتھ ایک علاقائی زبان بھی پڑھائی جائے تاکہ یہ روزگار کے حصول میں معاون ہو سکے۔ انھیں کچھ ٹریننگ کورس جیسے ٹیلرنگ، میکنکل ٹریننگ، بجلی سے تعلق رکھنے والی ٹریننگ وغیرہ وغیرہ بھی دی جا سکتی ہے۔ اس طرح ان بچوں کو مستقبل میں اپنے پیروں پر کھڑے ہونے کا موقع مل سکے گا۔ مدھیہ پردیش سرکار نے مدرسہ بورڈ کے ذریعے ایسی تعلیمات کا انتظام کر رکھا ہے۔

وزیر اعلیٰ نے پہلی میٹنگ کے دوران جو کہ مدھیہ پردیش میں 16/جون 2001 کو منعقد ہوتی تھی، غریب نواز فاؤنڈیشن کے لیے 20 ایکڑ زمین بھوپال کے پاس گاندھی نگر میں دینے کا اعلان کیا۔ ایک کروڑ روپیہ بھی عطیہ دینے کا اعلان کیا۔ وزیر اعلیٰ کی رائے پر Institute of Excellence بھی کھولنے کا اعلان کیا گیا جس میں مسلم بچے اعلیٰ درجے کی تعلیم حاصل کر سکیں گے۔

مدھیہ پردیش سرکار پوری سنجیدگی کے ساتھ رپورٹ کو عملی جامہ پہنانے کی کوشش کر رہی ہے۔ (ڈاک سے)

یوم آزادی پر بچوں کے گھر میں تقریب

● نئی دہلی۔ آزادی کے 55ویں سالگرہ کے مبارک موقعے پر 14/اگست 2002 صبح ساڑھے دس بجے بچوں کا گھر، نئی دہلی میں مرکزی وزیر برائے شہری ہوا بازی سیّد شاہنواز حسین نے اپنے دستِ مبارک سے جھنڈا سلامی کی رسم ادا کی۔ قومی جھنڈا لہرانے کے بعد تقریر کرتے ہوئے انھوں نے کہا کہ ہزاروں مجاہدینِ آزادی نے ملک و وطن کی آزادی کے نام پر اپنی جانیں نچھاور کی تھیں کسی ایک قوم یا ایک مذہب کے نام نہیں۔ مذہب کے نام پر شہیدوں کے ساتھ تفریق کرنے والے ملک کے وفادار نہیں ہو سکتے۔ ہندستان میں رہنے والے مسلمان سچے وطن پرست اور محب الوطن ہیں۔ انھیں اپنی حب الوطنی کو ثابت کرنے کے لیے کسی سے سرٹیفکیٹ حاصل کرنے کی ضرورت نہیں۔ جو لوگ وطن سے محبت نہیں کر سکتے وہ سچے مذہبی بھی نہیں ہو سکتے۔ انھوں نے مسلمانوں کے ساتھ امتیازی سلوک برتے جانے پر سوال کرتے ہوئے کہا کہ مسلمانوں کو فسادات و ناگزیر حالات سے گھبرانا نہیں چاہیے۔ سیّد شاہنواز حسین نے اپنی تقریر میں مسلم رہنماؤں، سیاسی لیڈروں اور ممبران پارلیمنٹ سے مسلمانوں کی فلاح و بہبود و ترقی کے لیے کھل کر کام کرنے کی ضرورت پر زور دیا اور اپنے بارے میں بی۔ جے۔ پی کے ممبر ہونے کے ناطے پیدا ہونے والے شکوک و شبہات کو غلط قرار دیا اور ملک بھر میں بچوں کے گھر جیسے دیگر مسلم ادارے کھولے جانے کی ضرورت پر بھی زور دیا۔

مرکزی وزیر شاہنواز حسین نے قومی کونسل برائے فروغ اُردو زبان کے کمپیوٹر سینٹر کا بھی دورہ کیا اور انھوں نے طلبہ و طالبات سے گفتگو کے

دوران کہا کہ میں بھی کچھ مہینے وزارت ترقی انسانی وسائل، حکومت ہند میں تھا اور میں نے ڈاکٹر محمد حمید اللہ بھٹ صاحب کا کام بھی دیکھا۔ وہ کافی لگن کے ساتھ سبھی سینٹروں کی کارکردگی کو بہتر بنا رہے ہیں اور اُردو کی ترقی کے لیے زبردست کام انجام دے رہے ہیں۔ (ڈاک سے)

دہلی اردو اکادمی کی سرگرمیاں

● نئی دہلی ، 18 /جولائی۔ اردو اکادمی، دہلی کو مالی سال 2001-2002 میں دہلی کے قلمکاروں سے جو 37 مسودات برائے مالی تعاون موصول ہوئے تھے، ان پر اکادمی کی ایگزیکیٹو کمیٹی نے غور کرتے ہوئے 23 مسودات پر مالی تعاون دینے کا فیصلہ کیا۔ ان میں تحقیق و تنقید کے علاوہ ناول، افسانے، انشائیے ڈرامے اور مختلف موضوعات پر مضامین کے 8 مسودات، شاعری کے 6 مسودات اور دو مسودات بچوں کے ادب سے متعلق ہیں۔ یہ تعاون 4 سو کتابیں چھاپنے پر آئی لاگت کا 85 فی صد یا 15 ہزار روپے جو بھی کم ہو، ادا کیا جاتا ہے۔

اس کے علاوہ اکادمی کی ایگزیکیٹو کمیٹی نے سال 2001 میں شائع ہونے والی ان کتابوں پر بھی انعامات دینے کا فیصلہ کیا ہے جو اکادمی میں اس غرض سے جمع کرائی گئی تھیں۔ انعامات کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے:

شعر چراغ (خالد محمود)، لاپتہ (من موہن تلخ)، قندیل حرم (عزیز بگھروی)، فاصلاتی نظامِ تعلیم اور اردو (ریاض احمد)، شاد عارفی، فن اور فنکار (پروفیسر مظفر حنفی)، اردو تفاسیر بیسویں صدی میں (ڈاکٹر سید شاہد علی) کو 5100 فی کتاب انعام دیا گیا۔ جواز و انتخاب (ڈاکٹر کوثر مظہری)، معجزہ (شہباز ندیم)، جدیدیت اور اردو افسانہ (اسلم جمشید پوری)، مولود شریف (ڈاکٹر آفتاب احمد آفاقی)، انیسواں ادھیائے (نند کشور وکرم)، گلدستہ نعت (عادل اسیر دہلوی)، یہ چند لمحوں کے زرد پتے (ہاجرہ شکور)، حیات و علمی خدمات: شیخ عبدالحق محدث دہلوی (ڈاکٹر علیم اشرف خاں) کو 2500 روپے کا انعام دیا گیا اور آواز کے سائے (عبید الرحمن)، اردو شاعری میں طنز و مزاح (مظہر احمد)، چھوٹی گڑیا (عادل حیات)، سونے کا محل (انور کمال حسینی) اور مکتوبات ساغر نظامی (فیروز مظفر) کو پندرہ سو روپے کے انعام سے نوازا گیا۔

اس کے ساتھ ہی بہترین ناشر کے لیے اکادمی کا منشی نول کشور ایوارڈ مبلغ 5100 روپے "کتابی دنیا" کو دینے کا اعلان کیا گیا۔ (قومی آواز، دہلی)

مدھیہ پردیش اردو اکادمی کا جلسہ

● بھوپال۔ ملک میں بڑھتی ہوئی فرقہ پرستی اور دہشت گردی کے خلاف مدھیہ پردیش اردو اکادمی نے ایک مباحثے کا اہتمام ملار موزی سنسکرتی بھون میں کیا جس میں اردو اور ہندی کے قلمکاروں اور دانشوروں نے حصہ لیا۔ ابتدا میں اکادمی کے چیئرمین عزیز قریشی صاحب نے کہا کہ ملک میں روزافزوں دہشت گردی اور فرقہ پرستی کا مقابلہ کرنے کے لیے شاعروں، کویوں اور دانشوروں کو غور کرنا ہوگا۔

اردو کے بزرگ شاعر جناب اختر سعید خاں صاحب نے اپنی صدارتی تقریر میں کہا کہ گذشتہ تیس سالوں سے ہم صرف اپنے لیے ادب لکھ رہے تھے۔ اب عوام کے روبرو ہونے کے لیے ہمیں اخبارات اور رسائل کا سہارا لینا پڑے گا۔ ڈاکٹر نصرت بانو روحی نے کہا کہ فاشزم مذہب کی شکل میں جڑ پکڑ چکا ہے اور آج اگر اس کے خلاف ہم نے لڑائی نہیں لڑی تو صرف پچھتاوا ہی ہمارے ہاتھ لگے گا۔ اس موقع پر لجا شنکر ہردینیا صاحب نے کہا کہ جنگِ آزادی کی جدوجہد اور لڑائی اردو نے لڑی ہے اور اب موقع آگیا ہے کہ کمیونل ازم کے خلاف اردو کی طاقت کا استعمال کیا جائے اور اس کو مسلمانوں کی زبان قرار دینے کے غلط پروپیگنڈے کا جواب دیا جائے۔

شری بھگوت راوت نے کہا کہ آج کا فنکار اپنے مقصد سے ہٹ گیا ہے اس کو اپنے فرض کو پہچاننا ہوگا۔ ڈاکٹر کپل تیواری نے زور دیتے ہوئے کہا کہ ہم مذہب کی ظاہری صورت پر زور دینے لگے ہیں اور حقیقی مذہب ہماری نظروں سے دور چلا گیا ہے۔ رام پرکاش ترپاٹھی نے کہا کہ اردو نے ترقی پسندی اور کھلے ذہن کی وکالت کی ہے۔ ان کے علاوہ مباحثے میں پروفیسر عبدالقوی دسنوی، پروفیسر ضمیر الدین، ڈاکٹر بشیر بدر، سریش چندر رودیدی اور پروفیسر سید اختر نے اپنے خیالات کا اظہار کیا۔

آخر میں گجرات اور قاسم نگر میں ہلاک ہونے والے بے قصور شہریوں کی یاد میں ایک منٹ خاموش رہ کر ان کو خراجِ عقیدت پیش کیا گیا۔ ایک قرارداد بھی پاس کی گئی جس میں ان واقعات کے لیے ذمے داران اور کراس بارڈر ٹیررازم کی مذمت کی گئی اور دہشت گردی اور فرقہ پرستی کے خلاف ادیبوں اور شعرا کے ذریعے کیے جانے والے اقدامات کا لائحۂ عمل طے کرنے کے لیے عزیز قریشی صاحب کی صدارت میں چھ لوگوں کی کمیٹی بنائی گئی۔ (ڈاک سے)

حیدرآباد اکادمی کا اجلاس

● حیدرآباد، 21 /جولائی۔ تخلیق کا ایک محرک یہ ہے کہ تخلیق کار چاہتا ہے کہ اس کو پہچانا جائے، خدا نے اس کائنات کی تخلیق اسی لیے کی کہ اس کو پہچانا جائے۔ تخلیق کار بھی اپنے آپ کو ظاہر کرنے اور اپنی فکر کو

دوسروں تک پہنچانے کے لیے تخلیق کرتا ہے۔ ان خیالات کا اظہار پروفیسر مغنی تبسم نے "میں کیوں لکھتا ہوں / لکھتی ہوں" کے زیرِ عنوان منعقدہ حیدر آباد اکادمی کے خصوصی اجلاس میں کیا۔ انھوں نے کہا کہ تخلیق کے ضمن میں کئی نظریات ہیں۔ ذہن میں دبے ہوئے جذبات کو لفظوں میں ڈھال دینا بھی تخلیقی عمل کا ایک حصہ ہے۔ کبھی یہ بھی ہوتا ہے کہ محض داد و خواہش بھی شعری تخلیقات کا سبب بنتی ہے۔ انھوں نے کہا کہ تخلیق سرزد ہونے کے بعد تخلیق کار کا اس سے کوئی تعلق نہیں رہتا بلکہ وہ قاری کی ملکیت بن جاتی ہے۔

پروفیسر این گوپی سابق وائس چانسلر تلگو یونی ورسٹی نے ادارۂ ادبیات اردو میں منعقدہ حیدر آباد اکادمی کے خصوصی اجلاس میں "میں کیوں لکھتا ہوں" کا جواب دیتے ہوئے اپنے تخلیقی تجربات اور محرکات کا ذکر کیا۔ انھوں نے کہا کہ وقتی ضرورت کے تحت لکھی جانے والی تخلیق اہم نہیں ہوتی، اس لیے انھوں نے ایسی نظموں کو اپنے مجموعوں میں شامل نہیں کیا بلکہ صرف وہ کلام شامل کیا جس میں اندرونی اپج کی لہر اور فکری عنصر موجود تھا۔ ڈاکٹر پی مانک امبا پروفیسر شعبۂ ہندی عثمانیہ یونی ورسٹی نے کہا کہ زمانے کی کوئی حد نہیں ہوتی اور تخلیق کار یہ سوچ کر لکھتا ہے کہ کبھی نہ کبھی اس کو پہچانا جائے گا اور اس کی تخلیقات پر غور کرنے اور سمجھنے کی کوشش کی جائے گی۔ تلگو کے انقلابی شاعر جناب نکھلیشور نے کہا کہ شاعر اور فن کار اپنے ماحول اور سماج سے متاثر ہوکر تخلیق پر مائل ہوتا ہے تو باغیانہ لہجہ جنم لیتا ہے۔ جناب رئیس اختر نے کہا کہ تخلیق کے لیے دل گدازی شرطِ اولیں ہے۔ ہندی کے شاعر شری مرلی دھر شرما نے کہا کہ ہر شخص کا اظہار مختلف ہوتا ہے لیکن ایک حساس شاعر کسی واقعے سے متاثر ہوتا ہے تو اس کا اظہار شعر میں کرتا ہے۔ جناب رؤف خلش، جوالا مکھی اور ڈاکٹر یوسف اعظمی نے بھی مخاطب کیا۔ ممتاز افسانہ نگار جناب قدیر زماں نے کہا کہ اظہار کی خواہش تخلیق کا سبب ہوتی ہے اور احساس کی شدت تخلیق کار کو لکھنے اور اپنے افکار پیش کرنے کی طرف مائل کرتی ہے۔ ابتدا میں جناب مصحف اقبال توصیفی نے مہمانوں کا خیر مقدم کیا۔ اس موقع پر رحمت یوسف زئی نے اعتماد صدیقی اور حمید الماس کے سانحۂ ارتحال پر ایک قرارداد تعزیت پیش کرتے ہوئے اس اجلاس کو ان دونوں مرحومین کے نام معنون کیا۔ (سیاست، حیدر آباد)

بہار اردو اکادمی کمپیوٹر مرکز میں اعزازی جلسہ

● پٹنہ، 2/اگست۔ بہار کی حکومت کو احساس ہے کہ اردو اس ریاست کی دوسری سرکاری زبان ہے اس لیے اس کے تئیں اس کی کیا ذمے داریاں ہیں۔ تمام مالی مشکلات کے باوجود اس بات کی کوشش کی جاتی ہے کہ اردو کو درپیش مسائل کو دور کیا جائے۔ اس بات کا اظہار ریاستی وزیر ادارہ جاتی مالیات ڈاکٹر اشوک کمار نے اپنی صدارتی تقریر میں کیا۔ وہ یہاں بہار اردو اکادمی کے کمپیوٹر مرکز میں امریکہ سے تشریف لائے مہمان ڈاکٹر جہانگیر وارثی کے اعزاز میں منعقدہ جلسے میں تقریر کررہے تھے۔ انھوں نے کہا کہ "اردو اداروں کی جدید کاری کے لیے بھی ہر ممکن کوشش کی جارہی ہے لیکن ساری چیزوں کی ذمے داری صرف حکومت پر نہیں ڈالی جاسکتی، خود اردو اداروں کو بھی آگے آنا چاہیے۔"

جلسے کے مہمانِ خصوصی وزیر مملکت برائے محنت و تربیت ڈاکٹر محمد جاوید آزاد نے کہا کہ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اردو کو دوسری سرکاری زبان بنائے جانے کے بعد اردو کی جو ترقی ہونی چاہیے تھی وہ نہیں ہوسکی ہے لیکن اس کے لیے ہم اردو والے کم ذمے دار نہیں ہیں۔

جلسے سے خطاب کرتے ہوئے جناب حسن نواب حسن نے کہا کہ ہمیں اس بات کا اعتراف کرنے میں کوئی تامل نہیں ہونا چاہیے کہ اردو پڑھنے والوں کی تعداد گھٹ رہی ہے اور اردو اداروں کی حیثیت مسلسل کمزور ہوتی جارہی ہے۔ جبکہ انجمن ترقی اردو بہار کے سکریٹری جناب فخر الدین عارفی نے ان کی رائے سے اختلاف کرتے ہوئے کہا کہ ایسا صرف اونچے طبقے میں ہورہا ہے جبکہ پسماندہ طبقہ اب بھی اردو کو گلے سے لگائے ہوئے ہے اور ان کے بچے اب بھی اردو تعلیم حاصل کرتے ہیں۔

اس جلسے کے مہمان ڈاکٹر جہانگیر وارثی نے کہا کہ وہ یہ تسلیم نہیں کرتے کہ اردو زبان دم توڑ رہی ہے یا ختم ہورہی ہے لیکن اسے عصری تقاضوں سے ہم آہنگ کرنا بھی ضروری ہے۔ اس سلسلے میں قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان نے انقلابی اقدام کرکے سوا سو سے بھی زیادہ کمپیوٹر تربیتی مراکز قائم کیے ہیں جو پورے ملک میں پھیلے ہوئے ہیں۔ ان میں ہر سال 7 ہزار سے بھی زائد طلبہ ٹریننگ پارہے ہیں اور ان میں سے 50 فی صد ملازمت بھی حاصل کرچکے ہیں۔ اس طرح کونسل نے ایک بڑی ضرورت کی تکمیل کی ہے۔ انھوں نے کہا کہ امریکہ میں اردو کے تئیں کسی قسم کا تعصب نہیں برتا جاتا اس لیے وہاں بھی یہ زبان ترقی کررہی ہے۔

کمپیوٹر مرکز کے انچارج ڈاکٹر رضوان احمد نے ڈاکٹر جہانگیر وارثی کا تعارف کرایا اور کہا کہ اردو زبان اس وقت تک تنزلی کا شکار نہیں ہوگی جب تک اردو والے اپنی بیداری کا ثبوت دیتے رہیں گے۔ (ڈاک سے)

"غالب، برکھارت اور آم"

● نئی دہلی، 20/جولائی۔ مرکزِ علم و دانش اور بزمِ ساز و ادب کے زیرِ اہتمام مشترکہ طور پر آج ایک تقریب بعنوان "غالب، برکھارت اور آم"

غالب اکیڈمی بستی حضرت نظام الدین، نئی دہلی میں منعقد ہوئی۔ صدارت کے فرائض ڈاکٹر کمال احمد صدیقی نے انجام دیے۔

تقریب میں ادبی نشست کا بھی اہتمام کیا گیا۔ ادبی جلسے کا آغاز نعتیہ کلام سے ہوا۔ اس کے بعد "غالب، برکھارت اور آم" کے موضوع پر تقاریر اور نظموں کا سلسلہ شروع ہوا۔ محمد عتیق صدیقی صدر "بزم ساز و ادب" نے مزاحیہ خاکہ پیش کیا جب کہ ابرار کرت پوری نے آم پر ایک طویل نظم سنائی۔ مقررین و شعرا میں مخدوم زادہ مختار عثانی، اقبال فردوسی، شعیب مرزا، انیس اعظمی، بھٹناگر شاداب، متین امروہوی، سردار گروبندر سنگھ عازم، ظفر مراد آبادی، انور باری اور منور سرحدی اہم تھے جنھوں نے اپنی تقریروں اور نظموں سے غالب کی آم دوستی کا تذکرہ کر کے انھیں خراج عقیدت پیش کیا۔

اس موقعے پر نسیم نیازی کے شعری مجموعوں "مہک" (اردو) اور "روشنی" (ہندی) کی رسم اجرا بھی علاقے کے کونسلر فرہاد سوری اور مولانا احمد مصطفےٰ راہی صدیقی کے ہاتھوں عمل میں آئی۔ کونسلر نے ادب سے اپنی رغبت کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ ہمیں مشترکہ طور پر ادب اور ادب کے متعلقین سے تعاون کر کے ادب کی صحیح معنوں میں خدمت کرنی چاہیے۔

ظفر نقوی بھی اس ادبی جلسے میں شریک رہے اور آخر میں اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ جلسے کے خاتمے کے بعد مرزا اسد اللہ خاں غالب کے مزار کے احاطے میں تمام حاضرین آموں کی دعوت سے لطف اندوز ہوئے۔

(راشٹریہ سہارا، دہلی)

شکیل الرحمٰن پر ویب سائٹ

● نئی دہلی، "اردو دنیا" کے ممتاز ادیب اور فنکار ناقد ڈاکٹر شکیل الرحمٰن پر جو "ویب سائٹ" تیار ہوا ہے اس کا پتا یہ ہے:

www. Shakeelrh.com (ڈاک سے)

اردو کی سی۔ ڈی۔ "اردوستان" تیار

● دکن مسلم ایجوکیشن انسٹی ٹیوٹ، "اردوستان" کے نام سے ایک سی ڈی تیار کی ہے جس میں شائقین اردو کے لیے مختلف النوع موضوعات پر خوبصورت HTML فائلوں کے روپ میں بہترین مواد دستیاب ہے۔ اردو کی تاریخ، شاعری کی تاریخ، اردو افسانے اور شاعری، بچوں کی کہانیاں، کمپیوٹر گیم اور پہیلیاں، خواتین کی دل چسپی کے موضوعات پر مضامین، کیریئر سے متعلق گوشہ، کمپیوٹر اور اردو سکھانے کا پروگرام، اردو کی لغات وغیرہ شامل کر کے اس سی ڈی کو ایک مکمل معلوماتی پروگرام بنادیا گیا ہے۔ سی ڈی ایک ہزار روپے میں درج ذیل پتے سے حاصل کی جاسکتی ہے:

دکن مسلم انسٹی ٹیوٹ، پونہ
2390-B، کے پی، ہدایت اللہ روڈ، اعظم کیمپس،
نیو مودی خانہ کیمپ، پونے-411001

دہلی اردو اکادمی کے نئے سکریٹری

● نئی دہلی، 8 اگست۔ (یو این آئی) مرغوب حیدر عابدی کو اردو اکادمی دہلی کا سکریٹری مقرر کیا گیا ہے۔ مسٹر عابدی اس سے قبل دہلی سرکار میں تقریباً دس برس سے پریس آفیسر کے فرائض انجام دے رہے تھے۔ انھوں نے اردو اکادمی، دہلی کے قیام کے فوراً بعد سے اسی اکادمی میں تقریباً چار سال (1983 سے 1986) تک اسسٹنٹ سکریٹری کے فرائض انجام دیے۔ (قومی آواز، دہلی)

راجستھان مدرسہ بورڈ ترقی کی راہ پر گامزن

● جے پور، 24 جولائی۔ راجستھان مدرسہ بورڈ چیئرمین عبدالقیوم اختر کی اطلاع کے مطابق مدرسہ بورڈ کا قیام 1995 میں ہوا۔ مدرسوں میں جدید تعلیم رائج کرنے کی سرکاری اسکیم کے تحت راجستھان مسلم وقف بورڈ کے ذریعے پرائمری سطح کی نصابی کتابیں مفت فراہم کر کے مدرسہ تعلیم کو عصری تعلیم سے جوڑنے کی کوشش کی گئی۔ 1999 میں 619، 2001 میں 500 اور 2002 میں 500 پیرا ٹیچر اور 4500 روپے کا تعلیمی سامان مدرسوں میں عصری تعلیم کے لیے دیا گیا۔ اس کو اور مؤثر بنانے کے لیے امسال راجستھان مدرسہ بورڈ کی تشکیل کا خوش آئند اعلان کیا گیا۔ مدرسوں کی تجدید کاری کی ذمے داری راجستھان مسلم وقف بورڈ کو سونپی گئی۔ راجستھان مدرسہ بورڈ نے سرحدی ضلعوں جودھپور، باڑمیر، جیسلمیر، بیکانیر اور گنگانگر کا دورہ کر کے دیکھا کہ وہاں کے مدرسوں میں کوئی قابلِ اعتراض سرگرمی نہیں ہے۔ ریاست کے وزیر اعلیٰ اشوک گہلوت اور ڈی جی پولیس ڈی جی انٹلی جنس نے بھی مدارس میں غیر قانونی سرگرمی کی تردید کی ہے۔

مسٹر اختر نے بتایا کہ صرف جے پور شہر ہی میں 230 مدرسوں کا وقف بورڈ میں رجسٹریشن ہو چکا ہے جن میں سے پچھلے سال 165 مدرسوں کے طلبہ طالبات نے پانچویں جماعت کے بورڈ امتحان میں، 75 مدرسوں کے طلبہ طالبات نے سیکنڈری بورڈ کے امتحانوں میں شرکت کی۔ امسال بھی داخلے جاری ہیں۔ بورڈ کی درخواست پر راجیہ سبھا ایم پی پنڈت نول کشور شرما، تقی الدین رکن اسمبلی صاحبان نے مختلف مدرسوں کو عمارت کی تعمیر کے لیے

اقتصادی امداد دلائی ہے۔ (قومی آواز، دہلی)

راجستھان میں سترہ سو مدارس رجسٹر ہوئے

● جے پور، یکم اگست۔ راجستھان میں تقریباً تین ہزار مدارس درس و تدریس کا کام انجام دے رہے ہیں۔ ان میں سے 1700 مدارس کو تعلیم دینے کے لائق سمجھ کر وقف بورڈ نے رجسٹر کیا ہے۔ راجستھان ایجوکیشنل مدرسہ بورڈ کے ایک سروے کے مطابق 75 فی صد مدرسے مسجدوں اور درگاہوں میں چل رہے ہیں جب کہ 25 فی صد مدرسوں کے پاس باقاعدہ عمارتیں ہیں۔ جن میں سے 10 فی صد ہی اچھے حالات میں ہیں۔ باقی کچے مکانات اور پھٹے ہوئے فرش پر طلبہ تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ مدرسوں کی مالی حالت خراب ہے۔ طلبہ کے بیٹھنے کا بھی کوئی معقول انتظام نہیں ہے۔ ایسے میں مدرسہ کمیٹیوں کے پاس جدید اور ٹیکنیکل تعلیم شروع کرنے اور اس کی ترقی کے لیے کوئی بجٹ نہیں ہے۔

یہ اطلاعات ایجوکیشنل مدرسہ بورڈ کے صدر مولانا فضل الحق اور جنرل سکریٹری مفتی عبدالستار نے مسلم مسافر خانہ جے پور میں منعقد ایک پریس کانفرنس میں دیں۔ انھوں نے بتایا کہ راجستھان میں 22 دارالعلوم ہیں۔ ان میں سب سے بڑا سینٹر دارالعلوم رضویہ جے پور میں ہے۔ انھوں نے بتایا کہ وزیر اعلیٰ کے ذریعے پرائمری تک جدید تعلیمی نصاب جاری کیا گیا ہے۔ شعبۂ تعلیم کے ذریعے اردو کے تحت چلنے والے نصاب میں وطن کی محبت اور علامہ اقبال کے قومی ترانے بھی شامل کیے گئے ہیں۔ انھوں نے بتایا کہ بورڈ نے وزیر اعلیٰ اشوک گہلوت کو خط لکھ کر اصرار کیا ہے کہ مدرسوں میں جدید تعلیم کے ساتھ ٹیکنیکل ایجوکیشن کے لیے مدد دی جائے۔ اس کے تحت ہر ضلع میں کم سے کم 3 کمپیوٹر سینٹر کھولے جائیں۔ مدرسوں کو جدید تعلیم سے جوڑنے کے لیے وقف بورڈ کے ذریعے رجسٹرڈ مدرسوں کو 19 لاکھ 24 ہزار کتابیں تقسیم کی گئی ہیں۔ انھوں نے بتایا کہ وزیر اعلیٰ سے گذارش کی گئی ہے کہ اقلیتی فائنس کارپوریشن کو سرگرم کریں اور یہاں حج ہاؤس جلد تعمیر کروائیں۔ وزیر اعلیٰ اشوک گہلوت نے پہلے 2000-1999 کے بجٹ میں وقف بورڈ کے 619 رجسٹرڈ مدرسوں کے لیے 555 پیرا ٹیچر زدیے تھے۔ راجستھان وقف بورڈ کے ذریعے رجسٹرڈ مدرسوں کے لیے اس سال کے بجٹ میں 500 اور پیرا ٹیچرز دیے گئے ہیں۔ (راشٹریہ سہارا، دہلی)

اردو یونی ورسٹی میں بی کام کی نصابی کتابیں تیار

●حیدر آباد، 15 رجولائی۔ مولانا آزاد نیشنل اُردو یونی ورسٹی نے ملک میں پہلی بار اُردو میں کامرس کے انڈر گریجویٹ کورس کی نصابی کتابیں برائے فاصلاتی تعلیم تیار کرلی ہیں۔ بی کام سال دوم کے چھ مضامین کی 29 کتابیں اور سال سوم کے چھ مضامین کی 25 کتابیں یعنی جملہ 54 کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔ یونی ورسٹی کے ٹرانسلیشن ڈویژن کے زیرِ اہتمام اڈیٹنگ، ترجمہ اور زبان کے نقطہ نظر سے یہ کتابیں، عمدہ کاغذ پر رنگین سرورق کے ساتھ شائع کی گئی ہیں۔ اندرا گاندھی نیشنل اوپن یونی ورسٹی کے انگریزی نصاب پر مشتمل یہ کتابیں ٹرانسلیشن ڈویژن کے کوآرڈینیٹر ڈاکٹر سید مصطفیٰ کمال کی سربراہی اور نگرانی میں مختلف یونی ورسٹیوں اور کالجوں سے منسلک یا سبکدوش کامرس کے سینئر اساتذہ کی ایک بڑی ٹیم نے تیار کی ہیں۔
(ڈاک سے)

انجمن ترقی اردو پرائیویٹ امتحانات کرائے گی

● نئی دہلی، 19 رجولائی۔ نیشنل اوپن اسکول سے اردو کے ذریعے تعلیم حاصل کرنے کے خواہشمند طلبہ کو سہولت بہم پہنچانے کے لیے انجمن ترقی اردو (ہند) نے نیشنل اوپن اسکول سے یہ منظوری حاصل کرلی ہے کہ وہ طلبہ کے لیے تیسرے، پانچویں اور آٹھویں درجے کے امتحانات منعقد کرے اور ان امتحانات میں کامیاب ہونے والے طلبہ کو جو سرٹیفکیٹ دیے جائیں ان پر انجمن ترقی اردو (ہند) کے جنرل سکریٹری اور نیشنل اوپن اسکول کے چیئرمین کے دستخط ہوں۔ ان سرٹی فکیٹوں کی بنیاد پر طالب علموں کو سرکاری اسکول میں داخلے مل سکیں گے۔ اس سلسلے میں ایسی نصابی کتابوں کی تیاری بھی ضروری ہے جن کے ذریعے نیشنل اوپن اسکول کے طریقۂ تعلیم کے مطابق طلبہ استاد کی مدد کے بغیر امتحان کی تیاری کرسکیں گے۔ یہ نصابی کتابیں انجمن ہی تیار کررہی ہے اور اس کام میں اسے نیشنل اوپن اسکول کا تعاون حاصل ہے۔ ان نصابی کتابوں کی تیاری کے سلسلے میں پہلی سہ روزہ ورکشاپ انجمن ترقی اردو (ہند) کے دفتر واقع اردو گھر میں 18 رجولائی کو شروع ہوئی جس کا افتتاح نیشنل اوپن اسکول کے چیئرمین نول کشور بھٹ نے کیا۔ اس موقعے پر خطاب کرتے ہوئے انھوں نے کہا کہ اردو کو بھی ترقی اور فروغ کے مواقع دوسری ہندستانی زبانوں کی طرح ہی ملنے چاہئیں۔ انھوں نے مزید کہا کہ یہ نصابی کتابیں دوسرے اسکولوں کی نصابی کتابوں سے مختلف ہوں گی کیوں کہ طلبہ ان کتابوں کو استاد کی مدد کے بغیر خود بخود پڑھتے ہیں۔

اس سے قبل ڈاکٹر خلیق انجم نے کہا کہ اگر ہمیں نیشنل اوپن اسکول کے چیئرمین کی سرپرستی اور تعاون حاصل رہا تو ہم کتابیں تیار کرنے میں ضرور کامیاب ہوں گے۔

نیشنل اوپن اسکول کے ڈائرکٹر اکیڈمک ڈاکٹر کلدیپ اگروال نے کہا کہ ہندستانی کلچر کو پروان چڑھانے میں سبھی اقوام کا حصہ ہے۔ ورک شاپ کے افتتاحی جلسے میں پروفیسر صدیق الرحمٰن قدوائی، پروفیسر شمیم حنفی، پروفیسر محمد صابرین، ڈاکٹر اسلم پرویز، ڈاکٹر فیروز دہلوی، ڈاکٹر شعیب رضا وارثی، ڈاکٹر جمیل اختر، مولانا عطاءالرحمٰن قاسمی، مولانا افتخار حسین اور مولانا محمد مسلم نے بھی شرکت کی۔ (قومی آواز، دہلی)

جامعہ ملیہ اسلامیہ میں عربی کا ریفریشر کورس

● نئی دہلی، 10 رجولائی۔ عربی زبان نہ تو کسی مذہب کی زبان ہے اور نہ وہ کسی خاص علاقے کی زبان ہے بلکہ اس کی اپنی عالمگیر تہذیبی حیثیت ہے جس کی ترویج و اشاعت میں ہندستانی اسکالرز کی خدمات مسلم ہیں۔ ان خیالات کا اظہار اکادمک اسٹاف کالج، جامعہ ملیہ اسلامیہ میں شام کے سفیر ڈاکٹر محسن الخیر نے کیا۔ وہ آج یہاں عربی زبان کے نویں ریفریشر کورس کا افتتاح کر رہے تھے۔

جامعہ کے وائس چانسلر سید شاہد مہدی نے معزز مہمانان کا استقبال کرتے ہوئے کہا کہ عربی زبان اقوامِ متحدہ کی ایک معروف زبان ہے اور خوشی کی بات یہ ہے کہ جامعہ ملیہ اسلامیہ نے ہمیشہ عربی زبان و ادب کی ترویج و اشاعت میں بھرپور حصہ لیا ہے۔ یوجی سی کی طرف سے تین ہفتے کے اس ریفریشر کورس میں شریک ہونے والے ملک بھر کے عربی اساتذہ کا استقبال کرتے ہوئے صدر شعبۂ عربی پروفیسر شفیق احمد خاں ندوی اور ڈائرکٹر اکیڈمک اسٹاف کالج پروفیسر محمد اختر صدیقی نے کورس کی افادیت اور اہمیت پر روشنی ڈالی۔ ناظمہ کورس ڈاکٹر فرحانہ صدیقی نے کورس کے تمام پروگراموں کی تفصیل پیش کی۔ (راشٹریہ سہارا، دہلی)

ہاسن میں اردو اساتذہ کے لیے تربیتی کارگاہ

● مورخہ 17 اور 18 ر جولائی 2002 بمقام بوائس مڈل اسکول ہاسن میں تعلقے کے تمام اردو اساتذہ کے لیے بی ای او شریمان شیوے گوڑا کے حکم نامے کے مطابق دو دن کی تربیتی کارگاہ منعقد ہوئی۔ جناب سید حفیظ الرحمٰن ای سی او نے کارگاہ کا افتتاح کیا اور کہا کہ اس دو دن کی کارگاہ سے اساتذہ بھرپور فائدہ اٹھا کر درس و تدریس میں تبدیلی لائیں۔ جناب محمد شفیق اللہ نے تدریسی وسائل کی تیاری شروع کی۔ اردو زبان، حساب، ماحولیات، انگلش، کنڑا، سائنس اور سماجی سائنس تمام مضامین کے لیے اساتذہ سے تدریسی وسائل تیار کروائے۔ شریمان شیوے گوڑا نے تدریسی وسائل کا معائنہ کیا اور کہا کہ طلبہ کی تعلیمی ترقی، بدلتے ہوئے درس و تدریس کے طریقوں سے اساتذہ کا واقف ہونا بہت ضروری ہے۔ مجھے یقین ہے کہ یہ تربیت اور کارگاہ بہت کارآمد ثابت ہوگی۔ اس موقع پر محترمہ عائشہ تسنیم، محترمہ ادیبہ شاہین اور جناب قیصر پاشاہ نے اپنے اپنے تاثرات پیش کیے۔ جناب مجیب پاشا نے شکریہ ادا کیا۔ (سالار، بنگلور)

ناندیڑ میں اردو بی ایڈ کالج کے قیام کو منظوری

● ناندیڑ، 13 رجولائی۔ ناندیڑ کے رکن پارلیمنٹ مسٹر بھاسکر راؤ پاٹل کھتگاؤنکر نے ریاستی حکومت سے ناندیڑ میں اقلیتی فرقے کی آبادی کے تناسب کے پیشِ نظر ضلع میں اردو زبان کے ایک بی ایڈ کالج کی منظوری دینے کا پرزور مطالبہ کیا تھا۔ ریاستی حکومت نے ان کے مطالبے کو قبول کرتے ہوئے کالج کے قیام کی منظوری دی۔ آئندہ تعلیمی سال کے آغاز سے یہ کالج قائم ہو جائے گا۔ چیف منسٹر مہاراشٹر امسٹر ولاس راؤ دیشمکھ نے ریاست کے تمام ارکانِ پارلیمنٹ کی ایک مشترکہ میٹنگ طلب کی تھی۔ اس میٹنگ میں مسٹر بھاسکر راؤ نے چیف منسٹر کو 25 مطالبات پر مشتمل ایک یادداشت پیش کی تھی، چیف منسٹر نے تین مطالبات کو فی الفور قبول کر لیا اور باقی پر مثبت انداز میں غور کرنے کا تیقن دیا۔ (منصف، حیدر آباد)

اردو اسکولوں کی تنظیم والدین کا اجلاس

● پونہ۔ تنظیم والدین اردو مدارس ضلع پونہ کا گیارھواں سالانہ اجلاس 21 رجولائی 2002 کو پونہ اسلامیہ اردو پرائمری اسکول (پونہ کیمپ) ہارون ہال میں صبح منعقد ہوا۔ اجلاس کی کارروائی دو نشستوں میں مکمل ہوئی۔ پہلے اجلاس کی نشست صبح 11 سے 2 بجے کے دوران زیرِ صدارت جناب عبدالکریم عطار (صدر تنظیم والدین) عمل میں آئی۔ جناب محمد اسحاق شرف الدین (جنرل سکریٹری) نے شروع میں تمام شرکائے نشست کا خیر مقدم کیا۔ ایجنڈے کے مطابق نشست کی کارروائی کا آغاز عمل میں آیا۔ بعد ازاں سکریٹری نے تنظیم کے گذشتہ سالانہ اجلاس کی مختصر روداد پیش کی جسے تمام ممبران نے منظوری دی۔ تنظیم کی کارکردگی کی تفصیلات پیش کرتے ہوئے سکریٹری نے بتایا کہ تعلیمی سال کے شروع میں تعلیمی بیداری مہم کے تحت شہر پونہ اور ضلعی سطح پر عوام الناس میں مختلف مقامات پر جلسے کیے گئے اور اسکولی داخلے کے لیے عوام کو اکسایا گیا۔ مختلف اردو مدارس جیسے شہر پونہ، لوناؤلہ اور مہابلیشور میں اساتذہ سے تعلیمی معاملات پر تبادلہ خیال کیا گیا۔ تقریباً دس مختلف مدارس میں والدین اور سرپرستوں کی تعلیمی رہنمائی کی

فرض سے جلسے منعقد کیے گئے۔ دھن کوڈی، پھلٹے نگر اور راج گرو نگر (کھیڑ) میں تین پرائمری اسکولس اور وائی (ضلع ستارہ) کے مقام پر اُردو ہائی اسکول، اس طرح سے چار اسکولوں کا قیام عمل میں آیا۔ بعد کے ایجنڈے میں جناب محمد حنیف حسین (خازن تنظیم) نے تنظیم کے آڈیٹیڈ حسابات کی تفصیلات پیش کیں۔ اس موقع پر اجلاس میں شریک ضلع کی مختلف شاخوں سے آئے ہوئے ممبران نے اپنی اپنی شاخ کی تعلیمی رپورٹ پیش کی۔ حاضرینِ اجلاس میں سے جناب بشیر انصاری نے اساتذہ کی تربیت اور اُن کے لیے دستی کتاب کے لیے فنڈ مختص کرنے کی تجویز پیش کی۔ جناب ڈاکٹر عبدالرزاق شیخ نے تنظیم کی تعلیمی کارکردگی کو سراہتے ہوئے دس ہزار اور ایک لاکھ روپے علاحدہ بنک میں فکس ڈپازٹ رکھنے اور اس سے وصول شدہ سود کی رقم مستحق طلبہ میں اسکالر شپ کی تقسیم کی تجویز رکھی۔ جناب شبیر یار خاں نے سالانہ ایک ہزار روپے تنظیم کو عطیہ دینے کا اعلان کیا۔

تین بجے اجلاس کی دوسری نشست منعقد ہوئی جس میں ضلعی مجلس عاملہ کی تشکیل، آئندہ سال کے لیے تعلیمی منصوبوں پر بحث اور تعلیمی کاموں کے لیے فنڈ اِکھٹا کرنا جیسے امور پر تبادلۂ خیال ہوا اور اہم فیصلے کیے گئے۔ اجلاس میں شہر پونہ، تھیر، جنیر، جاکن، کھیڑ، باراتی، شرڈی ستارہ، لوناؤلہ پمپری چنچوڑ، چنچولی، وکرولی (ممبئی)، کاترج اور کھڑکی مقامات سے دو سو ممبرانِ تنظیم نے شرکت کی۔

واضح رہے کہ گذشتہ گیارہ سالوں میں تنظیم والدین نے ضلع پونہ اور ستارہ میں اُردو میڈیم کی پینتیس کے جی کلاسیز، چودہ پرائمری اسکول اور چھ اُردو ہائی اسکول قائم کر کے اردو ذریعہ تعلیم کے لیے اپنی نمایاں خدمات پیش کی ہیں۔ (ڈاک سے)

گلستان اردو پری پرائمری اسکول کا افتتاح

● اردو کونسل پمپری چنچوڑ کی گلستان اردو پری پرائمری اسکول، کھرڈواڑی، پمپری کا افتتاح جناب خواجہ بھائی قریشی، صدر قریش جماعت پمپری کے ہاتھوں ہوا۔ اس تقریب میں اردو کونسل کے تمام ممبران کے علاوہ پمپری چنچوڑ شہر کے مولانا غفار صاحب، رگھوناتھ سیر ساگر، سلطان بھائی شیخ، نیشنل اینگلو اردو ہائی اسکول کی پرنسپل محترمہ شبانہ شیخ، محترمہ شفقت آرا، لطیف پٹھان اور گلستان اردو پری پرائمری اسکول کے تمام اساتذہ اور طلبہ کے والدین موجود تھے۔

جلسے کی صدارت کرتے ہوئے اردو کونسل کے چیئرمین جناب قاسم زبیری نے اس بات پر اطمینان کا اظہار کیا کہ اردو کونسل اپنی ہر ایک منزل مناسب وقت پر اور صحیح طریقے سے طے کر رہی ہے۔ اس سے پہلے اردو کونسل کے اغراض و مقاصد محترمہ ناظمہ شیخ نے بیان کیے۔ آخر میں رسم شکریہ فرحانہ شیخ نے ادا کی۔ (ڈاک سے)

جلسہ تقسیم اسناد میں ہونہار طلبہ کا اعزاز

● بھوپال، 15/جولائی۔ مدھیہ پردیش مدرسہ بورڈ کی جانب سے ہائی اسکول، مولوی، ہائر سیکنڈری، عالم، ادیب اردو، ماہر اردو کے امتحانات میں جو طلبہ میرٹ میں آئے ہیں ان کو مدرسہ بورڈ کے ذریعے منعقد ایک تقریب میں توصیفی اسناد تقسیم کی گئیں۔ جلسے کی صدارت وزیرِ تعلیم اندر جیت پٹیل نے فرمائی۔ ان کے علاوہ خاص مہمانوں میں وزیرِ اعلیٰ دگوجے سنگھ، وزیرِ اقلیتی بہبود جناب عارف عقیل، اقلیتی کمیشن کے صدر ابراہیم قریشی، وقف بورڈ کے چیئرمین غیور قریشی، ایم ایل اے پی سی شرما، شاعر وایڈوکیٹ اختر سعید خاں، کمشنر دوبے آئی اے ایس، ڈاکٹر بھاگیر تھ پرساد، مولانا حبیب ریحان ندوی، شہر قاضی عبداللطیف خاں صاحب اور پرنسپل سکریٹری امر سنگھ شامل تھے۔

مدرسہ بورڈ کے چیئرمین پروفیسر محمد حلیم خاں نے اپنے خطاب میں کہا کہ یہ ہندستان کا سب سے بڑا اور پہلا مدرسہ بورڈ ہے جس نے دینی تعلیم کے ساتھ جدید تعلیم بھی شروع کی۔ انھوں نے وزیرِ اعلیٰ سے مطالبہ کیا کہ ان رجسٹرڈ مدرسوں میں دوپہر کا کھانا تقسیم کیا جائے اور یونانی طبیہ تعلیم بھی مدرسوں میں شروع کی جائے۔ ٹرینڈ ٹیچرز کا تقرر گروکی حیثیت سے کیا جائے اور مدرسہ بورڈ کے لیے زمین مدھیہ پردیش حکومت سے دلوائی جائے۔ (اردو ایکشن، بھوپال)

تقررات میں اصل رکاوٹ روسٹر سسٹم

● کڈپہ۔ "ڈی. ایس. سی. 2002 کے تحت اساتذہ کے تقررات میں روسٹر سسٹم کا وجود خاص طور پر اُردو میڈیم امیدواروں کے لیے نقصان دہ اور مایوس کن ثابت ہو رہا ہے۔ روسٹر سسٹم کے زمرے کی آسامیاں خالی رہ جانا اردو کے مفاد میں نہیں ہے۔" ان خیالات کا اظہار انجمن ترقی اُردو کڈپہ کے معتمدِ قومی جناب سید ہدایت اللہ، آرگنائیزر و خازن جناب سید شکیل احمد، کنوینر جناب شیخ عبدالستار فیض اور خصوصی رکن جناب عبدالقدیر پرویز نے اپنے مشترکہ بیان میں کیا۔

سید ہدایت اللہ کے بموجب ضلع کڈپہ میں اردو اساتذہ ڈی. ایس. سی 2002 کے لیے خالی جائیدادیں اعلامیے کے تحت 98 بتائی گئیں۔ لیکن روسٹر

سسٹم کے اعلان سے یہ خدشہ ہے کہ تقریباً 80% پوسٹ ایس. سی. ایس. ٹی. اور او. بی. سی. زمرے کے تحت رہ جائیں گی۔ پچھلے سال انجمن ترقی اُردو کے سروے سے اور روشنی پیکیج کے تحت 60 نئے اُردو مدارس کا آغاز ہوا جو واحد مدرس کے ذریعے چلائے جا رہے ہیں اور اس سال 2002 کے تحت 8 اُردو پرائمری اسکولس کو اپر پرائمری کا درجہ دیا گیا ہے جس کے سبب اُردو اساتذہ کی کمی ہے۔ (ڈاک سے)

اردو میڈیم طالب علم کو گولڈ میڈل

● حیدرآباد، 29 رجولائی۔ گورنمنٹ بوائز ہائی اسکول کے طالب علم محمد عبدالرزاق ولد محمد عبدالرؤف کو ایس ایس سی امتحانات مارچ 2002 میں نمایاں امتیازی کامیابی کے لیے تیسرا گولڈ میڈل دیا گیا۔ الخیر سوسائٹی میں منعقدہ جلسہ تقسیم انعامات کی تقریب میں اردو میڈیم طلبہ و طالبات میں پہلا مقام حاصل کرنے کے لیے رزاق کو الخیر گولڈ میڈل عطا کیا گیا۔ محمد عبدالرزاق سارے آندھرا پردیش میں اردو میڈیم طلبہ و طالبات میں چوتھا رینک رکھتے ہیں۔ اس سے پہلے انھیں اردو میتھل کانفرنس میں ایف ایم صدیقی میموریل گولڈ میڈل اور گورنمنٹ بوائز ہائی اسکول کی جانب سے مسٹر سندر راؤ ڈپٹی ایجوکیشنل آفیسر کے ہاتھوں امتیازی گولڈ میڈل دیا جا چکا ہے۔ (منصف، حیدرآباد)

ڈائیٹ سیٹ کے شاندار نتائج

● مائناریٹی ویلفیر ڈپارٹمنٹ آندھرا پردیش حیدرآباد کی جانب سے مرکز تعلیمی ترقی برائے اقلیتی طبقات "عثمانیہ یونی ورسٹی" حیدرآباد (CEDM) کے زیرِ اہتمام کڈپہ کے سینٹر بمقام میونسپل اردو گرلز ہائی اسکول کڈپہ میں چلائے گئے مفت ڈائیٹ سیٹ اُردو میڈیم کوچنگ کے شاندار نتائج حاصل ہوئے اور طلبہ کو بہترین رینکس ملے۔

کورس کو آرڈینیٹر محترمہ شرف النساء بیگم اطلاع کے بموجب مئی 2002 کو منعقدہ ڈی ایڈ داخلہ امتحان ڈائیٹ سیٹ کی مفت کوچنگ میں شہر کڈپہ کے سینٹر کو اچھے رینک کے علاوہ 95% نتیجے حاصل ہوئے۔ رسورس ٹیم کے اساتذہ نے شاندار نتائج کے اعلان پر اظہار تشکر کیا۔ (ڈاک سے)

فری اردو کوچنگ کلاسز کی اختتامی تقریب

● ناگپور۔ (ڈاک سے) حلقہ احباب ناگپور کے زیرِ اہتمام اور مہاراشٹر اسٹیٹ اردو اکادمی کے مالی تعاون سے جاری فری اردو کوچنگ کلاسز کے 72 ویں بیچ کا اختتام گذشتہ دنوں ہوا۔ دھرم پیٹھ میں واقع رجنت مہتو ہائی اسکول کھرے ٹاؤن میں اس تقریب کی صدارت ڈاکٹر منشاء الرحمٰن خاں منشا نے کی۔ مہمانانِ خصوصی کی حیثیت سے ڈاکٹر ونے وانکر اور ڈاکٹر محمد اظہر حیات شریک جلسہ تھے۔ سہ ماہی نصاب کی تکمیل پر طلبہ و طالبات کو اسناد سے نوازا گیا۔ اسی موقع پر صدر جلسہ ڈاکٹر منشا نے طلبہ کو مبارک باد پیش کی اور اردو کوچنگ کلاسز کے روحِ رواں جناب محمد قمر حیات کی مساعی جمیلہ کو سراہا۔ جناب قمر حیات گذشتہ 22 برسوں سے غیر اردو دانوں کو اردو سکھا رہے ہیں جس کے نتیجے میں اب تک تقریباً آٹھ ہزار افراد اردو سیکھ چکے ہیں جن میں بیشتر دیگر زبانوں کے صحافی، ڈاکٹر، انجینئر اور دانشور شامل ہیں۔

اس 72 ویں بیچ میں تیس افراد نے سہ ماہی کورس مکمل کیا جس میں بیس سالہ طالبہ سے لے 85 سالہ عمر رسیدہ ریٹائرڈ پروفیسر بھی شامل تھے۔ (ہفت روزہ "ہماری زبان" نئی دہلی)

مولانا برکت اللہ بھوپالی ایوارڈ

● بھوپال، 22 رجولائی۔ خاکِ بھوپال کے نامور سپوت اور عظیم محبِ وطن مولانا برکت اللہ بھوپالی کے نام پر قائم "برکت اللہ بھوپالی نیشنل ایوارڈ" کی تقسیم آج رویندر بھون میں منعقدہ ایک پروقار تقریب میں سماجی، ادبی اور صحافت کے میدان میں کارہائے نمایاں انجام والی شخصیتوں کے لیے عمل میں آئی۔ تقریب کی صدارت مدھیہ پردیش جمعیۃ علماء کے صدر مولانا مفتی عبدالرزاق خاں نے فرمائی۔ مہمانانِ خصوصی کی حیثیت سے سماجوادی پارٹی ممبئی کے رہنما ابو عاصم اعظمی، پروفیسر سعید اختر، مولانا غازی ولی احمد، سردار جسپال سنگھ اروڑا، مہاراشٹرا کانگریس کے ترجمان فرید شیخ وغیرہ نے شرکت کی۔ ایوارڈ کی تفویض اور تقریب کا اہتمام دارالحکومت کی ایک تعلیمی تنظیم "الجمعیۃ المسلمین" نے کیا۔

پروفیسر سعید اختر نے برکت اللہ بھوپالی کی ولولہ انگیز زندگی اور جدوجہد آزادی میں اُن کی کاوشوں کو اجاگر کیا۔

اس موقعے پر مہمانانِ خصوصی کے ہاتھوں جن کو ایوارڈ دیا گیا اُن میں معروف مجاہد آزادی اور سابق وزیر ڈاکٹر حمید قریشی، سابق وزیر مرحوم رسول احمد صدیقی (بعد از مرگ)، ڈاکٹر حبیب تنویر (ڈرامہ نگار)، استاد عبداللطیف خاں (سارنگی نواز)، منظور احتشام (ادیب)، منظر بھوپالی (شاعر)، الکھ نندن (ڈرامہ ڈائریکٹر)، شکیلہ بانو بھوپالی (قوالی)، سمیر داد (ہاکی)، مدثر پاشا (کرکٹ)، ڈاکٹر یوگیش ورما (ماہر امراضِ قلب)، ابو عاصم اعظمی (سماجی خدمت) کے نام شامل ہیں۔ میڈیا میں نہ صرف اپنی شناخت بنانے والے بلکہ

سماج کی خدمت بھی انجام دینے والوں میں اردو صحافی عارف عزیز (ندیم)، علم بزمی (بھاسکر)، برجیش چوکسے (جاگرن)، انجمن رضوی (نوبھارت)، سید ساجد رضوی (دوردرشن)، فرقان فاضلی (افکار)، عارف مرزا (سی ٹی وی)، ابھے مرکلے (سٹی کیبل)، جاوید عالم (ساندھیہ پرکاش)، محمد زبیر (راج شری)، سید سہیل علی (پرویش ٹائمز)، ایس نیازی (ای ٹی وی)، امیر ودھ (او ٹی جی) کو برکت اللہ بھوپالی نیشنل ایوارڈ دیا گیا۔ (ندیم، بھوپال)

مختصرات

● بارسی ٹاکلی۔ صاحبِ طرز شاعر، ادیب و نقاد سابق پروفیسر اقبال چیئر کلکتہ یونی ورسٹی ڈاکٹر مظفر حنفی کے اعزاز میں بارسی ٹاکلی میں واقع محبوب راہی کے دولت کدے پر ایک پروقار ادبی تقریب کا انعقاد کیا گیا۔ صدارت جناب قاضی حسن رضا (کھنڈوہ) نے فرمائی جبکہ پرنسپل حبیب عالم (کھنڈوہ) اور جناب غنی اعجاز (اکولہ) بحیثیت مہمانانِ خصوصی تھے۔ افتتاحی کلمات کے تحت میزبان ڈاکٹر محبوب راہی نے مظفر حنفی کی شخصیت اور ان کے فن کے گوشوں پر مختصراً روشنی ڈالی نیز حنفی صاحب کے تخلیقی رجحان اور شعری رویے کی مناسبت سے چند رباعیات پیش کیں۔ جن شعرائے کرام نے اپنے منتخب کلام بلاغت نظام سے اس ادبی نشست کو معیار، اعتبار اور وقار بخشا ان میں صدر محفل قاضی حسن رضا اور صاحبِ اعزاز ڈاکٹر مظفر حنفی کے علاوہ پرنسپل حبیب عالم، جناب غنی اعجاز، جہانگیر جوہر، انوار نشتر، اقبال خلش، فصیح اللہ نقیب نیز میزبان شعرا میں فیاض افسوس، قاضی رؤف انجم اور ڈاکٹر محبوب راہی کے اسمائے گرامی شامل ہیں۔ (ڈاک سے)

● نوئیڈا، 10 رجولائی۔ اردو فاؤنڈیشن کا ماہانہ جلسہ رفعت سروش کے مکان پر پروفیسر صغریٰ مہدی کی صدارت میں منعقد ہوا۔ اردو ہندی ادیبوں کے اس ملے جلے جلسے میں شاہینہ خاں نے ایک کہانی "امیرن" اور رتن سنگھ نے کہانی بہ عنوان "روداد پاگل خانے کی" سنائی۔ رفعت سروش اور ڈاکٹر شبانہ نذیر نے نظمیں سنائیں۔ جلسے میں درج ذیل شعرانے شرکت کی:

نسیم مخموری، قمر سنبھلی، رند ساغری، انس احمد خاں، سجاد سید، راجیش بچن، ابوالفیض سحر۔ ان کے علاوہ رفیق پیلی بھیتی، راج کمار راغب، حسن کاظمی، پی کے جین اور اطہر نے بھی اپنا کلام سنایا۔ پروفیسر صغریٰ مہدی کے صدارتی کلمات پر یہ جلسہ اختتام پذیر ہوا۔

● مالیر کوٹلہ، 16 رجولائی۔ افسانہ کلب مالیر کوٹلہ کی نشست کلب کے صدر محمد بشیر مالیر کوٹلوی کی رہائش گاہ پر منعقد ہوئی جس کی صدارت استاد شاعر جناب انوار آزر نے فرمائی۔ اس نشست میں تین افسانے اور ایک طنزیہ و مزاحیہ مضمون پڑھے گئے جن پر حاضرین نے تنقید کی اور اپنے گرانقدر مشوروں سے نوازا۔

عبدالستار مسافر نے "حقیقت سے خبر تک"، محمد نصیر رمضان نے "ادھوری عمارت" پروفیسر راحت جعفری نے "گھر کے نفر" افسانے پڑھ کر سنائے اور اسحاق احمد نے طنزیہ و مزاحیہ مضمون "ہم نے گھوڑا خریدا" سنایا۔ نشست کے آخر میں صاحبِ صدر نے ان تخلیقات پر اپنے تاثرات کا اظہار کیا اور کلب کی کوششوں کو پنجاب میں اردو نثر کے فروغ کا ضامن قرار دیا۔ نظامت کے فرائض کلب کے جنرل سکریٹری ڈاکٹر انوار احمد انصاری نے انجام دیے۔ (ڈاک سے)

● رانچی، مرکز ادب و سائنس میں اندرا گاندھی نیشنل اوپن یونی ورسٹی کے زیر اہتمام چل رہے اگنو اسپیشل اسٹڈی سینٹر کا آج چوتھا انڈکشن میٹ پروگرام منعقد ہوا جس میں مہمانِ خصوصی کی حیثیت سے شری رام جی لال شارڈا وزیر قانون حکومت جھارکھنڈ کے علاوہ پروفیسر کے. کمار ڈین فیکلٹی آف ہیومنٹیز، رانچی یونی ورسٹی، رانچی، چیئرمین ٹرسٹ پروفیسر احمد سجاد، کوآرڈینیٹر اگنو اسپیشل اسٹڈی سنٹر جناب طارق سجاد اور اگنو کے ریجنل ڈائرکٹر رانچی، شری وی پی روہم بھی موجود تھے۔

پروگرام کا آغاز استقبالیہ تقریر سے ہوا جس میں طارق سجاد نے اسپیشل اسٹڈی سینٹر کی کارگزاریوں کا ذکر کرتے ہوئے اگنو کے کورسیز کے بارے میں خاص طور سے BCA, CIC اور MCA کورسیز کے بارے میں تفصیلات سے آگاہ کیا۔

پروفیسر کے. کمار نے بھی موجودہ دور میں کمپیوٹر تعلیم کو اپنانے پر زور دیا۔ مہمانِ خصوصی شری رام جی لال شارڈا نے مرکز ادب و سائنس کی کارگزاریوں کا ذکر کرتے ہوئے خوشی کا اظہار کیا۔ مرکز ادب و سائنس کے چیئرمین پروفیسر احمد سجاد نے مہمانوں کا تعارف کرایا اور حاضرینِ مجلس کا خیر مقدم کرتے ہوئے ادارے کا تعارف پیش کیا۔ (ڈاک سے)

● علمی مجلس بہار کی اطلاع کے مطابق گذشتہ 6 رجولائی کو نئے لب و لہجے کے شاعر خورشید اکبر کے دوسرے مجموعہ کلام پر ادبی مذاکرے کے دوران قد آور ماہرینِ فن نے یہ اعتراف کیا کہ خورشید اکبر نہ صرف صحت مند پرانی روایات کے امین ہیں بلکہ انھوں نے نئی جہتوں کی بازیافت بھی کی ہے۔

جلسے کا افتتاح ڈاکٹر ایم اے ابراہیمی سابق وائس چانسلر بھاگل پور یونی ورسٹی نے شمع روشن کرکے کیا۔ صدارت پروفیسر عبدالمغنی نے کی اور مہمانِ خصوصی پروفیسر وہاب اشرفی تھے۔ جلسے کی شروعات ظفر انصاری ظفر نے بزرگ شاعر حمید ویشالوی کی نعت سے کی۔ فراہیم احمد شارب، ظفر صدیقی، پرویز عالم اور افتخار عاکف نے منظوم تاثرات پیش کیے۔ پہلا مقالہ عالم خورشید نے پڑھا۔ ظفر انصاری نے اپنے مقالے میں خورشید اکبر کے

شعری امتیازات پر تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالی۔ پروفیسر وہاب اشرفی نے کہا کہ خورشید اکبر نے جس اچھوتے اسلوب کی داغ بیل پہلے مجموعہ کلام "سمندر خلاف رہتا ہے" میں ڈالی تھی، ان کا دوسرا مجموعہ اس کی توسیع ہے۔ انھوں نے کہا کہ بانی کے بعد جس شاعر نے مجھے سب سے زیادہ متاثر کیا وہ خورشید اکبر ہیں۔ پروفیسر عبدالمغنی نے اپنے صدارتی خطبے میں کہا اس دور میں جب آزاد غزل اور نثری نظم کی وبا پوری ادبی دنیا میں پھیلی ہوئی ہے خورشید اکبر نے پابند شاعری کر کے جرأت رندانہ کا ثبوت پیش کیا ہے۔

جلسے میں پڑھے جانے والے مقالوں کی تعداد تقریباً ڈیڑھ درجن تھی لیکن وقت کی تنگی کے سبب سارے مقالات نہیں پڑھے جاسکے۔ یہ جلسہ انجمن ترقی اردو بہار کے سیمنار ہال میں منعقد ہوا۔ اس موقع پر علمی مجلس بہار کے جنرل سکریٹری پرویز عالم کی جانب سے خورشید اکبر کو اعزازی سند اور چادر ڈاکٹر محمد عاشق ابراہیمی نے پیش کی۔ (ڈاک سے)

● کڈپہ میں نیو کریسنٹ کمپوٹر کیلی گرافی ٹریننگ سینٹر زیر اہتمام قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان نئی دہلی، میں 27/جولائی کی شب کل ہند غیر طرحی مشاعرے کا انعقاد عمل میں آیا۔ جلسے کا آغاز حبیب احمد بخاری کی تلاوت قرآن پاک اور برق کڈپوی، عقیل نعمانی اور عزم شاکری کی نعت خوانی سے ہوا۔ مہمانوں کا تعارف و استقبال سعید نظر نے کرایا۔ جلسے کے صدر جناب جیلانی باشاہ سوپروائزر کمپیوٹر سنٹر کڈپہ تھے۔ مہمان شعرا عزم شاکری، عقیل نعمانی، صبا گنجوی تھے۔ جناب سید شکیل احمد شکیل نے گلپوشی کی۔ خصوصی مہمان پروفیسر انوار الہ تھے۔ اعزازی مہمان جناب شجاعت علی خاں اور خصوصی مہمان جناب قادر باشاہ نے تقاریر کیں۔ ناظم مشاعرہ ڈاکٹر اصغر علی خاں، رکن اردو اکادمی حیدر آباد نے کہا کہ شاعر کو چاہیے کہ وہ اپنے تخلیقی اشعار سے عوام میں انقلاب پیدا کرے۔ کڈپہ کے شعرائے اکرام میں برق، ستار فیضی، انوار اللہ انور، سعید نظر، طاہر، سید شکیل احمد شکیل، یاور، مفتی حبیب احمد ساجد، محمد ربانی عاجز، مقبول احمد، امام قاسم ساقی، عقیل نعمانی، صبا گنجوی نے اپنے کلام سے سامعین کو محظوظ کیا۔ رسم ہدیۂ تشکر جناب سید شکیل احمد شکیل نے ادا کی۔ (ڈاک سے)

● کٹک، گذشتہ 21/جولائی۔ مسلم یوتھ کلچرل ایسوسی ایشن (MYCA) کے وسیع کانفرنس ہال میں "فیضانِ ادب" کا سالانہ مشاعرہ انتہائی تزک و احتشام کے ساتھ انعقاد پذیر ہوا جس میں اڑیسہ کے وزیر شہری ترقیات شری سمیرو دے صاحب نے مہمان خصوصی کی حیثیت سے شرکت فرمائی اور مہمان اعزازی کے بطور جناب سید مستفیض احمد (سابق وزیر صحت) کی شمولیت نے مجلس کو وقار بخشا۔ اڑیسہ وقف بورڈ کے سید محمد القدس نے اپنی افتتاحی تقریر میں مہمانوں کی شخصیت کے گوناگوں پہلوؤں پر روشنی ڈالی۔ بعد ازاں سکریٹری جناب نور الہی ناطق نے اپنی رپورٹ میں ادارے کے کثیر الجہت اغراض و مقاصد بیان کیے۔ ساتھ ہی جناب عبدالرزاق غازی (صدر) نے اس امر پر اپنی مسرت کا اظہار کیا کہ شب و روز ادارہ اپنی فعالیت کے ساتھ وسیع سے وسیع تر ہوتا جارہا ہے۔ وزیر موصوف نے اپنے خطاب میں اردو زبان و ادب کی بے پناہ اثر آفرینی اور شیرینی و لطافت کا ذکر کیا۔ ساتھ ہی دامے، درمے اور سخنے امداد و تعاون کا بھی وعدہ کیا۔ اس ادبی تقریب میں ڈاکٹر حفیظ اللہ نیولپوری، ڈاکٹر سید سیف اللہ، مولانا میر مسعود علی قاسمی، سید یوسف اقبال، سید ذبیح اللہ اور شہر کی دیگر مقتدر ہستیوں نے شرکت فرمائی۔ مشاعرے کی صدارت اڑیسہ اردو اکادمی کے سابق سکریٹری جناب سید منظور احمد قاسمی نے فرمائی اور جناب سعید احسن نے نظامت کے فرائض انجام دیے۔ مندرجہ ذیل شعرا نے اپنے کلام سے سامعین کو محظوظ فرمایا۔ ڈاکٹر کرامت علی کرامت، سعید رحمانی، سعید اختر، ظہیر اللہ نور، شوکت رحیم، عبدالحفیظ بسمل، فرزان سیفی، نور الہی ناطق، خاور نقیب، قطب کامران، شوکت رشیدی، سید محمد اقدس، شمس الحق شمس، ع۔ شمیم، اسحٰق مجنوں، اثر نظامی، شہزادہ ظفر، سعید احسن، زاہدہ زریں، یٰسین راحت، عبدالرب عابد، برہان ادیب۔ (ڈاک سے)

● اورنگ آباد۔ وجد میموریل ٹرسٹ اور مہاراشٹر اسٹیٹ اردو اکادمی کے مشترکہ تعاون سے وجد ہال میں "اردو ادب میں قومی یک جہتی" کے موضوع پر سمینار منعقد ہوا۔ سمینار کی صدارت اے۔ سی۔ پی چندرا کانت پوار نے کی۔ مولانا عبدالقیوم کی تلاوت کلام پاک سے جلسے کا آغاز ہوا۔ نظامت پروفیسر رفیع الدین ناصر نے کی۔ محمد خواجہ معین الدین نے وجد میموریل ٹرسٹ کے تعلق سے تفصیلی جائزہ پیش کیا۔ اس وقت سبھی مقالہ نگار اور مہمانوں کی گل پوشی کی گئی۔ اس موقع پر ڈاکٹر عصمت جاوید شیخ کی تحریر کردہ چار کتابوں کا اجرا چندر کانت پوار، جیلانی بانو، انور معظم اور مظہر محی الدین نے کیا۔ مظہر محی الدین نے واضح کیا کہ اقتدار کی سیاست نے قومی اتحاد کو کمزور کر دیا ہے۔ ملک کی سیاست کو اس سے پہلے کبھی بھی اتنا خطرہ نہیں تھا۔ ڈاکٹر لطیف سبحانی نے مقالے میں کہا کہ اردو زبان خود قومی یک جہتی کا ثبوت ہے۔ انھوں نے سوال اٹھایا کہ کیا قومی یک جہتی کی ضرورت صرف اردو اور مسلمانوں کو ہی ہے؟ آزادی کے پچاس سالوں بعد بھی یک جہتی کا خواب شرمندۂ تعبیر نہیں ہو سکا ہے۔ مراٹھی ادیب پردیپ دیش پانڈے نے علی سردار جعفری کی نظم "نئی نسل کے نام" کا مراٹھی میں، قاضی سلیم کی نظم کا انگریزی میں اور ہندی کے شاعر کیدار ناتھ سنگھ کی نظم "سنہ 1947 عیسوی" کے انگریزی تراجم پیش کیے۔ جیلانی بانو نے واضح کیا کہ قومی یک جہتی ادیبوں کے لیے یہ موضوع انتہائی اہمیت کا حامل ہے۔ پروفیسر قاسم امام، پروفیسر

عتیق اللہ، انور معظم اور ڈاکٹر ارتکاز افضل نے بھی اپنے مقالے پڑھے۔ بشر نواز نے تمام مقالات کا تجزیہ کیا اور قومی یک جہتی کے اہم نکات کی جانب توجہ مبذول کروائی۔ پروفیسر رفیع الدین ناصر کے اظہار تشکر پر سیمنار کا اختتام عمل میں آیا۔ (ڈاک سے)

رسمِ اجرا

لاوا

● بھوپال، یکم اگست۔ گذشتہ رات اردو اکادمی کے ملا رموزی بھون میں معروف شاعر جناب منظر بھوپالی کے شعری مجموعے "لاوا" کی رسم رونمائی انجام دیتے ہوئے گورنر مدھیہ پردیش ڈاکٹر بھائی مہاویر نے کہا منظر بھوپالی نے اتنی کم عمر میں ساری دنیا میں جو اتنی ساری شہرت حاصل کی ہے اس سے بھوپال ہی نہیں بلکہ ملک کا نام دنیا کے سارے ادب دوستوں میں بلند ہوا ہے۔

گورنر نے منظر بھوپالی کے متعدد اشعار بڑے پر لطف انداز میں سنائے۔ 'ہم ایک ہیں' تنظیم کے بینر تلے منعقد اس پروگرام میں دہلی سے آئے غزل گائک نعیم علی اور انکا گم نے منظر بھوپالی کی غزلیں اور گیت سنائے۔ اس موقع پر راجیو گاندھی سد بھاونا تقریب اعزاز کے تحت تنظیم نے صلاح الدین پرویز کو ادبی خدمات کے لیے قومی ایکتا ایوارڈ دیا۔ ڈاکٹر بشیر بدر اور اُن کے ہمراہ ٹی وی اناؤنسر فردوس مسرور نے اس خوبصورتی کے ساتھ نظامت کی کہ گرمی اور کم روشنی کا احساس شرکا کو نہیں ہوا۔ اس پروگرام میں مہمانان خصوصی کی حیثیت سے رکن اسمبلی بوبا لال گور، پدم شری ڈاکٹر بشیر بدر شریک تھے۔ (ندیم، بھوپال)

شفیق جونپوری ایک مطالعہ

● نئی دہلی، 30/ جولائی۔ "شفیق جون پوری کی ہمہ جہت شعری و ادبی شخصیت کے باوجود ان کو وہ مقام نہیں ملا جس کے وہ مستحق تھے۔" ان خیالات کا اظہار روہیل کھنڈ یونی ورسٹی کے وائس چانسلر پروفیسر زاہد حسین زیدی نے ڈاکٹر تابش مہدی کی تازہ تصنیف "شفیق جون پوری—ایک مطالعہ" کی رسم اجرا کے موقعے 28/ جولائی کو غالب اکادمی میں کیا جس کا اہتمام بزم احباب جامعہ نگر نے کیا تھا۔ تقریب اجرا کی صدارت پروفیسر سید طاہر محمود نے فرمائی اور نظامت امان اللہ فہد نے۔ رسم اجرا ادا کرتے ہوئے پروفیسر زیدی نے کہا کہ اگر ہم اپنے ادیب اور شاعر کو صحیح مقام نہیں دیں گے تو اس کا نقصان ہمارے سماج کو اٹھانا پڑے گا۔

اردو اکادمی دہلی کے وائس چیئرمین پروفیسر الطاف احمد اعظمی نے تابش مہدی کی تازہ کوشش کو ایک ادبی بازیافت قرار دیتے ہوئے کہا کہ انھوں نے یہ کام کر کے ہم تمام لوگوں کی طرف سے شفیق شناسی کا فرض کفایہ ادا کیا ہے۔ معین شاداب نے اپنے مقالے میں کہا کہ ڈاکٹر تابش مہدی نے شفیق جون پوری کا مطالعہ پیش کر کے فراموشی کی گرد میں اٹے ہوئے ایک پیکر کو ادب کے نگار خانے میں سجانے کی کوشش کی ہے۔ ڈاکٹر سید عبدالباری صدر ادارہ ادب اسلامی ہند نے شفیق جون پوری کو مثبت قدروں کا شاعر قرار دیتے ہوئے کہا کہ ڈاکٹر تابش مہدی نے ان کے شعری افکار کو پیش کر کے ایک بڑا اہم کام انجام دیا ہے۔ اس موقعے پر کتاب کے مصنف ڈاکٹر تابش مہدی نے ان کے تاثرات کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ یہ میرا کوئی کارنامہ نہیں ہے بلکہ ایک فرض تھا جو میں نے کسی حد تک ادا کرنے کی کوشش کی ہے۔ صدر جلسہ پروفیسر سید طاہر محمود نے کہا کہ ڈاکٹر تابش مہدی کا یہ کام ان لوگوں کے لیے ایک تازیانہ ہے جو اپنے اسلاف کو فراموش کر دیتے ہیں۔

شب میں ڈاکٹر سید فاروق کی صدارت میں مشاعرہ منعقد ہوا جس کی نظامت جناب عمیر منظر نے کی اور ابوالمجاہد زاہد، وقار مانوی، ابرار کرت پوری، قمر سنبھلی، تابش مہدی، شہباز ندیم ضیائی، احمد محفوظ، معین شاداب، حسنین سائر، جنوں سمس پوری اور خالد عبادی نے اپنے کلام سے محظوظ کیا۔ (ڈاک سے)

حمید الماس نہیں رہے

●اردو کے نامور شاعر، ادیب اور مترجم حمید الماس کا 15 اور 16/ جولائی کی درمیانی شب دل کا شدید دورہ پڑنے سے انتقال ہو گیا۔ پس ماندگان میں تین صاحب زادے ملنسار اطہر، ملہار قیصر اور بلہار اظہر ہیں۔

حمید الماس 7/ دسمبر 1935 کو کرناٹک کے تاریخی مقام سگر شریف میں پیدا ہوئے۔ سولہ سال کی عمر میں ضلع رائچور کے سرکاری مدرسے میں درس و تدریس کے پیشے سے وابستہ ہوئے۔ ان پر حیدر آباد کی ادبی فضا کا اثر اس قدر تھا کہ رائچور میں ان کا دل نہیں لگا اور تین چار ماہ کی مختصر مدت میں اس پیشے کو خیر باد کہہ کر حیدر آباد لوٹ آئے۔ محکمہ لیبر میں مستقل ملازمت کی ابتدا رائچور سے ہوئی۔ 1970 کے دہے میں ملازمت کے سلسلے میں وہ بنگلور آئے اور اسی شہر کو اپنا وطن ثانی بنا لیا۔ 1990 میں وہ ملازمت سے سبکدوش ہوئے۔

حمید الماس ایک معروف و مقبول شاعر، فرض شناس افسر اور مخلص انسان تھے۔ حالات اور تجربات نے انھیں گوشہ نشیں بنا دیا تھا۔ ملازمت سے سبکدوش ہونے کے بعد روزنامہ "سالار" کے ادبی ایڈیشن کے مدیر کی حیثیت سے انھوں نے آخری سانس تک اپنے ادبی ذوق کی تسکین کا سامان ڈھونڈھ لیا تھا۔

تبصرہ و تعارف

اردو ڈراموں کا انتخاب / پروفیسر محمد حسن
صفحات 600، -/156 روپے
ناشر: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی
مبصر: ملک راشد فیصل

اردو ادب میں پروفیسر محمد حسن محتاج تعارف نہیں۔ انھوں نے ادب کے تقریباً ہر گوشے خصوصاً تنقید اور ڈرامے میں عمدہ تخلیقیت کے نمونے پیش کیے۔ وہ بیسویں صدی کی ادبی دنیا میں ایک راہ رو اور راہ بر کی حیثیت رکھتے ہیں۔ انھوں نے ڈراموں پر تنقید بھی لکھی اور ڈرامے بھی تخلیق کیے۔ ان میں "پیسہ اور پرچھائیں" "تماشا اور تماشائی" (ایوارڈ یافتہ)، "میرے اسٹیج ڈرامے" اور "مور پنکھی" بہت اہم مجموعے ہیں۔ علاوہ ازیں ان کا ایک ضخیم ڈرامہ "ضحاک" (جو زیر تبصرہ انتخاب میں شامل ہے) ادبی دنیا میں قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا جا چکا ہے۔

زیر تبصرہ کتاب پروفیسر محمد حسن کے ترتیب کردہ اسٹیج ڈراموں اور ان کی مختلف اصناف پر مشتمل ہے۔ ریڈیو اور ٹیلی ویژن ڈراموں کو اس لیے شامل نہیں کیا گیا تاکہ یکسانیت و معنویت برقرار رہے۔ موجودہ دور میں اسٹیج ڈرامے کی تکنیک کافی ترقی کر چکی ہے۔ اب اس میں وہ سکّہ بند تصور نہیں رہا جو پہلے کے ڈراموں میں رہا کرتا تھا۔ چنانچہ نئی نئی تکنیکوں سے ڈرامے کی حقیقی روح ناظرین کے دل و دماغ میں جاگزیں کی جا سکتی ہے۔ آج ڈرامے کی کامیابی و عدم کامیابی کا انحصار اس بنا پر ہوتا ہے کہ پروڈیوسر نے ڈرامے کے مرکزی تاثر یا ترسیلی قدر کو کس ڈھنگ سے پیش کیا ہے۔ ڈرامے کا بنیادی مقصد ترسیل ہوتا ہے۔ اگر ڈرامہ نگار کے بنیادی خیال کے مطابق ڈرامے کی ترسیل ہوتی ہے تو اسے ایک کامیاب ڈرامہ کہا جائے گا۔

زیر نظر انتخاب میں وہ ڈرامے شامل کیے گئے ہیں جن کا زمانۂ تصنیف 1947 سے 1990 کو محیط ہے۔ گو موضوعات کے لحاظ سے ان کی نوعیت جداگانہ ہے یعنی ان میں بعض ڈرامے تاریخ پر مبنی ہیں، بعض نیم تاریخی ہیں اور بعض تخیلی بھی لیکن یہ سارے ڈرامے ہمیں زندگی کے ان گوناگوں حقائق پر دعوت فکر دیتے ہیں جن کے سامنے انسان بے بس ہو کر رہ جاتا ہے۔ ان ڈراموں کا بنیادی موضوع باطنی و خارجی دنیاؤں کے باہمی رشتے کی تلاش ہے۔ آزاد ہندستان کے مختلف مسائل کا عکس کسی نہ کسی طور پر ان ڈراموں میں نظر آتا ہے۔ ان ڈراموں کے ذریعے زندگی کی ایک بڑی حقیقت یعنی تغیر، تبدیلی اور ارتقا کی تفہیم قدرے آسان ہو جاتی ہے۔

انتخاب میں شامل پروفیسر محمد حسن کا ڈراما "ضحاک" جمہوریت کی رنگارنگی اور آمریت کی یک رنگی کے تصادم کو دکھاتا ہے۔ یہاں یہ واضح ہو جاتا ہے کہ کس طرح اقتدار کے آگے مقدس ترین اداروں کے سربراہ جھک جاتے ہیں اور اس کے آلۂ کار بن جاتے ہیں۔ "ضحاک" دراصل ضمیر فروشی کی اسی کہانی کو پیش کرتا ہے۔

زاہدہ زیدی کے ڈرامے "وہ صبح کبھی تو آئے گی" میں ایک عام ہندستانی عورت کی صعوبتیں فنکارانہ انداز میں دکھائی گئی ہیں۔ انسانی معاشرے میں عورت جو کردار ادا کرتی ہے، اپنے ہی لوگوں کے ہاتھوں کس طرح ستم جھیلتی ہے، ڈرامہ نگار نے اسے سیدھے سادے اور بے ساختہ انداز میں پیش کیا ہے۔

آزاد ہندستان کے معاشرتی مسائل میں ایک اہم مسئلہ پرانے رشتوں کے ٹوٹنے کا رہا ہے۔ اس میں وطن سے ہجرت کا سوال ہو یا اپنے قصبے سے ہجرت کر کے کسی بڑے شہر میں جا بسنے کا مسئلہ ہو، اس پہلو کو پروفیسر شمیم حنفی کے ڈرامے "مٹی کا بلاوا" میں بخیر و خوبی پیش کیا گیا ہے۔

بحیثیت مجموعی یہ کہا جا سکتا ہے کہ زیر تبصرہ انتخاب میں جو بھی ڈرامے شامل کیے گئے ہیں ان میں رنگارنگی بھی ہے، گہرائی بھی ہے اور شدت بھی۔ ان ڈراموں کا مطالعہ کرنے کے بعد 1947 کے بعد کے اردو ڈراموں کے بارے میں ایک عام رائے قائم کی جا سکتی ہے۔ انتخاب میں شامل ہر ڈرامہ اپنی جگہ اہمیت کا حامل ہے اور خاص حقائق کو پیش کرتا ہوا نظر آتا ہے، در حقیقت پروفیسر محمد حسن کا یہ کام ڈرامے کے قارئین کے لیے نادر و نایاب تحفہ ہے۔ کتاب کا سرورق دیدہ زیب اور طباعت تسلی بخش ہے۔

•

مولانا ابوالکلام آزاد: شخصیت، سیاست، پیغام / رشید الدین خاں
صفحات 336، -/76 روپے
ناشر: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی
مبصر: ابوظہیر ربانی

مولانا ابوالکلام آزاد کو جامع صفات کہا گیا ہے۔ یہ ایسی شخصیت ہیں، جن کو صرف پندرہ برس کی عمر میں ادب کے بیشتر شعبوں سے واقفیت ہو چکی تھی اور جن کی غیر معمولی علمیت اور منفرد ذہانت سے حالی، شبلی اور دیگر ادبی

شخصیتیں حیرت زدہ تھیں۔ شبلی نے تو مولانا سے یوں کہا تھا "تمھارا ذہن و دماغ عجائب روزگار میں سے ہے۔ تمھیں تو کسی علمی نمائش گاہ میں بطور ایک عجوبے کے پیش کرنا چاہیے۔" مفکروں اور دانشوروں نے مولانا کی زندگی کے ہر گوشے کا جائزہ لیا ہے۔ پھر بھی اس کی گنجائش ہے کہ ان کی زندگی، ان کے افکار واقوال، سیاسی، علمی اور تعلیمی خدمات کی چھان بین اور تعارف اس طرح کرایا جائے کہ نئی نسل کو اس عظیم شخصیت کے کارناموں سے واقفیت ہو سکے۔ غالبًا اسی مقصد سے پروفیسر رشید الدین خاں نے زیر نظر کتاب "مولانا ابوالکلام آزاد: شخصیت، سیاست، پیغام" کے عنوان سے تصنیف کی ہے اور آزاد کی مذہبی، سیاسی، قومی، علمی اور تعلیمی خدمات کا جائزہ نئے زاویے سے پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔

کتاب تین حصّوں پر مشتمل ہے۔ شخصیت، سیاست اور پیغام۔ سوانح حیات کے مطالعے سے کسی قدر تفصیل اور صراحت کے ساتھ ان کی زندگی کا پورا خاکہ نیز زندگی کے اہم، موثر اور ارتقائی پہلو تاریخ کی روشنی میں سامنے آتے ہیں۔ ذہنی اور علمی ذوق کی تربیت میں جن عوامل کا ہاتھ رہا ان سے آشنائی ہوتی ہے۔

کتاب کے پہلے حصے "شخصیت" کے زمرے میں ایسے ابواب ہیں، جن سے مولانا آزاد کی شخصیت کے مختلف پہلو مثلاً مذہب، سیاست، قومیت، علمیت، صحافت اور تعلیم کے شعبوں میں ان کی فکری اور علمی کارناموں کی نشاندہی ہوتی ہے۔ مولانا نے اپنے عہد کی سیاست کو قرآن کریم کے ارشادات کی روشنی میں کس طرح دیکھنے کی کوشش کی اور اس موقع پر جو کچھ لکھا اور کہا نیز جمہوریت اور متحدہ قومیت کو تاریخ اسلام کی روشنی میں "امتہ الواحدہ" کے نظریے کا جو جواز پیش کیا اور عوام کو قرآن کریم کے حوالے سے جو پیغام دیا، ان تمام باتوں کا جائزہ پیش کیا گیا ہے۔

جدو جہد آزادی میں مولانا کی حیات سیاسی کو مصنف نے تین ادوار میں تقسیم کیا ہے اور ہر دور میں ان کے فکری ارتقا کو بھی واضح کیا ہے۔ مولانا آزاد اور تحریک آزادی کے دیگر مسلم رہنماؤں کی سیاسی زندگی کا تقابلی جائزہ بھی شاملِ کتاب ہے۔ یہ بات بھی زیر بحث آئی ہے کہ فرقہ وارانہ علاحدگی پسندی کو تقویت دینے میں کون سی ذہنیت، کون سے عوامل، کون سی سیاسی تحریکات کار فرما تھیں نیز حالات و ماحول کی کیا کمزوریاں تھیں جس سے تحریکِ آزادی کے متحدہ مقصد کو دھکا لگا۔ "ہندستانی مسلمانوں کے دو راستے" میں موصوف نے اٹھارھویں صدی کی ابتدا سے نصف صدی تک مسلمانوں کے سیاسی نظریات میں علاحدہ اسلامی تشخص کے منصوبے اور شرعی جواز کو پرکھنے کی کوشش کی ہے۔ دو قومی نظریے کو تقویت پہنچانے میں کس طرح مسلمانوں کو متحدہ قومیت کے خلاف ابھارا گیا اور مولانا نے اس سلسلے میں کیا کوششیں کیں، یہ ساری باتیں وضاحت سے بیان کی گئی ہیں۔ مولانا آزاد اور محمد علی جناح کی شخصیت کے تمام پہلوؤں کا تقابلی جائزہ بھی لیا گیا ہے۔ اسی پس منظر میں محمد علی جناح کا اورنگ زیب اور مولانا آزاد کا دارا شکوہ سے موازنہ کیا گیا ہے۔ موصوف فرماتے ہیں: "جہاں اورنگ زیب کی سیاسی حکمتِ عملی میں ایک لحاظ سے تصور پاکستان کا پیش خیمہ نظر آتا ہے اسی طرح دارا شکوہ کی وسیع النظری متحدہ قومیت کے نظریے کا پیش خیمہ کہی جا سکتی ہے۔"

مولانا کا وہ بیان بھی ایک مضمون میں درج ہے جو قول فیصل کے نام سے مشہور ہے۔ اور جسے انھوں نے 10/دسمبر 1921 کو کلکتہ میں گرفتاری کے موقع پر عدالت کے سامنے دیا تھا۔ گاندھی جی نے اس بیان کو دلیرانہ، غیر متزلزل اور غیر اشتعال انگیز کہا تھا۔ آزاد کو جن نازک حالات میں انڈین نیشنل کانگریس کا صدر منتخب کیا گیا، اس کی پوری وضاحت بھی "افکار سیاسی کا تیسرا دور" سے ہوتی ہے۔ اس بات کا بھی انکشاف ہوتا ہے کہ مولانا آزاد نے مہاتما گاندھی کے لیے ہی سب سے پہلے قائدِ اعظم کے لقب کا استعمال کیا تھا جو بعد میں محمد علی جناح کے لیے مخصوص ہو گیا۔ مولانا آزاد، جواہر لال نہرو اور مہاتما گاندھی کی سیاسی اور مذہبی خیالات کی ہم آہنگی اور نظریاتی اختلافات کا بھی پتہ چلتا ہے۔

تیسرے حصّے کے تحت عوام کے نام وہ پیغام شامل ہے جسے مولانا نے متحدہ قومیت اور حب الوطنی کے پیش نظر اپنی تقریروں، تحریروں اور تصانیف کے ذریعے ہندستانی عوام تک پہنچایا اور اسی اتحاد اور حب الوطنی کے جذبے سے متاثر ہو کر قرآن شریف کی تفسیر بھی بیان کی جو "ترجمان القرآن" کے نام سے ایک معرکتہ الآرا تفسیر ہے۔ مولانا کی شاعری اور اقوال کے چند نمونوں کا مطالعہ ان کے احساسات، جذبات اور فکر و فہم کا پتہ دیتے ہیں۔ مولانا نے اس بات کی وضاحت کی ہے کہ موسیقی اسلام کے خلاف نہیں ہے۔ شاعری اور موسیقی ایک ہی حقیقت کے دو جلوے ہیں۔

کتاب کا اختتام تین فہرستوں پر مشتمل ہے۔ پہلی فہرست ان کتابوں اور جرائد سے متعلق ہے جن سے مولانا کا تعلق رہا ہے۔ دوسری فہرست میں مولانا کی تصنیفات، مضامین، مکاتیب، خطبات اور تیسرے میں مولانا پر منتخب کتب اور رسائل کے خصوصی شمارے شامل ہیں۔

جناب رشید الدین خاں کی یہ کتاب مولانا آزاد کی شخصیت اور اسلوب فکر کے اہم گوشے روشن کرتی ہے۔ کتابت، طباعت، سرورق جاذب نظر اور دلکش ہے۔

●

اردو لغت نویسی کا تنقیدی جائزہ / ڈاکٹر مسعود ہاشمی

صفحات 239، -/30 روپے
ناشر: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، ویسٹ بلاک ۱، آر کے پورم، دہلی
مبصر: شبنم آرا

"اردو لغت نویسی کا تنقیدی جائزہ" ڈاکٹر مسعود ہاشمی کا تحقیقی مقالہ ہے جسے قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان نے شائع کیا ہے۔ اس سے قبل ان کی مرتب کی ہوئی دو لغات ہندی۔ اردو شبد کوش اور اردو۔ ہندی عملی لغت مرکزی حکومت کے ایک اہم ادارے سنٹرل ہندی ڈائریکٹوریٹ سے شائع ہو چکی ہیں۔ اردو میں مختلف لغات پر متفرق مضامین تو ملتے ہیں لیکن ڈاکٹر مسعود ہاشمی کی اس کتاب کی طرح اردو کی تمام اہم لغات کا تفصیلی جائزہ ابھی تک نہیں لیا گیا۔ اس کتاب میں مصنف نے بڑی عمدگی سے لغات نویسی کے تاریخی ارتقا کے پس منظر میں آج کے عہد کے مسائل کو بھی دیکھا ہے اور علمی معائب و محاسن کی طرف بھی اشارہ کیا ہے۔ کتاب چار ابواب پر مشتمل ہے۔

پہلے باب میں مصنف نے ان منظوم لغاتی نصاب ناموں کا جائزہ لیا ہے جو ابتدا میں فارسی کے ذریعے اردو الفاظ کے معنی کی وضاحت کے لیے ترتیب دیے جاتے تھے۔ دوسرے باب میں اردو لغت نویسی کے اوّلیں دور (فرہنگ آصفیہ، نیز 'امیر اللغات') کو موضوع بحث بنایا گیا ہے اور یہ نتیجہ اخذ کیا گیا ہے کہ ان دونوں اہم لغات کے مولفین نے لغت نویسی کا پروجیکٹ جامع اور ایک مکمل لغت کی تیاری کی بجائے زبان کے تحفظ کے مقصد سے اختیار کیا تھا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ دونوں مولفین لغت نویسی کے بنیادی اصولوں سے انصاف نہ کرسکے۔

تیسرے باب میں 'فرہنگ آصفیہ' اور 'امیر اللغات' کے بعد شروع ہونے والے اردو۔اردو لغت نویسی کے دوسرے دور کا جائزہ لیا گیا ہے، کہ کس طرح اس دور میں زبان کے تحفظ کے ساتھ ساتھ تنقید لغت کا عمل بھی در آیا۔ جس کی ابتدا نواب جعفر علی خاں اثر لکھنوی نے کی تھی، اس تنقید لغت کا ردِ عمل یہ ہوا کہ اردو لغت نویسی جدید اصولوں سے بجائے ہمکنار ہونے کے علاقائیت پر مبنی معیارات کے محدود دائرے میں سمٹ کر رہ گئی۔

چوتھے باب میں جدید دور کی لغات یعنی مہذب اللغات، لغتِ کبیر اردو، (مولوی عبدالحق) اردو لغت بورڈ، پاکستان کی زیر اشاعت اردو لغت اور قومی کونسل فروغ اردو زبان، حکومت ہند کی زیر تدوین لغت کا جائزہ لغت نویسی کے جدید اصولوں کی روشنی میں لیا گیا ہے۔ جس کی بنا پر اس باب کو کتاب کا سب سے جامع اور بہتر حصہ قرار دیا جاسکتا ہے۔

کتاب کے آخر میں یہ واضح کیا گیا ہے کہ کوئی بھی لغت، لغت نویسی کے عالمی معیاروں پر پوری نہیں اترتی جس کی وجہ یہ ہے کہ اردو کے تمام جدید و قدیم متون ابھی تک سائنسی انداز میں مرتب نہیں ہوسکے ہیں۔ ہاں پاکستان میں زیر اشاعت اردو لغت اور قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان زیر تدوین لغت میں جو طریقۂ کار اختیار کیے گئے ہیں اس بنیاد پر یہ امید کی گئی کہ چونکہ اب اردو میں بھی لغت نویسی کے جدید اور سائنسی، اصولوں پر لغت نویسی شروع ہو گئی ہے اس لیے اردو کا دامن جلد از جلد ایک جامع لغت سے مالا مال ہو جائے گا جو لغت نویسی کے عالمی معیارات کا احاطہ کرے گی۔

زیر تبصرہ کتاب اپنے موضوع اور کام کی نوعیت کے اعتبار سے واقعی محنت اور لگن سے کیا گیا تحقیقی کام ہے جس کی اہمیت معروضی انداز کے تقابلی مطالعے اور تجزیاتی پیش کش کے سبب بھی ہے۔ کتاب کا سرورق عمدہ ہے اور قیمت بھی بہت کم ہے۔ بلاشبہ یہ کتاب باذوق قارئین کے لیے بہت مفید ثابت ہوگی۔

●

آزادی کے بعد اردو شاعری میں طنز و مزاح / ڈاکٹر مظہر احمد

صفحات 312، -/225 روپے
ناشر: شبانہ پبلی کیشنز، 2013، محلہ قبرستان، ترکمان گیٹ، دہلی-110006
مبصر: محمد نوشاد عالم

طنز و مزاح سماج پھیلی ناہمواریوں، ناانصافیوں، بدعنوانیوں اور بہروپیے پن پر کاری ضرب لگانے والی صنف ادب ہے اردو شاعری میں ابتدا سے ہی سنجیدہ شاعری کے ساتھ ساتھ طنزیہ و مزاحیہ شاعری بھی ہوتی رہی ہے۔ واضح طور سے اس کا آغاز جعفر زٹلی کی شاعری سے ہوتا ہے۔ انھوں نے عصری سیاسی و سماجی انتشار اور اخلاقی اقدار کے زوال کو ہدف تنقید بنایا قریبی پیش روشعرا میں اکبر، اقبال، جوش اور ترقی پسندوں نے طنزیہ و مزاحیہ شاعری کو وسعت بھی دی اور وقار و اعتبار بھی عطا کیا۔

"آزادی کے بعد اردو شاعری میں طنز و مزاح" مصنف کا تحقیقی مقالہ ہے جس پر دہلی یونی ورسٹی نے انھیں ڈاکٹر آف فلاسفی کی ڈگری دی۔ اب یہ مقالہ زیادہ جامع شکل میں ہمارے ہاتھوں میں ہے۔

زیر نظر کتاب پانچ ابواب پر مشتمل ہے۔ باب اوّل میں مصنف نے طنز و مزاح، ظرافت اور پیروڈی کی علاحدہ علاحدہ تعریف و توضیح پیش کی ہے اور ان کے باہمی تعلق اور انفرادی پہلوؤں کا مشرقی و مغربی ناقدین کے نظریات کی روشنی میں جائزہ لیا ہے انھوں نے بعض ناقدین کی آرا سے اختلاف اور بعض کی تائید کی ہے۔ باب دوم میں "آزادی سے قبل طنز و مزاح کی منفرد آوازیں" پر سیر حاصل گفتگو کی ہے اور بعض نمائندہ شعرا مثلاً جعفر

زٹلی، نظیر اکبر آبادی، غالب، اکبر الہ آبادی، اقبال اور جوش وغیرہ کی شاعری میں طنز و مزاح کے پہلوؤں کا تنقیدی و تجزیاتی مطالعہ پیش کیا ہے۔ تیسرا اور چوتھا باب آزادی کے بعد کی طنزیہ اور مزاحیہ شاعری پر مشتمل ہے۔ ان ابواب میں ذیلی عنوانات جیسے سیاست، سماج، ادب، تعلیم، مذہب اور خانگی موضوعات وغیرہ قائم کیے گئے ہیں۔ آزادی سے قبل طنز و مزاح کے شعرا نے انگریزی حکومت، مغربی تہذیب اور سامراجیت کو ہدف بنایا لیکن آزادی کے بعد برصغیر ہندوپاک میں جابر و شاطر سیاست دانوں، مذہب کے ٹھیکیداروں، سماج کے نام نہاد خدمت گاروں اور تعلیم کے تاجروں وغیرہ نے ان کی جگہ لے لی ہے۔ شاد عارفی نے ہندوپاک کے درمیان کشیدگی سے پیدا شدہ جنگی صورت حال کو اس طرح طنز کا نشانہ بنایا ہے۔

عاقل ہیں ہشیار ہیں دونوں
چوکس ہیں بیدار ہیں دونوں
آخر کو ہمسایہ ہیں نا
لڑنے پر تیار ہیں دونوں

ان ابواب میں جن شعرا کا ذکر ہے ان میں شاد عارفی، راجہ مہدی علی خاں، رضا نقوی واہی، سید محمد جعفری، سید ضمیر جعفری، شہباز امروہوی، ہلال سیوہاروی، ہلال رامپوری، دلاور فگار، حبیب جالب اور مجید لاہوری کے نام شامل ہیں۔

کتاب کے باب پنجم میں اردو شاعری کی اہم صنف پیروڈی کو، جسے تحریف کا نام دیا جاتا ہے موضوع بنایا گیا ہے آزادی کے بعد کی تمام اہم پیروڈیوں کا احاطہ کیا گیا ہے۔ اس صنف کی داغ بیل "اودھ پنچ" سے وابستہ شعرا مثلاً اکبر، سرشار، ہجر اور مولانا جنوبی نے ڈالی لیکن آزادی کے بعد یہ اپنی تمام فنی خوبیوں کے ساتھ مزاحیہ صنفِ سخن کے طور پر مقبول ہوئی۔ یہ صنف کلاسیکی شعرا کی بازیافت کا ایک وسیلہ بھی ہے کیوں کہ میر، غالب، اقبال اور نظیر کی شاعری کو نئے معنی و مفہوم کے ساتھ نیا قالب دینے کی سعی کی گئی ہے۔ اسی کے ساتھ ترقی پسند شعرا جیسے فیض، مخدوم اور ساحر لدھیانوی وغیرہ کی اہم تخلیقات کی بھی پیروڈی کی گئی ہے آزادی کے بعد اہم پیروڈی نگاروں میں کنھیالال کپور، عاشق محمد غوری، قاضی غلام محمد، صادق موٹی، راجہ مہدی علی خاں، سید محمد جعفری، دلاور فگار، مجید لاہوری، رضا نقوی واہی وغیرہ کا ذکر ہے جنھوں نے کامیاب پیروڈیاں کیں۔ مصنف نے مذکورہ شعرا کی پیروڈیوں کا تفصیلی جائزہ لیا ہے۔ آخر میں نظر باز پسیں کے زیر عنوان پورے کام کا اجمالی خاکہ شامل ہے۔

●

صحافت: فنی وارتقائی سفر / ڈاکٹر پروین فاطمہ

180 صفحات، -/80 روپے

ناشر: ڈاکٹر پروین فاطمہ 9، مرزا حیدر علی خاں اسٹریٹ، رویاپیٹھ، چنئی-14

مبصر: محمد نثار

آج انفارمیشن ٹیکنالوجی کی ترقی کے سبب عالمی سطح پر رونما ہونے والے واقعات، حادثات، تجربات، مشاہدات اور ایجادات نہ صرف لمحوں میں ہم تک پہنچ جاتے ہیں بلکہ انھیں ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ بھی لیتے ہیں۔ انفارمیشن ٹیکنالوجی کے میدان میں دوسری زبانوں کی طرح اردو نے بھی اپنے قدم جمانے کی کوششیں کی ہیں جس کے نتیجے میں اردو صحافت میں بھی نت نئے تجربات اور مشاہدات کا عمل جاری و ساری ہے۔

صحافت میں جدید ٹیکنالوجی کے آنے کے بعد ضروری تھا کہ اردو صحافت سے متعلق تمام تر معلومات، مواد اور وسائل کو اکٹھا کیا جاسکے جس کی کمی ہمیشہ محسوس کی جاتی رہی ہے۔ ایسی کوئی جامع کتاب ابھی تک منظر عام پر نہیں آسکی ہے جو اردو صحافت سے متعلق تمام تر ضروری معلومات کا احاطہ کرتی ہو۔

زیرِ تبصرہ کتاب "صحافت: فنی وارتقائی سفر" اس سمت میں اٹھایا گیا ایک اہم قدم ہے۔ کتاب کی مصنف ڈاکٹر پروین فاطمہ کوئن میری کالج چنئی میں شعبۂ اردو کی سربراہ ہیں۔ صحافت سے انھیں گہری دلچسپی رہی ہے اس سلسلے میں وہ علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی کے شعبۂ صحافت کے اساتذہ سے کتاب کی تصنیف کے سلسلے میں ملتی رہی ہیں۔ اخبار اور دیگر ذرائع ابلاغ جیسے اشتہار، رپورٹنگ، فلم، ٹی وی وغیرہ میں روزگار کی راہیں کھلی ہوئی ہیں لیکن تیاری کیسے کی جائے، اس سلسلے میں مکمل جانکاری پیش کرنا ہی ڈاکٹر پروین فاطمہ کا مقصد ہے۔

یہ کتاب چھ ابواب پر مشتمل ہے۔ پہلے باب میں صحافت کی تعریف، صحافت کے مختلف وسائل، صحافت کا مقصد، صحافتی ارتقا، صحافتی ذمے داریاں، ملک و قوم کی خدمت میں صحافت کا حصہ اور اس کے حقوق و ضوابط وغیرہ پر گفتگو کی گئی ہے۔ دوسرے باب میں خبر نگاری سے اخبار نویسی تک، خبر کی تعریف، عناصر، لوازمات اور خبر کی تیاری وغیرہ درج ہیں۔ تیسرے باب میں اخبار کے شعبہ جات اور اراکین، چوتھے باب میں اخبار اور اس کے دیگر مشمولات، باب پنجم میں اردو صحافت کا مختصر جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ چھٹا باب تمل ناڈو میں اردو صحافت کی تاریخ کے نام مختص ہے۔

'صحافت: فنی وارتقائی سفر' ایک حد تک اپنے عنوان کا احاطہ کرتی ہے لیکن سب سے زیادہ کمزور پانچواں باب اردو صحافت کا مختصر جائزہ ہے جس

میں بعض اہم اخبارات مثلاً مہذب لکھنؤ، قیصر الاخبار، الٰہ آباد، اکمل الاخبار، دہلی، پنجابی اخبار، رفیق ہند، لاہور کشف الاخبار، ممبئی، قاسم الاخبار، میسور اخبار اور منشور محمدی بنگلور کا کوئی تذکرہ نہیں کیا گیا ہے۔ اسی طرح مدینہ بجنور (جو 1912 میں جاری ہوا) کے آغاز کی تاریخ 1945 (صفحہ 153) درج کی گئی ہے۔ ایسی اغلاط کتاب کے استناد کو مشکوک کر دیتی ہیں۔ اگر ان خامیوں کو نظر انداز کر دیا جائے تو صحافت: فنی و ارتقائی سفر ایک اہم کتاب ہے۔ امید کی جانی چاہیے کہ کتاب کا دوسرا ایڈیشن ان کمیوں سے پاک ہوگا۔

●

غنچہ و گل / نثار سریانوی

158 صفحات، -/50 روپے

ناشر: نثار سریانوی، سریانواں بازار، ضلع بستی۔ یوپی-272126

'غنچہ و گل' نثار سریانوی کا پہلا شعری مجموعہ ہے جس میں حمد، نعت، منقبت، قطعات، رباعیات، گیت، نظمیں اور غزلیں سب کچھ شامل ہیں۔ نثار سریانوی کی شاعری میں ان کا منفرد لب ولہجہ، ابھر کر سامنے آیا ہے۔ خصوصاً ان کی غزلوں میں ان کے نجی اور ذاتی عشقیہ تجربات، محبوب سے قربت اور لذت وصل کا بیان خوب ہوا ہے۔ یہ شعری مجموعہ نوجوانوں کو بے حد پسند آئے گا۔

●

بیت بازی / ابن غوری

64 صفحات، -/15 روپے

ناشر: آئی۔ جی۔ پبلشرس، مولانا محمد علی جوہر اسٹریٹ، تل گنڈا، اے۔ پی۔

ہمارے معاشرے میں بیت بازی کی روایت پرانی ہے، زیر نظر کتاب بیت بازی کے شوقین حضرات کے لیے ایک حسین تحفہ ہے۔ کتاب کی خصوصیت یہ ہے کہ اشعار کا انتخاب بہت اچھا ہے اور تقریباً تمام اشعار استاد شاعروں کے ہیں۔

●

اخلاق و اخلاص / مرتبہ: ابن غوری

71 صفحات، -/20 روپے

ناشر: آئی۔ جی۔ پبلشرس، مولانا محمد علی جوہر اسٹریٹ، تل گنڈا، اے۔ پی۔

اس کتاب میں قرآن و حدیث کی روشنی میں انسان کو اچھے اخلاق کی طرف راغب کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اچھے اخلاق پیدا کرنے، تمام انسانوں سے محبت، غیبت، چغلی، حسد، زنا اور سود سے بچنے، پڑوسیوں سے بہتر تعلقات رکھنے، ایک دوسرے کی مدد کرنے اور والدین کے حقوق ادا کرنے پر اس میں بے حد زور دیا گیا ہے۔

●

گھنی چھاؤں کا پیڑ (شعری مجموعہ) / امین حزیں

112 صفحات، -/100 روپے

ملنے کا پتا: حاجی غلام محمد اعظم ایجوکیشن ٹرسٹ، اعظم کیمپس، نیو مودی خانہ، پونے-411002

●

عنواناتِ درخشاں (شعری مجموعہ) / ارشد صدیقی

128 صفحات، -/100 روپے

ملنے کا پتا: دانش کدہ، سی/63، باغ امراؤ دولہا کالونی، بھوپال-10

درس بلاغت

علم بلاغت کی پرانی کتابوں کی زبان اتنی ادق اور پیرایۂ اظہار اتنا پیچیدہ ہے کہ آج کے اردو طلبہ کو مطالب کی تفہیم میں خاصی دشواری ہوتی ہے۔ یہ کتاب اسی دشواری کو دور کرنے کے لیے اردو بیورو نے تیار کرائی تھی۔ کتاب کے بیشتر مضامین شمس الرحمٰن فاروقی نے تحریر کیے ہیں اور باقی پر نظر ثانی بھی انھی نے کی ہے۔

چوتھا ایڈیشن

192 صفحات قیمت: 42 روپے

ہندستان کا نظامِ جمال

بدھ جمالیات سے جمالیاتِ غالب تک

(تین جلدوں میں)

مصنف: شکیل الرحمٰن

ہندستان کی تاریخ و تہذیب کے پس منظر میں ہندستانی فنونِ لطیفہ کا مطالعہ۔ رنگین تصاویر سے مزین ان جلدوں کی طباعت آرٹ پیپر پر کی گئی ہے۔

کل صفحات: 918، قیمت: 1311 روپے (مکمل سیٹ)

عبدالوودود انصاری

تتلی رانی

شہلا اپنی پڑھائی لکھائی کے بعد بیشتر اوقات اپنے باغیچے میں گزارتی تھی۔ وقت کیا گزارتی اسے تو رنگ برنگ کے پھولوں پر منڈلاتی شوخ اور چنچل تتلیوں سے بے پناہ محبت تھی جن کے پیچھے دوڑتی۔۔۔ پکڑتی۔۔۔ مسکراتی۔۔۔ پھر ہوا میں چھوڑ دیتی جس سے اسے بے حد مسرت حاصل ہوتی تھی۔ ادھر تتلیاں بھی شہلا کو بے حد چاہتی تھیں۔ شہلا کو باغیچے میں آتے دیکھتے ہی پھولوں سے اڑاڑ کر شہلا کو مرحبا مرحبا اور خوش آمدید خوش آمدید کہہ کر شہلا کا استقبال کرتی تھیں۔ معمول کے مطابق ایک دن شہلا ایک خوبصورت تتلی کے قریب گئی اور اسے پکڑنے کے بجائے تتلی کو دیکھتی رہی۔ اس کے دل میں خیال آیا کہ آج تتلی رانی سے کچھ بات چیت کی جائے۔ تتلی رانی بھی شہلا کے چہرے کو پڑھ کر سمجھ گئی کہ آج شہلا کچھ کہنے والی ہے۔ پھر ایسا ہوا کہ تتلی رانی نے ہی بات چیت کا آغاز کر ڈالا۔ "شہلا۔ آج تم مجھے پکڑنے کے بجائے اس قدر غور سے کیوں دیکھ رہی ہو۔؟"

شہلا: سب سے پہلے آپ بتایئے کہ آپ کے نام کیا کیا ہیں؟

تتلی رانی: اردو والے تو ہندی والوں کے دیے ہوئے نام "تتلی" کہہ کر مجھے پکارتے ہیں جب کہ عربی میں فراشہ، بنگلہ میں پرجاپتی اور انگریزی میں بٹر فلائی (Butter Fly) کے نام سے جانی جاتی ہوں۔

شہلا: آپ ہیں کون۔؟

تتلی رانی: میں کیڑے مکوڑے کے خاندان سے تعلق رکھنے والی ایک فرد ہوں۔

شہلا: آپ کیڑوں کے جس گروپ سے تعلق رکھتی ہیں اس کا سائنسی نام کیا ہے؟

تتلی رانی: لیپی ڈوپیٹرا (Lepidoptera)

شہلا: آپ کا یہ سائنسی نام کیسے پڑا۔؟

تتلی رانی: لیپی ڈوپیٹرا یونانی لفظ ہے جس کے معنی ہیں چھلکے جیسے پروں والے۔ چونکہ میرے پر بھی چھلکے دار ہیں اسی لیے میرا نام بھی لیپی ڈوپیٹرا پڑا۔

شہلا: دنیا میں آپ کی کتنی قسمیں پائی جاتی ہیں؟

تتلی رانی: 1500 سے 2000 تک۔

شہلا: ہندستان میں آپ کی کم و بیش کتنی قسمیں پائی جاتی ہیں؟

تتلی رانی: 1500

شہلا: اچھا ذرا۔۔۔ اپنی پیدائش کے بارے میں بتایئے۔!!

تتلی رانی: ہم تتلی کی مادائیں سرسوں، آم، کاغذی لیموں وغیرہ کے درختوں کے سبز پتوں پر کئی کئی سو انڈے دیتی ہیں۔ انڈے سفید دانے کی شکل کے ہوتے ہیں جو پتوں سے چپکے رہتے ہیں۔ دس بارہ دنوں بعد ان انڈوں سے ننھے ننھے لاروے (Larvae) نکلتے ہیں۔ لاروے کا جسم لمبا اور پتلا روؤں سے ڈھکا ہوتا ہے۔ شروع شروع میں یہ انڈوں کے خول کھاتے ہیں بعد میں نرم پتوں کو اپنی غذا بناتے ہیں۔ کچھ دنوں کے بعد لاروے کا جسم چھوٹا اور موٹا ہو جاتا ہے اور جسم پر ہرے رنگ کا خول چڑھ جاتا ہے۔ خول کے اندر لاروے کی شکل بدل کر پیوپا (Pupa) میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ لاروے کی پیدائش سے پیوپا بننے تک کم و بیش چار ہفتے لگتے ہیں۔ اس دوران یہ کھانا پینا بند کر دیتے

ہیں۔اس کے باوجود اس کی شکل وشباہت میں بڑی تیزی سے تبدیلی واقع ہوتی رہتی ہے پھر تقریباً دس بارہ دنوں میں پیوپا آہستہ آہستہ مکمل تتلی بن جاتا ہے اور پھر تمھاری تتلی رانی کی طرح خول توڑ کر باہر نکل جاتا ہے۔

شہلا: تتلی رانی — کملا (Caterpillar) کیا ہے؟

تتلی رانی: ارے منّی — میری پیوپا کی شکل کا دوسرا نام کملا ہے۔

شہلا: اچھا یہ تو بتدریج آپ کی شکلیں بدلنے کا عمل ہوا یعنی انڈے سے لاروا۔ لاروے سے پیوپا — اور پیوپے سے تتلی — اس عمل کا سائنسی نام کیا ہے؟

تتلی رانی: قلبِ ماہیت (Metamorphosis)

شہلا: ذرا آپ ٹھیک ٹھیک بتائیے کہ کتنے انڈے آپ مادائیں دے سکتی ہیں؟

تتلی رانی: 100 سے 3000

شہلا: اب ذرا مختصر میں اپنے جسم کی ساخت کے بارے میں بتایئے۔!

تتلی رانی: میرا جسم تین حصوں میں منقسم ہوتا ہے۔اوّل سر، دوئم سینہ اور سوئم شکم۔ میرا سر چھوٹا اور گول ہوتا ہے جس کے دونوں جانب آنکھیں ہوتی ہیں۔ سر کے اوپری حصے میں دو بال جیسی سینگیں ہوتی ہیں جنھیں اینٹینی (Antenae) کہا جاتا ہے۔مُنہ کے سامنے ایک پتلی نلی کی طرح سونڈ ہوتی ہے جسے پروبوسیس (Proboscis) کہتے ہیں۔اسی سے میں پھولوں اور پھلوں کا رس چوستی ہوں۔

میرا سینہ تین حصّوں میں منقسم ہوتا ہے۔ ہر حصّے میں ایک جوڑی ٹانگیں ہوتی ہیں۔اس طرح میری کل چھ ٹانگیں ہیں۔ سینے کے اوپری حصّے میں دو جوڑے پر ہوتے ہیں جو بڑے نازک ہوتے ہیں۔

میرا شکم سولی کی طرح لمبا ہوتا ہے جس پر گول گول دھاریاں ہوتی ہیں۔اس کے دونوں کناروں پر چھوٹے چھوٹے سوراخ ہوتے ہیں۔انھی سوراخوں سے میں سانس لیتی ہوں۔

شہلا: آپ اپنی اینٹینی (Antenae) سے کیا کام لیتی ہیں۔؟

تتلی رانی: میں انھیں سونگھنے اور اُڑنے میں استعمال کرتی ہوں۔

شہلا: آپ کے کان کہاں ہوتے ہیں؟

تتلی رانی: اپنے دونوں پیروں سے سنتی ہوں۔

شہلا: اچھا یہ بتایئے کہ آپ جو رس چوستی ہیں تو کیسے چوستی ہیں؟

تتلی رانی: تم تو جان ہی چکی ہو میں اپنی سونڈ (Proboscis) کے ذریعے رس چوستی ہوں۔ پھولوں یا پودوں کا رس پینے کے قبل میں اپنے خون کے دباؤ کی مدد سے اپنی مڑی ہوئی سونڈ کو سیدھا کر کے اس کو اس مقام تک پہنچا دیتی ہوں جہاں رس ہوتا ہے اس کے بعد سانس کی مدد سے رس پینا شروع کر دیتی ہوں۔جب شکم سیر ہو جاتی ہوں تو دوبارہ اپنی سونڈ کو لپیٹ کر اڑ جاتی ہوں۔

شہلا: تتلی رانی — کیا غذا کی وجہ سے آپ کے جسم کی شکل وشباہت میں تبدیلی بھی آتی ہے؟

تتلی رانی: نہیں منّی — میری مکمل شکل وشباہت تو بچپن میں کملا اسٹیج (Caterpillar Stage) میں ہی مکمل ہو جاتی ہے۔ میری غذا مجھے اُڑنے میں توانائی فراہم کرتی ہے۔

شہلا: آپ سب آپس میں کس طرح بات چیت کرتی ہیں؟

تتلی رانی: ہم سب "ٹک ٹک۔ہاٹ" جیسی آواز نکالتے ہیں۔اس آواز کا مطلب میرے سوا بعض پرندے بھی سمجھ لیتے ہیں لیکن یاد رکھو کہ ہم سب کی بولیوں کے کچھ اشارے مثلاً پنکھ پھڑ پھڑانا، فضا میں اُڑنا اور ایک جگہ ٹھہر کر اُڑنا بھی ہوتے ہیں لیکن ایسے اشاروں کو تتلیاں ہی سمجھ سکتی ہیں۔

شہلا: کیا یہ سچ ہے کہ نر تتلی کے پروں کی تعداد مادہ کی بہ نسبت زیادہ ہوتی ہے؟

تتلی رانی: ہاں۔ یہ سچ ہے۔

شہلا: تتلی رانی۔ یہ بتائیے آپ اس قدر حسین کیوں دکھائی دیتی ہیں؟

تتلی رانی: میرا جسم اور پروں کا رنگ دراصل چھوٹے، پتلے، چھپلے اور نہایت ہی دلکش نازک چھلکوں کی مناسب ترین بناوٹ کی وجہ سے خوبصورت دکھائی دیتا ہے۔

شہلا: کیا یہ صحیح ہے کہ آپ کا رنگ موسم کے بدلنے سے بدلتا بھی ہے؟

تتلی رانی: ہاں یہ صحیح ہے۔

شہلا: اچھا آپ کا نر، فیرومون (Pheromone) نامی کیمیائی مادہ خارج کیوں کرتا ہے؟

تتلی رانی: منی۔ وہ ہم مادؤں کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لیے ایسا کرتا ہے۔

شہلا: اچھا یہ بتائیے کہ آپ کو چھونے پر ہاتھ میں پاؤڈر کیوں لگ جاتا ہے؟

تتلی رانی: دراصل اللہ نے ہمارے پروں پر جو قدرتی ڈیزائن بنایا ہے اس کے رنگ ہلکے ہوتے ہیں اور یہ مادّے پاؤڈر کی طرح ہوتے ہیں جس کی وجہ سے ہمارے پروں کو چھونے پر تمہارے ہاتھ میں پاؤڈر لگ جاتا ہے۔

شہلا: تتلی رانی۔ آپ بارش کے دوران کہاں چھپ جاتی ہیں؟

تتلی رانی: بارش کے دوران پھولوں کی ڈالیوں کے نیچے دونوں پروں کو جوڑ کر سر کو نیچے کر کے لٹکی رہتی ہوں یا پھر گھاس کے ڈھیر میں چھپ جاتی ہوں۔

شہلا: اچھا یہ بتائیے کہ آپ لوگوں کے خاندان کی سب سے بڑی تتلی کا نام کیا ہے اور اس کے پروں کا پھیلاؤ کتنا ہے؟

تتلی رانی: ہماری بڑی تتلی Queen Alexander's Birdwing ہے — اس کے پر 190 ملی میٹر تک پھیلے ہوئے ہیں۔

شہلا: اور سب سے چھوٹی تتلی کا نام اور اسکے پروں کا پھیلاؤ —!!

تتلی رانی: Zizeeria Trochilus۔ 12 ملی میٹر

شہلا: آپ لوگوں کے درمیان ایک ایسی تتلی بھی ہے جس کا ذائقہ اتنا کڑوا ہوتا ہے کہ گرگٹ اور چھپکلیاں بھی اسے شکار کرنا پسند نہیں کرتی ہیں۔ذرا اس تتلی کا نام بتائیے —!!

تتلی رانی: کیلیما (Kallima)

شہلا: ہندستان میں وہ کون سی جگہ ہے جہاں کی تتلی پت جھڑ کے دنوں میں پیڑ کے پتوں جیسا رنگ اختیار کر لیتی ہے اور لوگ اسے پتا ہی سمجھ لیتے ہیں؟

تتلی رانی: دارجلنگ

شہلا: سنا ہے کہ آپ لوگوں کے درمیان ایک ایسی تتلی بھی ہے جس کی چیونٹی سے بڑی دوستی ہے۔ذرا اس تتلی کا نام بتائیے اور دوستی کا راز بھی بتائیے۔!!

تتلی رانی: اس قسم کی تتلیاں لائیکانیڈس (Lycaenids) کہلاتی ہیں جو بہت چھوٹے سائز کی ہوتی ہے۔ اس کی ایک مثال Enchry Sope Cnejus کی ہے۔ اب رہی بات چیونٹی سے اس کی دوستی کی، تو سنو۔ میری یہ سہیلی ایک طرح کی میٹھا مادہ غدود خارج کرتی ہے جو چیونٹیوں کو بے حد پسند ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ میری اس سہیلی کو اپنے گھونسلوں میں انڈے دینے کی دعوت بھی دیتی ہیں اور اس کی حفاظت بھی کرتی ہے۔

شہلا: اس قسم کی تتلیاں کہاں کہاں پائی جاتی ہیں؟

تتلی رانی: ہندستان کے علاوہ برما اور سری لنکا میں۔

شہلا: کیا یہ صحیح ہے کہ آپ میں بعض قسمیں دور دراز علاقوں میں ہجرت بھی کر جاتی ہیں؟

تتلی رانی: ہاں ـــ کرتی ہیں۔ ایک مثال تو پیرس (Pieris) تتلی کی ہے جو جاڑے میں ہمالیہ سے شمالی ہندستان کی جانب ہجرت کر کے چلی جاتی ہے پھر اس کی واپسی گرمی میں ہوتی ہے۔ دوسری مثال منارک تتلی (Monarch Butterfly) کی ہے جو شمالی امریکہ میں پائی جاتی ہے۔ وہ دو ہزار کلو میٹر دوری طے کر کے گرم خطے میں چلی جاتی ہے پھر موسم بہار میں واپس آتی ہے۔

شہلا: اچھا یہ بتائیے کہ منارک تتلی کی زیادہ سے زیادہ رفتار کتنی ہے؟

تتلی رانی: 27.2 کلو میٹر فی گھنٹہ

شہلا: پرانے زمانے میں کس قوم کو یقین تھا کہ انسان کے جسم میں روح تتلی کی طرح اتر جاتی ہے؟

تتلی رانی: یونانیوں کو

شہلا: دنیا میں کس ملک کو تتلیوں کا دیس کہا جاتا ہے؟

تتلی رانی: نیوزی لینڈ کو

شہلا: تتلی رانی! دنیا میں کس ملک میں آپ کا یعنی تتلی پارک ہے؟

تتلی رانی: ملیشیا میں

شہلا: کس تتلی کو اسکپر (Skipper) کہا جاتا ہے؟

تتلی رانی: ہیسپرڈ (Hesperids) کو

شہلا: اور کس تتلی کو پلین ٹائیگر (Plain-tiger) کہا جاتا ہے؟

تتلی رانی: Danaids کی ایک قسم Danaus Chrysippus کو

شہلا: نمفالڈ (Nymphalid) تتلی کی کون سی دو مشہور قسمیں ہیں جن میں ایک کو راجا اور دوسرے کو نواب کہا جاتا ہے؟

تتلی رانی: کیراکسس (Charaxes) کو راجا اور ایریئوبیا (Erioboea) کو نواب کہا جاتا ہے۔

شہلا: اچھا۔ اب ایسی دو تتلیوں کے نام بتائیے جو پھولوں کے بجائے گوبر، کھاد اور سڑے گلے پھلوں پر بیٹھنا پسند کرتی ہیں۔؟

تتلی رانی: کیراکسس اور ایریئوبیا

شہلا: سنا ہے ایک ایسی تتلی بھی ہے جو تقریباً 2000 میٹر اونچائی کے پہاڑوں پر برفیلے علاقوں میں رہنا پسند کرتی ہے۔ اگر سچ ہے تو اس کا نام کیا ہے؟

تتلی رانی: منی۔ سچ ہے۔ اس کا نام اپولو تتلی (Appollo Butterfly) ہے۔

شہلا: اچھا یہ بتایئے کہ کون سی تتلی اکثر میدانوں میں رہنا پسند کرتی ہے؟

تتلی رانی: نیپٹس (Neptis)

شہلا: تتلی رانی۔ میں یہ جاننا چاہوں گی کہ اس تتلی کا نام کیا ہے جس کے پروں کو ساؤتھ امریکہ میں مرصع سازی میں استعمال کیا جاتا ہے؟

تتلی رانی: مورفو تتلی (Morpho Butterfly)

شہلا: آپ لوگوں کے خاندان میں ایک تتلی ایسی بھی ہے جس کے پروں میں ایک لمبی دُم ہوتی ہے اور لوگ اسے Swallow tail butterfly کے نام سے پکارتے ہیں۔ آپ بتایئے اس کا صحیح نام کیا ہے؟

تتلی رانی: Papilionid

شہلا: تتلی رانی۔ آپ نے محسوس کیا ہوگا کہ کمبخت پروانے کی مشابہت کی وجہ سے لوگ اکثر آپ کو پہچاننے میں غلطی کرتے ہیں۔ ذرا دونوں کی پہچان بتایئے تاکہ لوگ غلطی نہ کیا کریں۔!!

تتلی رانی: دیکھو منّی۔ ذرا زبان صحیح کر کے بات کرو۔ اچھی لڑکیاں اس طرح کی باتیں نہیں کرتیں۔ کمبخت تو بُرے لڑکے اور لڑکیوں کو کہا جاتا ہے۔ پروانہ تو میری جماعت سے ہی تعلق رکھتا ہے۔ یعنی لیپی ڈوپیٹرا (Lepidopetra)۔ لہٰذا اس کو کمبخت کہنا مجھے بُرا لگتا ہے۔ اب رہی بات ہم دونوں کی پہچان کی تو۔ سنو!!

(1) میں اکثر دن میں نظر آتی ہوں جب کہ پروانے رات میں نظر آتے ہیں۔

(2) میری سونڈ لمبی ہوتی ہے جب کہ پروانے کی چھوٹی ہوتی ہے۔

(3) میری سونڈ کا کنارہ پھولا ہوتا ہے جب کہ پروانے کا نوکدار ہوتا ہے۔

شہلا: اچھا یہ بتایئے کہ آپ کے پھولوں یا پتوں پر بیٹھنے کا اسٹائل کیسا ہے؟

تتلی رانی: میں پھولوں یا پتوں پر بیٹھتے وقت اپنے دونوں پروں کو ملا کر کھڑی رکھتی ہوں۔

شہلا: تتلی رانی۔ آپ اُڑتی ہیں تو آپ کو پرندوں میں شامل کیوں نہیں کیا گیا ہے؟

تتلی رانی: منّی۔ پرندہ ہونے کی صرف اُڑنا ہی شرط نہیں۔ ان کے لیے اور بھی شرائط ہیں جو میرے اندر نہیں۔ اسی لیے تمہارے سائنس داں مجھے پرندوں میں شامل نہیں کرتے ہیں۔

شہلا: اچھا یہ بتایئے تتلی رانی۔ آپ اتنی خوبصورت ہیں۔ بہت سارے پھولوں کی پیدائش میں آپ کا اہم رول بھی ہے۔ پھر انسان آپ کو دشمن کیڑوں میں شمار کیوں کرتا ہے؟

تتلی رانی: تم انسانوں کے کیا کہنے۔ تم مجھے دیکھ کر پکڑ کر دل بہلاتی ہو۔ تمہارے گھر والے دیواروں پر میری تصویر سجاتے ہیں۔ بہت سارے پھولوں کی پیداوار میں میرا اہم رول بھی ہے لیکن یہ سب انسان بھول بیٹھا۔ اور میرے بچے یعنی لاروے ذرا سا ان کی فصلوں، پھلوں اور ترکاریوں کو برباد کرتے ہیں تو مجھے وہ دشمن ٹھہراتے ہیں۔

(شام ڈھل چکی تھی۔ سورج اب غروب ہونے والا تھا۔ تتلی رانی نے شہلا کو سمجھایا کہ منّی۔ جاؤ اب تمہاری پڑھائی لکھائی کا وقت ہونے والا ہے۔ کل پھر آؤ گی تو باتیں ہوں گی۔ شہلا تتلی رانی کو خدا حافظ کہہ کر اپنے گھر کی سمت واپس ہو گئی۔)

□□□

Principal
Urdu Medium Government Teachers Training Institute, P.O. Nalikur-712407 (W.B.)

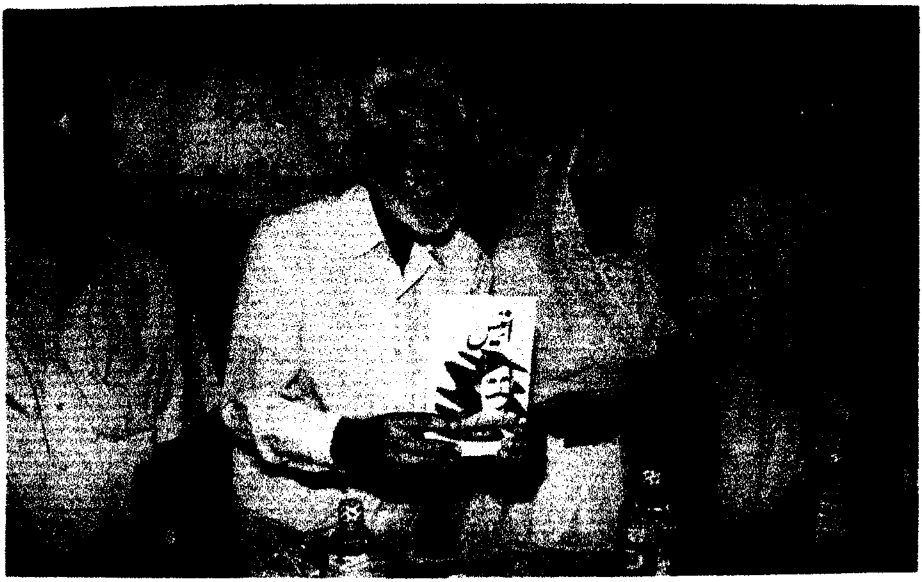

پروفیسر نیّر مسعود کی کتاب "انیس (سوانح)" کی رسم اجرا لکھنؤ میں 18 / جولائی کو بزرگ شاعر جناب عمر انصاری کے ہاتھوں انجام پائی۔
تصویر میں (دائیں سے) پروفیسر نیّر مسعود، بیگم حامدہ حبیب اللہ، جناب عمر انصاری اور جناب عرفان صدیقی۔

خواجہ غریب نواز فاؤنڈیشن اندور کے قیام پر ایک میٹنگ کے بعد (دائیں سے) سابق کرکٹر جناب مشتاق علی، معروف فلم اداکار اور راجیہ سبھا کے رکن جناب دلیپ کمار، سابق آئی. پی. ایس. اور فاؤنڈیشن کے سکریٹری جناب ایس. ایچ. خاں اور رنجی ٹرافی کھلاڑی جناب گلریز علی۔

RNI No. 70323/99

DL-15052 / 2002

URDU DUNIYA Monthly, September 2002, Vol. 4, Issue: 9

National Council for Promotion of Urdu Language

Department of Secondary & Higher Education, Ministry of H.R.D., Government of India, New Delhi

اردو کے ادبی معرکے انشا سے غالب تک

مصنف: ڈاکٹر محمد یعقوب عامر

ہمارے اساتذہ کے درمیان جو ادبی معرکے ہوئے وہ محض ذاتی پرخاش کا نتیجہ نہ تھے بلکہ ان کے پیچھے فنی رویوں کا اختلاف بھی تھا جو علمی بنیادوں پر قائم تھا۔ اس کتاب میں انشا سے غالب تک کے مشہور، مستند اساتذۂ فن کے ادبی معرکوں کا جائزہ ادبی نقطہ نظر سے لیا گیا ہے۔

تیسرا ایڈیشن، صفحات 448، قیمت -/85 روپے

آندھی میں چراغ

مصنف: خواجہ غلام السیدین

مصنف کا کہنا ہے کہ "ہر انسان ایک انمول شخصیت کا امین ہے اور اس کی نشو و نما اور پوشیدہ صلاحیتوں کی تربیت فرد اور جماعت دونوں کا فرض ہے" یہ کتاب شخصی اور اتفاقی حوالوں سے اسی اجمال کی تفصیل پیش کرتی ہے۔

دوسرا ایڈیشن، صفحات 376، قیمت -/73 روپے

وادیِ سندھ اور اس کے بعد کی تہذیبیں

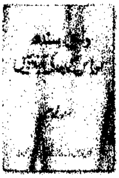

مصنف: سر مورٹیمر وھیلر / مترجم: زبیر رضوی

سندھ کی تہذیب کے سب سے واضح آثار موہن جوداڑو اور ہڑپا میں ملتے ہیں جو اس تہذیب کے سب سے بڑے شہر تھے۔ بعد کی تہذیبوں پر اس کے کیا اثرات پڑے، یہ اور ایسے کئی اہم سوال اس کتاب میں اٹھائے گئے ہیں۔

دوسرا ایڈیشن، صفحات 148، قیمت -/45 روپے

قومی تہذیب کا مسئلہ

مصنف: ڈاکٹر سید عابد حسین

اس کتاب میں فاضل مصنف نے ابتدا سے زمانۂ حال تک ہندوستانی تہذیب کی نشو و نما کا جائزہ لیا ہے اور اس کی بنیادی خصوصیات واضح کی ہیں

دوسرا ایڈیشن، صفحات 220، قیمت -/54 روپے

آزادی

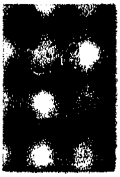

مصنف: جان اسٹوارٹ مل / مترجم: سعید انصاری

قومیں تبھی ترقی کر سکتی ہیں جب وہ سیاسی آزادی کے ساتھ ساتھ فرد کی آزادی کو بھی ملحوظ رکھیں۔ یہ کتاب اسی اجمال کی تفصیل پیش کرتی ہے۔

دوسرا ایڈیشن، صفحات 184، قیمت -/52 روپے

انقلاب اٹھارہ سو ستاون

مصنف: پی۔ سی۔ جوشی

1857 کا سال ہماری تاریخ کا اہم موڑ ہے۔ اس نے ہماری سیاسی، تہذیبی، تمدنی اور ادبی زندگی پر جو اثرات مرتب کیے یہ کتاب ان کی نشاندہی بھی کرتی ہے اور تجزیہ بھی۔

تیسرا ایڈیشن، صفحات 350، قیمت -/75 روپے

ظہیر الدین محمد بابر

مصنف: ایل۔ ایف۔ رش بروک ولیمز / مترجم: رفعت بلگرامی

اس کتاب میں بابر کی خود نوشت "تزک بابری" کے علاوہ دیگر کئی معاصر اور مابعد ماخذ کو سامنے رکھ کر بابر کی زندگی، اس کی مہم جوئی، حوصلگی اور اس کی سیاسی بصیرت کا غیر جانبدارانہ محاکمہ کیا گیا ہے۔

چوتھا ایڈیشن، صفحات 223، قیمت -/26 روپے

البیرونی کے جغرافیائی نظریات

مصنف: ڈاکٹر حسن عسکری کاظمی

قرون وسطیٰ کے جغرافیہ دان ابو ریحان محمد ابن احمد البیرونی ایک جامع صفات شخصیت کا مالک تھا اور اپنے دور کے کئی علوم پر دسترس رکھتا تھا۔ اس کتاب میں عام فہم زبان میں البیرونی کے جغرافیائی نظریات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

دوسرا ایڈیشن، صفحات 188، قیمت -/53 روپے

Printed and Published by Dr. M. Hamidullah Bhat, Director, NCPUL on behalf of NCPUL, Printed at J.K. Offset Printers, Jama Masjid, Delhi-110006 and Published at NCPUL, West Block-I, Wing-6, R.K. Puram, New Delhi-110 066. Editor Dr. M. Hamidullah Bhat. Tel : 6103381, 6103938